کشمیر اور سندھ

(قومی تعمیر، نسل پرستی اور جنوبی ایشیا میں علاقائی سیاست)

سرنجن داس

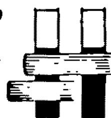
ترجمہ: وسیم الدین چودھری

کشمیر اور سندھ

قومی تعمیر، نسل پرستی اور جنوبی ایشیا میں علاقائی سیاست

سرنجن داس

ترجمہ: وسیم الدین چودھری



فکشن ہاؤس

18- مزنگ روڈ لاہور

E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com
Ph:042-7249218, 7237430

An Urdu Translation of "Kashmir and Sindh"

By Suranjan Das

نام کتاب : کشمیر اور سندھ

(قومی تعمیر، نسل پرستی اور جنوبی ایشیا میں علاقائی سیاست)

تحقیق : سرنجن داس

ترجمہ : وسیم الدین چودھری

پبلشرز : فکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ، لاہور

فون:7249218-7237430

اہتمام : ظہور احمد خاں

کمپوزنگ : فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور

پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

سرورق : عباس

اشاعت : 2010ء

قیمت : -/250روپے

ہیڈ آفس : 18-مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

برانچ لاہور

124- ٹیمپل روڈ لاہور

فون:042-7321040

سب آفس حیدر آباد

52,53 رابعہ اسکوائر حیدر چوک گاڑی کھاتہ حیدر آباد

فون:022-2780608

انتساب

اپنی والدہ کے نام

جو معرکہءزندگی کے ہر دور میں میری توانائی بنی رہی

فہرست

تمہید

زیرِ مطالعہ کتاب ''کشمیر اور سندھ'' کولکتہ سے 2001ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب کولکتہ یونیورسٹی میں شعبہء تاریخ کے پروفیسر جناب سرنجن داس کی تحقیق کا حاصل نتیجہ ہے۔ اس کام کے لئے نامور پروفیسر نے کولکتہ سے امریکا اور لندن تک سفر کیا اور بڑی محنت سے مطلوبہ مواد تلاش کیا، اور پھر اس مواد کو نہایت سلیقے اور ترتیب سے پیش کیا، جس کے لئے ہم اہلِ کشمیر اور اہلِ سندھ ان کے مشکور ہیں۔

کشمیر اور سندھ کے مسائل کا تقابلہ کرنا ایک اچھی بات ہے۔ لیکن ان دو تاریخی علاقہ جات کے موجودہ مصائب اور مشکلات میں نہ تو یکسانیت ہے اور نہ ہی مماثلت۔ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کشمیر اور سندھ کا اٹوٹ تعلق ہے۔ یہ پورا خطہ وادیِ سندھ ہے۔ کشمیر سے بیشتر دریا نکلتے ہیں اور خاص کر دریائے سندھ کشمیر سے ہوکر، پنج ند سے سندھ میں داخل ہوتا ہے اور آخرکار عربی سمندر میں داخل ہو جاتا ہے۔

جناب سرنجن داس کی کتاب ویسے تو چار حصوں پر مشتمل ہے لیکن اس کے دو اہم عنوانات ہیں: کشمیر اور سندھ۔

انگریزوں نے برصغیر کی مختلف ریاستوں کو یا تو فتح کیا، یا مختلف علاقہ جات کو کسی نہ کسی طرح اپنے قبضے میں لیا۔ کشمیر کو انگریز اپنے زیرِ اثر لے آئے لیکن وہاں ڈوگرراج کو چلنے دیا۔ اس طرح کشمیر کو ایک نیم خودمختار ریاست کی حیثیت میں رہنے دیا۔ ویسے تو برصغیر میں مسلم ریاست کا خواب دیکھنے اور پاکستان کا نام تخلیق کرنے والے رہنماؤں نے کشمیر (K) شامل کرنے سے، اس نئے ملک کا نام اور حدود کا خاکہ تیار کرلیا، لیکن پاکستان حاصل کرتے وقت یہ ریاست (کشمیر) پس پشت چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ کشمیر پوری شدت سے باسٹھ برس

گذرنے کے بعد بھی موجود ہے۔

کشمیر کے حوالے سے مصنف نے آٹھ عنوانات تلاش کر کے، ان کو مختلف ذیلی موضوعات میں تقسیم کیا ہے۔ اس طرح کشمیر کے مسئلے کی مقامیت، ہندوستان کا عمل دخل، پاکستان کی مداخلت اور بین الاقوامی عنصر پر خاص طرح سے توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ اس میں تین عنوانات بڑی اہمیت کے حامل ہیں: مسئلہ کشمیر کی تاریخی اہمیت، معاشیات و اسلامائزیشن اور ریاست جموں و کشمیر میں پاکستانی عمل دخل۔ لیکن کشمیر کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی وحدت کی بحالی ہے، جو کہ تقسیم ہند کے وقت ختم ہوئی۔ جب تک یہ عمل مکمل نہیں ہوتا، کشمیر سے متعلق کوئی حتمی فیصلہ ممکن ہی نہیں!

سندھ کا مسئلہ کشمیر سے یوں مختلف ہے کہ اہلِ سندھ نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا اور جب نیا ملک وجود میں آیا تو پورا سندھ (حدود متعین کردہ انگریز سرکار) اس میں شامل ہوا۔ سندھ نے پورے جذبے سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا، نئے ملک کی ترقی و تعمیر میں اپنے پورے وسائل حوالے کئے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس سے اپنے تخت گاہ کراچی سے ہاتھ دھونے پڑے اور پھر 1955ء میں ون یونٹ بنا تو سندھ کو اپنا تاریخی وجود بھی گم ہوتا دکھائی دیا۔ اسی پس منظر میں سندھ میں مسائل اور احساس محرومی نے جنم لینا شروع کیا۔

1970ء میں ون یونٹ ختم ہوا اور سندھ پھر دنیا کے نقشہ پر نمودار تو ہوا۔ لیکن گزشتہ چالیس برس میں حکام کی عدم دلچسپی، مختلف فوجی ادوار اور ریاست کی غیر منصفانہ پالیسیوں نے مسائل کو حل کرنے کی بجائے بڑھایا ہے اور پھر سندھ کے مصائب کے لئے بیرونی عوامل کی تلاش بھی کی گئی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں اہلِ سندھ کے تین بڑے مسئلے ہیں: شہروں میں دہشت گردی، دیہات میں اغواء برائے تاوان کے ساتھ قبائلی کشیدگی اور لاکھوں کی تعداد میں غیر سندھیوں کی آمد کی وجہ سے سندھی وجود کو لاحق خطرات۔

تاریخ دان کا کام پوری ذمے داری سے قوموں اور علاقہ جات کا مطالعہ کرنا نیز مسائل اور خطرات کی نشاندہی کرنا ہے۔ یہ کام جناب پروفیسر سرجن داس نے بڑی ذمے داری اور دیانت داری سے کیا ہے۔ لیکن یہ کام کرتے وقت آپ نے اپنے آپ کو ایک مؤرخ کے

طور پر ہی نمودار کیا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں تو ہمیں سکھایا جاتا ہے:

How to write History of Sindh?

کشمیر اور سندھ کے مسائل مختلف اور منفرد ہیں۔ لیکن ان پر توجہ نہ دینا اور زمینی حقائق سے انحراف کرنا انصاف سے روگردانی کے مترادف ہے۔ ابھی وقت ہے کہ دہلی اور اسلام آباد تاریخ کی پکار کو سنے اور سنجیدگی سے معاملات کا جائزہ لے کر ان کو حل کرنے کی جستجو کرے۔ ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر قدرت اپنے فیصلے صادر کرے گی۔

میں جناب سرنجن داس کو اس اہم علمی و تحقیقی کام کی تکمیل پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے بڑی عرق ریزی سے سندھ اور کشمیر کی محاضر تاریخ پر کام کیا۔ لیکن مجھے ان کی ''نسل پرستی'' کی اصطلاح سے اختلاف ہے۔ کشمیر اور سندھ کے اصل باسیوں کا اپنا جغرافیہ، تاریخ، زبان، روایات، ادب اور کلچر ہے۔ ان دو پرگنوں کو نہ تو کسی راجا مہاراجہ نے بنایا اور نہ ہی انگریز وائسرائے نے۔ اس لئے ہمارے متعلق مطالعات میں ''نسل پرستی'' کا استعمال تاریخی حقائق کے منافی ہے۔

حال میں مشہور امریکی مؤرخ اسٹینلے وولپرٹ کی کتاب Shameful Flight چھپی ہے۔ اس میں پروفیسر صاحب نے 1947ء میں تقسیم برصغیر کے حوالے سے بالکل نئے انداز سے لکھا ہے۔ حقیقت میں یہ صورتحال کشمیر پر تو لاگو ہوتی ہے۔ کشمیری جو باسٹھ برس سے بھگت رہے ہیں، اس پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔

22 دسمبر 2009ء

پروفیسر غلام محمد لاکھو
شعبہ تاریخ
سندھ یونیورسٹی
جام شورو

پیش لفظ

زیرِ نظراوراق فاکس ویگن اسٹفٹنگ فنڈ کے زیر اہتمام ایک تحقیقاتی منصوبہ کے مرہونِ منت ہیں جن کا عنوان ہے:" خارجی مسائل بحیثیت داخلی مسائل؛مشرقی عربستان اور جنوبی ایشیا کے مابین دوطرفہ تعلقات کا ایک تقابلی جائزہ " یہ تحقیقی مطالعہ میری اور لندن یونیورسٹی کے مشرقی اور افریقی اسکول کے ڈاکٹر ایبر ہارڈ کینلے کے باہمی اشتراک سے مکمل ہوا۔ فاکس ویگن کے گرانقدر فنڈ کی بدولت میں ابتدائی تحقیق میں کامیاب ہوسکا جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے مطالعاتی دوروں کے قابل ہوا۔اس کے ساتھ ہی یونیورسٹی آف الی نائے' یو ایس اے اور پیرس کی مائسن ڈیس سائنسز ڈی لا ہومے کی فیلوشپ کے ذریعے مجھے زیرِ نظر مونوگراف کی منصوبہ بندی کرنے اور مطلوبہ مواد تک رسائی حاصل کرنے میں ہر ممکن سہولت حاصل ہوئی۔ اگر مجھے اس کام کے انتہائی مرحلے میں فورڈ فاؤنڈیشن کی طرف سے کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے'Peace Studies Group' کے لیے مختص کی جانے والی گرانٹ سے مالی معاونت حاصل نہ ہوتی تو یقیناً یہ منصوبہ مکمل نہ ہوتا۔

اس مونوگراف کی تکمیل کے دوران میں نے ایسے بے شمار احسانات اٹھائے ہیں جن کا بدل ممکن نہیں۔ میں پروفیسر بیرن ڈی کا ممنونِ احسان ہوں جن کی بدولت میں جنوبی ایشیا میں نسل پرستی کے سوال کی ابتدا سے واقف ہو سکا۔ اس مونوگراف کے لیے تیار کی گئی تجزیاتی رپورٹیں بہرحال ان طویل اور تنقیدی نشستوں کے ذریعے ہی وجود میں آسکیں جو نسل پرستی اور قومیت کے موضوع پر ڈاکٹر ایبر ہارڈ کے ساتھ وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہیں۔ درحقیقت ڈاکٹر کینلے کی کتاب بعث بمقابلہ بعث: تنازعۂ شام وعراق۔1989-1968 لندن' (1990) کے ذریعے مجھے وہ نظر حاصل ہوسکی جس کے ذریعے میں نسل پرستی کی سیاست اور قوم پرستی کے

مابین تقابلی حیثیت میں جائزہ لے سکوں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ میں پروفیسر تپن رائے چودھری، پروفیسر اسٹیفن کوہن، پروفیسر جین ریسین، پروفیسر رچرڈ ہرمان، ڈاکٹر راج چندروارکر، ڈاکٹر کرسپن بیٹس، ڈاکٹر گوہر رضوی، پروفیسر سُمیت گنگولی کی ہمت افزائیوں کے طفیل اپنے نکتۂ نظر میں بعض ناگزیر ردوبدل کے بعد پختہ تر ہوگیا۔ ڈاکٹر مونس احمر، ڈاکٹر محمد وسیم اور ڈاکٹر افتخار ملک کے ساتھ بیحد مفید باہمی تبادلۂ خیالات بھی میرے لیے ناقابلِ فراموش ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں اور مائسون ڈیس سائنسز، پیرس کے سیمیناروں کے دوران بہت سے چبھتے ہوئے سوالات نے مجھے کشمیر اور سندھ کے بارے میں اپنے بعض ابتدائی نظریات پر نظر ثانی پر مجبور کر دیا۔ میں انڈیا آفس لائبریری اور ریکارڈ (لندن) انڈین انسٹیٹیوٹ لائبریری (آکسفورڈ) سینٹر آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز (کیمبرج) لائبریری آف کانگریس (واشنگٹن ڈی سی)، نہرو میموریل لائبریری اینڈ میوزیم (نئی دہلی) اور نیشنل لائبریری (کلکتہ) کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں جہاں سے مجھے ہر ممکن معاونت حاصل رہی۔ پروفیسر بریسور بینرجی نے بڑی محنت اور محبت سے مطلوبہ نقشے تیار کیے۔ میرے قابلِ احترام ساتھی جناب ہری واسودیون نے پورے مسودے کو نہایت خوش دلی کے ساتھ پڑھا اور گھنٹوں اس میں خوبصورت تبدیلیوں کے مشورہ سے نوازتے رہے۔ پروفیسر بھارتی رائے، پروفیسر جیونت رائے، پروفیسر باسودیو چٹوپادھیائے، بھاسکر چکرورتی، اور کلکتہ یونیورسٹی میں میرے شعبے کے ارون بندوپادھیائے، مجھے محققانہ آگہی مہیا کرتے رہے، جس کے بغیر میں زیرِ تحقیق موضوع کے جدید پہلوؤں سے قطعی ناواقف رہتا۔ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے خاندان ...... ماں، ساس سسر، بھائی، کے بےلوث جذبۂ تعاون کو بھی ان صفحات میں جگہ دوں۔ میری بیوی سپارنا...... جو خود بھی مورّخ ہے...... میرے لیے روحانی اور پیشہ ورانہ توانائی کا ذریعہ بنی رہی۔ سہاسنی میرے کمپیوٹر کی تھکا دینے والی مصروفیات کے وقفوں میں خوشگوار ہوا کے جھونکے کی طرح رہی۔ میرے والد جو اس کام کی تکمیل میں بہت دلچسپی رکھتے تھے بدقسمتی سے وہ اس کی اشاعت سے پہلے ہم سے بچھڑ گئے۔ میں کلکتہ یونیورٹی کے شعبۂ تاریخ کا بھی شکر گذار ہوں جس نے اپنے "UGC......: خصوصی معاونت کے پروگرام کے تحت اس مونوگراف کو اشاعت کا اعزاز بخشا۔ شری کنک بجی بھی میرے پُرخلوص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس

کی طباعت کے ہر مرحلے میں کامل توجہ اور عرق ریزی کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

جدید تحقیقات نے جنوبی ایشیائی سیاست میں عمومی مزاحمتی رجحانات کی حل پذیری کے لیے تقابلی علم کی ضرورت پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ سندھ اور کشمیر کے مقامی مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے نسل پرستی اور قومیت کے دوطرفہ مسائل کا برصغیر کی سطح پر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ ابھی یہ کتاب طباعت کے مراحل میں تھی کہ نونیتا چڈھا بہیرا کی کتاب State, Identity and Violence: Jammu, Kashmir & Laddakh (Delhi:2000) ایک لمبے انتظار کے بعد منظرِ عام پر آ گئی' یہ بات میرے لیے ہمیشہ تاسف کا باعث رہے گی کہ میں مسئلۂ کشمیر کے ہندوستان کی مرکزیت پر اثرات کے سوال پر اس کتاب سے استفادہ نہ کر سکا۔ اگر اس مونوگراف میں دیے گئے استدلال بے وزن محسوس ہوں' یا حقائق سے متصادم نظر آئیں تو اس کی تمام تر ذمہ داری صرف مجھ پر رہے گی۔

سرنجن داس
شعبۂ تاریخ
کلکتہ یونیورسٹی

تعارف

ایک ریاست کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایک ایسا ادارہ جس کو ایک مخصوص علاقے اور اس کی آبادی پر مکمل اختیارات تفویض کئے گئے ہوں۔ دوسری جانب مختلف افراد کے اتحاد، خواہ ان کے دوسرے افراد کے گروہوں سے آپس میں بہت سے اختلافات کے باوجود اجتماعی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری اور استحکام کے معاملے میں اتفاق رائے رکھنے والے عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے ماحول کو قوم کہتے ہیں۔ ریاستیں بذاتِ خود قوموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ کیونکہ ریاست افراد یا عوام کے نام سے ہی اپنے اختیارات کا استعمال کرتی ہے۔ مگر ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ ایک ریاست تمام قوموں کے ساتھ یکساں طرزِ عمل رکھنے میں ناکام ہو کر لوگوں کے بعض گروہوں کو ریاستی سرحدوں میں وفادار گروہ کی حیثیت میں تصور کرلے مگر ان سرحدوں کے درمیان اس گروہ کی علیحدہ شناخت ممکن نہ رہ سکے۔ (1) ایسے حالات میں ایسے گروہوں کی سرحد پار علاقوں کے ساتھ وفاداریاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ اس قسم کے رجحانات، تیسری دنیا میں بطور خاص نہایت مضبوط ہوتے ہیں جہاں نام نہاد آزادیوں کی بدولت ریاستوں کی ثقافتی اور نسلی سرحدوں میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہو سکا ہے۔ ریاست اور قوموں کے مابین اس نوع کی یک جہتی کی غیر موجودگی میں اس طرح وجود میں آنے والی ریاست سابقہ ریاست کی طرح قومی شناخت کے منصوبے میں تحفظات کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ صورتحال جبر کا ایک موقعہ فراہم کرتی ہے جس میں مقامی سماجی رائے عامہ کو ایک قوم بنانے پر زور دیا جاتا ہے تاکہ ریاست اور قوم ایک دوسرے کے ساتھ بہم دگر ہو سکیں۔

قومی تشخص کی تعمیر کے ہر مرحلے میں شناختی سیاست، ریاست اور معاشرے کے بیچ

ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ آزادی کے بعد کثیر النسل ریاست کے معاشرے میں نسلی سیاست کا ایک اہم کردار رہا ہے۔ جبکہ شمال کے صنعتی ماحول میں نسلی سیاست، ریاست کے عمومی ماحول میں اپنی کوئی علیحدہ اہمیت نہیں رکھتی، اور نسلی شناخت کو وسیع تر مفادات کے تابع ہو کر سماجی، سیاسی اور معاشی تعاملات کی ساتھ بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت یکساں تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ تیسری دنیا کی ریاستوں میں نسلی شناخت...... بطورِ خاص جہاں تعمیرِ قومیت کی حکمت عملی کے لئے کسی بڑی تبدیلی کی راہ میں چالبازی کے ذریعے رکاوٹ ڈالی جائے...... عام طور پر علیحدگی پسندی اور بغاوت کے رجحانات پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور جدوجہد آزادی کے نتیجے میں قائم ہونے والی قومیتوں پر مبنی ریاست کے لئے ایک چیلنج بن جایا کرتی ہے۔ روایتی سیاسیاتی سائنس کے لٹریچر میں، بلا تعجب، بتایا جاتا ہے کہ ریاست قوموں سے اور قومیں ریاست کے ایک لامتناہی دائرے میں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں، جس کا منظرنامہ تیسری دنیا کے نسلی اور ذات پات کے معاشرے نے کئی بار تخلیق کیا ہے۔ اصولی طور پر کشمیر اور سندھ کے موجودہ معاملات پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریاست اور قوموں کے باہم ادغام میں نسلی سیاست ایک بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

1- پاکستان اور ہندوستان میں تعمیرِ قومیت:

1.1 ہندوستانی منظرنامہ (2)

برصغیر میں وجود میں آنے والی دو ریاستوں میں اختیارات کی تقسیم...... انٹونیو گرمسکی کے بقول: 'متفقہ انقلاب' ...متفقہ ان معنوں میں ہرگز نہیں کہ عوام متحرک نہیں تھے...... مگر اس حقیقت کے ساتھ کہ یہ سیاسی اور سماجی انقلاب کی کوئی رمق بھی موجود نہیں تھی۔ سیاسی تبدیلیاں بنیادی معاشی، معاشرتی تبدیلیوں کے بغیر رونما ہو گئی تھیں، اور یہی بنیادی سبب تھا جو پاکستان اور ہند میں قومیت کا تصور واضح کرنے کی راہ میں مستقبل کے انتشار، افراتفری اور علیحدگی پسندی، نسلی تعصب اور ذات پات کے رجحانات کے فروغ کا باعث بنا۔

ظاہری طور پر طرزِ حکومت میں نمایاں تبدیلیوں اور سیاست میں نت نئے بلند بانگ

دعوؤں کے باوجود، جواہرلال نہرو کی حکومت نے ہر اعتبار سے ہر سطح پر برطانوی راج کے طور طریقے جاری رکھے۔ حمزہ علوی نے اپنی تحقیقات کی رو سے واضح کیا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد جنوبی ایشیاء کی کئی ریاستوں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے (3)۔ برطانوی راج نے اپنے پیچھے ریاست کے نام پر ایسا سسکتا بلکتا معاشرہ چھوڑا جو آزادی کے بعد پسماندہ اور غریب تر آزاد ریاست کی شکل میں تھا۔ بدقسمتی سے 1947ء کے بعد کانگریس نے کسی تبدیل شدہ ریاستی ڈھانچہ کی تشکیل کا راستہ اختیار نہیں کیا، اور اس کے برعکس تنظیمی معاملات میں پولیس اور نیم فوجی اداروں کا برطانوی طریقہ کار جاری رکھا (4)۔ بیٹل ہائم (Betelheim) کے بقول آزاد ہندوستان کے انتظامی طریقہ کار میں برطانوی ہند کی بے شمار غلط کاریاں موجود رہ گئیں (5)۔ ہندوستان کے عوام کو عموماً انہی افسروں اور پولیس والوں سے سامنا رہا جو برطانوی دور میں ان کے ساتھ توہین آمیز اور پُرتشدد طریقوں سے پیش آتے رہے تھے۔ این۔ کے بوس (N. K. Boos) جو ہر اعتبار سے بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ہندوستانی پالیسی کے ناقد تھے۔ 1950ء میں صورتحال کی تصویر کشی کچھ یوں کرتے ہیں:

''پُرامن انتقالِ اقتدار کے نتیجے میں، کانگریس کو ایک ایسا انتظامی ڈھانچہ ورثہ میں ملا جس کو اس نے نئے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس کا نظریہ یہ ہو گیا کہ اسٹیٹس کو کی کیفیت کو چھیڑے بغیر موجودہ حالات میں معیشت کو کوئی پُرتشدد طریقہ اپنائے بغیر معاشرتی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ تبدیلیوں کے لئے اس ناقابلِ فہم طریقہ کار کے تحت کانگریس پارٹی نے قومی تعمیرِ نو کے ہر مسئلے کو انتظامی مسئلہ فرض کر لیا...... اسٹیٹس کو کے تحت کانگریس کے، خواہ اس طرزِ عمل سے اس کے ارادے وقتی مدد حاصل کرنے کے ہی کیوں نہ رہے ہوں...... نام کو خاصا گزند پہنچایا۔ کانگریس پارٹی نے اپنی از سرِ نو صف بندی کے لئے بعد کی کوششوں میں، یا انتظامی اصلاحات کے نام پر پرانے انتظامی ڈھانچہ کو بلا عوامی قبولیت کے جاری رکھنے میں، اخلاقیات کے نقصان کے سبب ایک عجیب ہیجانی کیفیت مسلط کر دی تھی، حتیٰ کہ سماجی انقلاب کے آغاز یا اخلاقی تطہیر کے عمل میں سیاسی آزادی کے دعویداروں کے حلقے میں آزادانہ اور بے لاگ تنقید، رائے عامہ کا حصہ تھی،، (6)۔

کانگریس کی حکومت نے آزاد ہند میں فوج اور پولیس کے ساتھ جو رشتے استوار

کئے اس نے 1947ء سے قبل پارٹی کے نمائشی احتجاج کو ایک بڑھتی ہوئی بے مہار آزادی میں تبدیلی کی واضح نشان دہی کر دی(7)۔ نئی دہلی میں 1949ء سے 1950ء تک کانگریسی حکومت نے تلنگانہ کے شہریوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے سامنے کم وبیش 12000 مسلح پولیس کے دستوں کی دیوار کھڑی کر دی۔ آزادی کے پہلے عشرے میں پولیس آپریشن کے نتیجے میں کم از کم 800 اموات ریکارڈ کی گئیں، ہندوستانی پولیس کے اخراجات 52-1951ء کے مقابلے میں 71-1970ء میں 9.0 ملین سے بڑھ کر 800 ملین ہو چکے تھے۔ مسلح افواج نے 1961ء سے 1970ء کے مابین 476 مواقع پر سول انتظامیہ کی مدد کی، اور 1980ء سے 1983ء کے درمیان 250 مرتبہ (8)۔

آزادی کے بعد ہندوستانی حکومت کی معاشی حکمت عملی سمجھوتوں پر مبنی تھی۔ بائیں بازو کے تقاضوں کے برعکس جواہر لال نے 1956ء کی صنعتی پالیسی کی قرارداد کو سوشلسٹ کے بجائے سوشلسٹ طرز کی پالیسی کے طور پر اختیار کیا۔ گو کہ مخلوط معیشت اور پانچ سالہ منصوبے ایک اصول کے تحت ترتیب دیئے گئے، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست سرمایہ داری نظام کی آئینہ دار ہوتی گئی، جس میں پرائیویٹ سیکٹر کی شمولیت بتدریج زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ درج ذیل گوشوارہ کے ذریعے نہرو دورِ حکومت میں نجی شعبہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

(موجودہ مالیاتی شرح کے مطابق کروڑ روپے میں)(9)۔

	پہلا پانچ سالہ منصوبہ	دوسرا پانچ سالہ منصوبہ
سرکاری شعبہ	55	938
نجی شعبہ	283	850

تیسرے منصوبہ کے اختتام پر جبکہ سرکاری شعبہ کا حصہ 4% تھا، کل مقامی مصنوعات کا تقریباً 9/10 حصہ اسی عرصے کے دوران نجی شعبے سے آیا(10)۔ مضبوط علاقائی اور نسلی پہچان کے حامل Mahalanobis کے اندازوں کے مطابق تقریباً 20 اور 1965ء کی Monopolies inquiry Commission کی رپورٹ کے مطابق 75 کاروباری اداروں کا معیشت پر مکمل کنٹرول تھا(11)۔ حالانکہ براہِ راست غیر ملکی سرمایہ کاری 1948ء میں Rs.2,176 کے مقابلے میں 1964ء میں Rs.6,185 ملین تک بڑھ چکی تھی اور غیر ملکی

کمپنیوں کا منافع 60-1959ء میں 29.8% سے بڑھ کر 63-1962ء میں 33.3% تک ہو چکا تھا[12]۔ اس نوعیت کی اصلاحات کا لازمی نتیجہ خطِ افلاس سے نیچے کے طبقے میں بے محابہ اضافہ اور ارتکازِ زر کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس اندیشے کی قابلِ لحاظ وجوہات موجود ہیں کہ صدی کے اختتام تک آزادی کے وقت کی کل آبادی میں معتد بہ اضافہ ہو جائے گا[13]۔

نہرو دور میں ترقی پانے والے سیاسی نظام نے ایک خاص قسم کی فریب دہی کو اور جنم دیا۔ ایک طرف تو ملک دنیا کا سب سے بڑا سیاسی نظم وضبط کا مظہر تھا تو دوسری جانب کانگریس کی بالادستی نے ایک جماعتی سیاسی نظام کی داغ بیل ڈال دی۔ کانگریس پارٹی نے نہ صرف پارلیمانی انتخابات میں قابلِ لحاظ برتری حاصل کر لی بلکہ وہ اسمبلی سے باہر بھی مضبوط سیاسی استحکام کی حامل ہو گئی۔ کیمونسٹ اور جن سنگھ کی حزبِ اختلاف کی پارٹیاں عموماً کانگریس کے باغیوں کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ ان میں سے اکثر تو دوبارہ پارٹی میں آ شامل ہوئے اور یا مقامی مفادات کے چیمپئن بن گئے۔ چونکہ حزبِ اختلاف قومی سطح پر کوئی مضبوط محاذ قائم کرنے میں ناکام ہو چکا تھا اس لئے نہرو کے دور میں کانگریس انتخابات میں پڑنے والے پچاس فیصد ووٹوں کے بغیر 60 سے 80% پارلیمانی نشستیں حاصل کر لینے کی پوزیشن میں آ چکی تھی۔ کانگریس کسی مضبوط سیاسی حریف کی غیر موجودگی کی وجہ سے بلا مقابلہ برتری کے دور میں داخل ہو گئی (14)۔

دریں حالات نہرو نے حزبِ اختلاف کو اس وقت تک ہی برداشت کیا جب تک وہ جماعتیں کانگریس کے دائرۂ عمل میں رہیں[15]۔ ہر صوبے کی غیر کانگریسی تنظیمیں کانگریس کی بالادستی کا شکار رہیں۔ 1952ء سے 1964ء کے درمیان نہرو نے وفاقی اکائیوں میں یا تو غیر کانگریسی وزیرِ اعلیٰ کو معزول کرنے یا کانگریس اور غیر کانگریس پارٹیوں کے باہم ادغام کو روکنے کے لئے کم و بیش پانچ مرتبہ صدارتی راج نافذ کیا۔ اس ایک جماعتی بالادستی نے ہندوستان کے وفاقی تصور کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ کانگریس کے ہاتھوں بلا جواز سیاسی، انتظامی اور مالیاتی ارتکاز کی روش بالآخر ہندوستان کی پالیسی کا جزوِ اعظم بن گئی۔ ریاست کے نمائندہ رہنماؤں کی تمام تر توجہ مرکز کی طرف مبذول ہو گئی، جہاں مقامی پارٹی لیڈروں کو خوش آمدید کہنے کے لئے دلکشی کا کافی سامان موجود تھا[16]۔ صوبوں کے گورنر لازماً مرکز کے پسندیدہ

ہوتے تھے، اس کے علاوہ کوشش کی جاتی تھی کہ وزراء اعلیٰ بھی موم کی ناک ہوں جن کی صوبائی پہچان بھی مشکوک ہو، جیسا کہ مدھیہ پردیش میں 1963ء کے نہرو دور کے ڈاکٹر کاٹجو کا معاملہ تھا۔ پانچ سالہ منصوبوں کا پلاننگ کمیشن، صوبوں کو مالی وسائل مہیا کرنے والا فنانس کمیشن، اعلیٰ تعلیم کے معاملات کا نگراں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، نشریاتی ادارہ آل انڈیا ریڈیو...... یہ سب اس وقت سے اب تک مرکزی حکومت کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ 1975ء میں ایمرجنسی کا نفاذ اور اندرا گاندھی کے لامحدود اختیارات سب مرکزی ریاستی نظام اور ایک جماعتی راج کے منطقی نتائج تھے۔ مرکز اور صوبوں کے مابین یہ بگڑے ہوئے روابط سنجیدہ قسم کی بگڑی ہوئی ناہموار علاقائی معیشت کا شاخسانہ ہیں۔ مثلاً جب ہم معاشی ترقی کی بات کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ملک کے مشرقی اور شمال مشرقی حصے مرکزی حکومت کی بیجا مداخلت کی مہربانی کی وجہ سے مغربی اور جنوبی حصوں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ متحدہ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے ایک تازہ سروے کے مطابق ترقیاتی منصوبوں کے لئے بیرونی مالیاتی تعاون میں سے مستحکم ریاستوں نے 98-1997ء کے کل دستیاب وسائل کا 37% حاصل کر لیا تھا جو 1991-1990ء میں 22% تھا(17)۔ ایک ہندوستانی مارکسٹ پارٹی کے ماہر لیڈر بی۔ ٹی رانا دیو کے مطابق ہندوستانی وفاق کی مرکزیت نے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔

آئین کی کارکردگی میں رخنہ اندازی، اور تمام اختیارات کے مرکز کے ہاتھوں میں ارتکاز نے معاشی پیش قدمی کی راہ میں ناہمواریوں کو جنم دیا ہے (18)۔

بڑے تجارتی ادارے، شہری پیشہ ور اور فوجی وغیر فوجی بیوروکریسی...... یہ سب مل کر مرکزی سیاسی ڈھانچہ کو رواں دواں رکھنے کے لئے مطلوبہ قوت فراہم کرتے ہیں (19)۔ مرکز کے محتاج دورِ ماضی کے وائسرائے طرز کی غماز حکمرانی کو تحکمانہ سیاست کا رواج کہا جاتا ہے (20)۔ ہندوستان کی مرکزیت میں اس قسم کی انفرادی مثالوں نے بلاشبہ تکلیف دہ علاقائی اختلافات کو جنم دیا ہے جس کے مظاہرے اکثر نسلی تشدد اور سیاسی عدم استحکام کی کوششوں میں سامنے آتے رہتے ہیں جو قومی وحدت اور یکجہتی کے لئے مضر ہوتے ہیں اور جو مرکزیت کا مطلوبہ ہدف ہوتے ہیں (21)۔ سیاسی اور معاشی عدم مساوات کی حامل اور مرکز کے تحت حاکمانہ طرزِ حکومت کا شکار ایک کثیر قومی ریاست میں کوئی بھی نسلی یا لسانی گروپ دہلی مخالف

نظریات اختیار کرسکتا ہے (22)۔ ہندوستان کی مرکزیت کی پالیسی حال ہی میں اتحادی سیاست کے نئے رجحانات کا تجربہ کر رہی ہے جس کے نتیجے میں مرکز اور مختلف سیاسی نظریات کی حامل صوبائی حکومتوں کے مابین بقائے باہمی کے اصولوں کا احترام کیا جانے لگا ہے۔ مگر ملک کو اب ایک نیا چیلنج درپیش ہے...... ملکی آئین کی سیکولر بنیادوں پر سنگھ پریوار کے حملوں نے ہندو نسل پرستوں کے حوصلوں کو فروغ دیا ہے۔

1.2 پاکستانی تجربہ (23)

آزادی کے موقعہ پر پاکستان کے پاس انڈین نیشنل کانگریس کی طرح کوئی منظم جماعت ایسی نہیں تھی جو ایک نئے ملک کے سیاسی ڈھانچہ کو استوار رکھ سکتی۔ جبکہ ہندوستان میں کانگریس کو ہندو اکثریتی صوبوں کے مقامی سیٹ اپ میں ایک مستقل مقام حاصل تھا۔ مسلم لیگ کو مسلم اکثریتی علاقوں میں محض واجبی سے ٹوٹے پھوٹے سہارے دستیاب تھے (24)۔ برطانوی ہند میں ملکی سطح پر مسلم سیاست کے واحد ترجمان صرف جناح صاحب تھے ان کو مقامی سیاستدانوں پر معمولی فوقیت حاصل تھی (25)۔ ان حالات میں اگست 1947ء کے بعد مسلم لیگ کو علاقائی سیاسی نیٹ ورک پر انحصار کرنا پڑا جو مقامی طور پر بااثر ہونے کے باوجود پارٹی کے انتظامی قواعد وضوابط کے تحت اس کے لئے انتھک کارکردگی دکھانے کی مشقت نہیں اٹھا سکتے تھے۔ مسٹر جناح کا مرکزی حکومت اور مقامی سیاست پر کمزور اختیار مزید پیچیدگیوں کا باعث ثابت ہوا۔ اور یہ بھی کہ پاکستان میں نسلی تنوعات اور یہ حقیقت کہ نئی ریاست جغرافیائی طور پر ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی، جس کا مغربی حصہ اپنے مشرقی حصے سے ہزار میل کی دوری پر واقع تھا اور درمیان میں ہندوستان کا علاقہ جو ان دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا تھا۔

مسلم لیگ کی موثر پارٹی مشینری کی غیر موجودگی کے باعث پیدا ہونے والے سیاسی خلا کو پنجابی الاصل فوجی بیوروکریسی کے اتحاد نے پُر کیا۔ لازماً جب بھی انتشار پسند سیاستدان ملک چلانے کے لئے ایک آئین پر متفق ہوں تو یہ محور سیاسی اختیارات حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پاکستان اپنے وجود کے بعد تقریباً 21 سال فوجی حکمرانوں کی تحویل میں رہا اور چھ مختلف آئین کے تحت رہا جن میں سے بیشتر حقائق کے برعکس سیاسی نظام

پر فوجی تسلط کے لئے استعمال ہوئے (26)۔فوجی بیوروکریسی کی بالادستی کو یونائیٹڈ اسٹیٹس کے مغربی بلاک کی آشیر باد حاصل رہی جس کے ذریعے پاکستان کو ماضی کے سوویت یونین کے ساتھ سرد جنگ کے محاذ پر اگلے مورچوں میں رکھنا مقصود تھا۔ پاکستان کے مغربی حامی محسوس کرتے تھے کہ ایک غیر مستحکم ملک کی معیشت کو غیر سیاسی فوجی حکمرانی کے ذریعے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جا سکتا ہے۔احیائے نو کے اصولوں کے مطابق سماجی مساوات کو جس میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہوتی (27)۔

1958ء سے 1968ء تک ایوب خان کے مارشل لاء کا دور واضح طور پر پاکستان کی معاشی ترقی کا دور تھا۔60 کے پورے عشرے کے دوران پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں 5.5% کا اضافہ ریکارڈ ہوا اور فی کس قومی آمدنی میں 3% اضافہ رہا۔اسی عشرے کے ابتدائی نصف میں صنعتی پیداوار میں 17% کا اضافہ ریکارڈ ہوا (28)۔ساٹھ کی دہائی کے اواخر تک سبز انقلاب کی ٹیکنالوجی نمایاں زرعی ترقی کا باعث بنی۔مغرب نواز خارجہ پالیسی کی وجہ سے 1980ء تک بھی پاکستان کے لئے بیرونی امداد کا حجم صنعتی شعبے میں مجموعی سرمایہ کاری کا 42% رہا (29)۔ کچھ بھی سہی، بہرحال اس غیر معمولی معاشی امداد کا کچھ نہ کچھ فائدہ آدمی کو ضرور حاصل ہوا۔لیکن اس کے ذریعے پاکستانی سماج کی دو متضاد طبقات میں تقسیم مزید گہری ہو گئی۔ نئے صنعتی دور میں 22 خاندانوں کو نمایاں فوائد حاصل ہوئے...... جن میں زیادہ تر پنجابی تھے...... جن کو کل صنعتوں کے 66%، 97% انشورنس اور 88% بینکنگ پر کنٹرول حاصل تھا۔ایشیائی ملکوں میں پاکستان کے تعلیم کے شعبے میں سب سے کم سرمایہ کاری تھی۔اس کے علاوہ 1954ء اور 1967ء کے دوران مغربی پاکستان کے صنعتی مزدور کے معاوضے 12% تک کم ہو گئے (30)۔ بڑے صنعتی اداروں اور بڑے تاجروں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ایوب خان کے دور میں چھوٹے تاجروں پر معاشی مشکلات کی یلغار رہی۔افراط زر کی وجہ سے طالب علموں اور چھوٹے سرکاری ملازمین کی آمدنی میں بھی نمایاں کمی رہی (31)۔

ایوب دور کی زرعی پالیسی کے اثرات نے چھوٹے اور غریب کاشتکار بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ 1959ء کی زمینی اصلاحات بھی محض لیپا پوتی تھی۔ زمین کی حد بندی کا قانون متعارف کرایا گیا لیکن حاصل شدہ زمین کا 57% رقبہ بنجر ہونے کے باوجود حکومت نے اس کے

عوض 89.2 ملین روپے ادا کیے اور ان زمینوں کا بڑا حصہ نہایت معمولی قیمتوں پر فوجی اور سول افسروں کو دے دیا گیا(32)۔ یہ امر بھی باعث حیرت نہیں کہ ایوب خان کے دور میں بڑے زرعی فارموں کے بڑھتے ہوئے تناسب نے ساتھ ہی ساتھ چھوٹے اور درمیانے درجے کے فارموں کی بقاء کو ناممکن بنا دیا۔ ایسے حالات میں بڑے زمینداروں اور درمیان کے دوسرے افراد کے ہتھکنڈوں نے غریب کاشتکار کی منڈی تک رسائی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ حقیقی زمینی اصلاحات کی غیر موجودگی کی وجہ سے جدید پیداواری طریقوں کے استعمال نے دیہی علاقوں میں ملازمتوں کے مواقع میں معتد بہ کمی کر دی۔

پاکستانی قومیت کی تعمیر کی راہ میں دوسرا مضرت رساں عمل ملک کے اندر علاقائی عدم مساوات تھا۔ فوجی بیوروکریسی پر پنجابی بالادستی اور 'پاکستانی اردو معاشرہ' مسلط کرنے کی وجہ سے دوسری نسل کے لوگوں مثلاً بنگالی، پٹھان، بلوچ اور سندھیوں کو کنارے لگا دیا گیا۔ 1956ء، 1962ء اور 1973ء کے آئینوں میں سے کسی میں بھی صوبائی مفادات کا خیال نہیں رکھا گیا۔ 1973ء کے آئین میں البتہ کچھ وفاقی اصولوں کا شائبہ ضرور تھا لیکن جب ان کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بھی عملی سے زیادہ نمائشی ثابت ہوئے۔ لہٰذا علاقائی امتیازات ہمیشہ سے پاکستان کی سیاست کا طرۂ امتیاز رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد سے ہی اس کے مشرقی حصے کے بنگالی باشندے پورے ملک کی آبادی کا نصف سے کچھ زیادہ تھے، اس کے باوجود پاکستان کے فوجی افسروں میں ان کا تناسب 1950ء تک بھی محض 5% تھا۔ پاکستانی ایئرفورس میں 15%، نیوی میں 20% اور سول سروس میں تقریباً نہ ہونے کے برابر(33)۔ تصویر کے دوسرے رخ پر بلوچستان جو پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے، کم آبادی کے باوجود شدید غربت کا شکار ہے۔ قومی اوسط میں 33% کے مقابلے میں بلوچ آبادی کے 8.5% لوگ تعلیم یافتہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو سول اور فوجی اداروں میں مناسب نمائندگی حاصل نہیں۔ موجودہ اعداد و شمار کے اوسط میں سندھیوں کو بھی سرکاری ملازمتوں میں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ کسی حیرت کے بغیر 1985ء میں جب پنجابیوں کو وفاقی ملازمتوں میں 56% کا تناسب حاصل تھا، اس وقت شہری سندھ، دیہی سندھ، این ڈبلیو ایف پی اور بلوچستان کی نمائندگی علی الترتیب محض 3.5%، 25%، 11%

اور 2.5% تھی (34)۔ اسی سال اوسط درجے، اور اعلیٰ درجے کی سرکاری ملازمتوں میں پنجابیوں کا اوسط 41% تھا۔ جبکہ دیہی سندھ، سرحد اور بلوچستان کا اوسط علی الترتیب 3.5%، 6%، اور 1% تھا (35)۔

مربوط معاشی منصوبہ بندی کی کمی کے سبب علاقائی عدم مساوات پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پسماندہ علاقوں سے تقابلی مطالعہ پر تبادلہء خیالات کا تصور بھی نہیں رہا۔ اندرونی طور پر اس کا نتیجہ داخلی محکومیت کی شکل میں برآمد ہوا۔ پاکستانی منڈی میں پنجاب کو تیار مال کا سب سے بڑا اسپلائر اور خام مال کا سب سے بڑے خریدار ہونے کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ سابقہ مشرقی پاکستان اس انتظام کے ہاتھوں سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اس کی سب سے کم فی کس سالانہ آمدنی نے اس کو مجبوراً مغربی پاکستان کے ادنیٰ درجے کے تیار کنندہ کی خراب تر مصنوعات کی نسبتاً مہنگی قیمتوں کے باوجود ان کا خریدار بنا دیا (36)۔ اس کے علاوہ بلوچستان جو ملک کی گیس کی ضروریات (37) کا 80% پیدا کر رہا تھا، اس کے لئے تین پانچ سالہ منصوبوں کے لئے محض 25 ملین کی معمولی رقم مختص کی گئی (38)۔ زیرِ نظر تحقیق میں سندھیوں کے ساتھ بھی معاشی توازن کی اسی قسم کی بے قاعدگیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اس لئے اس کا کچھ پیشگی تذکرہ کرنا یہاں ضروری نہیں۔ اس کے ساتھ ہی معیشت کی مرکزی پالیسی اور نتیجتاً معاشی ترقی میں عدم مساوات کی موجودگی میں ریاست کی سطح پر پاکستان کو اردو کی بنیاد پر اسلامی شناخت کا تحفظ دے کر مشرقی بنگالیوں، سندھیوں، اور بلوچوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے اَن گنت نسل پرست طبقوں کو اپنی علیحدہ لسانی شناخت کے لئے اُکسایا گیا۔ ایک متعلقہ معتبر حوالہ کے مطابق:

ہندوستانی مثال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، جس میں رائے دہندگان پر مرکز کا مسلسل اختیار کے تحت لسانی رعایتیں دی گئی تھیں، حکومت پاکستان نے بھی لسانیت پر مبنی علاقائیت مسلط کرنے کی کوشش کی (39)۔

1960ء کے آخر میں ذوالفقار علی بھٹو کے عروج کے موقعہ پر ان کے اسلامی سوشلزم اور پسماندہ طبقات کو سماجی انصاف مہیا کرنے کے نعرے نے معاشرے میں پاکستانی معیشت کی :: وار مرکزی پالیسی میں بہتری کی امید کو جنم دیا۔ مگر بھٹو کے تقریری دعوؤں اور عملی سیاست

کے مابین ایک وسیع خلاء پیدا ہو گیا۔ 1970ء میں جب پارلیمانی انتخابات ہوئے تو بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے ملک کے مغربی حصے میں واضح برتری حاصل کی۔ مگر فوج سے سول حکومت کو انتقالِ اقتدار کے موقعہ پر بھٹو نے عوامی لیگ جس نے ملک کے مشرقی حصے میں مکمل اور واضح ترین برتری حاصل کی تھی، کے لئے تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا(40)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی بنگال پاکستان سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور خود مختار ملک بنگلہ دیش کی حیثیت سے وجود میں آ گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا مشرقی پاکستانیوں کی جمہوری خواہشات کا احترام نہ کرنے کے ذمہ دار PPP میں موجود بالادست طبقات کے نمائندے تھے جو جاگیردارانہ سوچ کے حامل تھے اور ملک کی فوجی اشرافیہ اور مرکزی سیاست سے وابستہ تھے(41)۔ PPP میں موجود جاگیردار طبقوں نے ہی بھٹو کی سوشلسٹ جمہوریت کی اصلاحات کو بھی روبہ عمل نہیں آنے دیا(42)۔

اس کے بعد بھٹو نے اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے اندرا گاندھی کی طرح عوامی سطح پر کلی اختیارات کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ حزبِ اختلاف کی منتخبہ صوبائی حکومتوں کو توڑ دیا گیا۔ شخصی آزادیوں کو بری طرح پامال کیا گیا۔ بنگلہ دیش طرز کی علیحدگی کی جنگ سے خوف زدہ بھٹو نے تمام سیاسی حریفوں، کو قومی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بھٹو نے 1977ء کے پارلیمانی انتخابات کے نتائج کو بھی اپنے حسبِ مرضی کرنے کے اقدامات کیئے۔ اس اقدام نے فوراً ایک ہمہ گیر سیاسی احتجاج کو جنم دیا جس کی سربراہی وہی لوگ کر رہے تھے جنہوں نے بھٹو کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں مدد کی تھی۔ بھٹو کی سول آمریت کے خلاف اس تحریک نے بھٹو کو پاکستان میں دوبارہ انتخابات کا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اس وقت فوج نے مداخلت کر دی۔ جنرل ضیاء الحق کے تیار کردہ عدالتی قتل کے پلان میں بالآخر بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ پھر اس نے مذہب کے لبادے میں لپیٹ کر فوجی آمریت کی بنیاد رکھ دی۔ پھر 1988ء میں ہوائی جہاز کی تباہی کے ساتھ جنرل کی موت کے بعد پاکستان میں ایک بار پھر روایتی جمہوریت واپس لوٹ آئی۔ لیکن مرکزی پالیسی کے تحت پنجاب کی بالادستی کے سہارے فوج نے ملک پر اپنا اختیار اور احکامات برقرار رکھے۔ 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے سول حکومت کو برطرف کر کے پاکستان میں ایک بار پھر جمہوریت کے سفر کو روک کر سیاسی

مبصرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ پاکستان کے ایک سرکردہ سیاسی مبصر کے الفاظ میں:

قائداعظم ایک بلند قامت شخصیت تھے، لیکن انجیر کے درخت کی طرح اس کے سائے سے کچھ نمودار نہیں ہوا۔ پس پاکستان کا خواب ان لوگوں کے رحم وکرم پر رہ گیا جن کے پاس کوئی واضح تصور نہیں تھا اور انہوں نے اپنے نظریات کے مطابق اس کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ موجودہ نسل کے پاس وہ بنیادی فلسفہ ہی نہیں جو اس کو پاکستان کی حقیقی تعبیر بتا سکے۔ پس یہ جیسا کچھ بھی ہے، علیحدگی پسندوں کی جدوجہد کے ہاتھوں ناآسودہ، ہمارے قومی مقاصد سے قطعی ماورا(43)۔

پاکستان اور ہندوستان کے سیاسی ڈھانچہ کا جائزہ لیتے ہوئے جلال، روایتی اور حقیقی جمہوریت کے مابین ایک دلچسپ تقابلی گوشوارہ پیش کرتے ہیں (44)۔ حقیقی جمہوریت دوسری باتوں کے علاوہ ووٹ کا حق اور آزادئ اظہار کی ضمانت دیتی ہے، اور روایتی جمہوریت عوام کو اختیار بھی دیتی ہے تو قانونی شہری کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک محدود آزادی کے ساتھ، ایک دائرہ کے اندر، بالادست حاکم کی صوابدید پر (45)۔ جلال مزید وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ روایتی جمہوریت میں ریاست میں شخصی آزادی کے تناسب کا حجم اداروں کے تفویض کردہ اختیارات پر منحصر ہوتا ہے جو بہرحال حقیقی جمہوریت کے مقابلے میں یقیناً کم ہوتا ہے (46)۔ جلال کے خیال میں پاکستان اور ہندوستان دونوں ہی کلی اختیارات کے خواہاں ہیں۔ بہرحال ہندوستان نے عملاً پارلیمانی طرز حکومت اختیار کیا، جلال کا موقف ہے کہ حقیقی صورت میں جو کچھ موجود صورتحال ہو وہ بھی درحقیقت اصل نہیں ہوتی، مگر روایتی جمہوریت جن حالات کو جنم دیتی ہے وہ سیاسی لیڈروں اور ریاست کے غیر منتخب اداروں کے مابین باہمی اتحاد کے ذریعے عام لوگوں کو جمہوری اختیارات کے حصول میں معاونت پر آمادہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کے عوام اور بعدہ بنگلہ دیش غیر منتخب ریاستی اداروں کی بالادستی کے حوالے کر دیئے گئے اور فوجی بیوروکریسی کی بالادستی کا شکار ہو گئے۔

برصغیر کی سیاست میں اس نوع کی دخل اندازی بہرحال سماجی طاقتوں کو ریاست کی سیاست کو ایک مخصوص رنگ دینا زمینی حقائق کے ساتھ مصالحت کے مترادف ہے۔ یہ بات کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ کانگریس..... نئی دہلی کی حکمران جماعت کے بطور..... سیاسی سیٹ

اپ میں تسلسل کے ساتھ ریاست کی سیاست میں اپنا حصہ ڈالنے کے لئے، حتیٰ کہ بعض اوقات دستور کی جمہوری روح کو قتل کرنے کی حد تک، بیوروکریسی، پولیس اور فوج کے لئے گنجائش نکالتی رہی ہے۔ بہرحال ہندوستان کی سیاسی جمہوری ترتیب کو حتی المقدور مختصر کرنے کے پیش نظر ذاتی مفادات حاصل کرنے کے لئے یہ ہندوستانی سیاستدانوں کا ایک کھیل ہے، جس کو امکانی طور پر ایک مبالغہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ سیاسی عمل کے بالکل ابتدائی اصول میں بھی وقتاً فوقتاً انتخابات کا انعقاد اس بات کی ضمانت ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے معاشرے کے غیر مراعات یافتہ طبقوں کو بتدریج وہ مواقع فراہم کئے جاتے ہیں کہ وہ معاشی اصلاحات کے عمل میں اپنے حقوق کے لئے اپنی آواز شامل کرسکیں۔ بہرحال ہندوستان دنیا بھر میں اُبھرتا ہوا غالباً وہ پہلا ملک ہے جہاں حکمران اور اتحادی جماعتیں بار بار قومی اور صوبائی انتخابات میں شکست کھاتی رہی ہیں۔ یقینی طور پر یہ بات اس حقیقت کی غماز ہے کہ ہندوستان کے انتخابی ادارہ میں بتدریج سیاسی بیداری کارفرما ہے۔ اس کے علاوہ مغربی بنگال، کیرالہ اور تریپورہ میں بائیں بازو کی حکومتیں قومی حکمت عملی کے دائرے میں رہتے ہوئے شہری اور دیہی غریبوں کی حالت بہتر بنانے میں کامیابی کے ساتھ متبادل طرزِ حکومت کا تجربہ کر رہی ہیں (47)۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی سول سوسائٹیاں مضبوط ہو رہی ہیں۔ مگر ہندوستان کی انتخابی سیاست کے نشیب وفراز میں قدیم فطری سیاسی صلاحیتیں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس لئے ہندوستان میں سیاسی عمل کو عمومی حاکمیت کی علامت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں ملکوں میں مرکزی حکومت کی نگرانی میں علاقے کے مقامی حقوق اور احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بالادستی قائم رکھنا کم وبیش ایک ہی تناسب سے جاری ہے۔ قومی ایجنڈے کے وسیع تناظر میں صوبائی مطمح نظر کو نظر انداز کرنے یا اس کے فوری تدارک میں کوتاہی دونوں ہی کثیر نسلی ملکوں میں قومی تعمیر کے عمل میں مشترکہ خرابی ہے۔ دو متضاد نکتہ ہائے نظر نے دونوں ملکوں میں نسلی اختلافات کو جنم دیا ہے اور اس کشیدگی نے نمایاں طور پر دونوں طرف کے متاثرین کو سرحد پار سہارے ڈھونڈنے کی طرف اُکسایا ہے، جس کی وجہ سے دونوں ملکوں کی علاقائی سیاست میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ اور اسی کے اندر جنوبی ایشیاء کے ممالک میں قومیت کی تعمیر کے مراحل اور نسل پرستی و علاقائی

سیاست کے مابین روابط پوشیدہ ہیں۔ ہندوستان میں کشمیر کے مسئلے میں اور پاکستان کے اندر سندھ کے معاملات میں یہ تعلق واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ان دونوں معاملات پر معمولی غور کرنے سے صرف اور محض سیاست ہی وہ واحد نکتہ نہیں رہ جاتا جس پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔مگر سندھ اور کشمیر دونوں کے مسائل بہرحال نسل پرستی کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔دریں حالات ہوش مندی کے ساتھ تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ جنوبی ایشیاء میں عمومی طور پر اور کشمیر اور سندھ میں بطور خاص نسلی سیاست بتدریج فروغ پذیر ہے۔زیر نظر کتاب میں پیش کئے گئے نکتہ نظر کو تقویت پہنچانے کے لئے اس بات کی شعوری کوشش کی گئی ہے کہ قومیت کی تعمیر میں اس طرزِ فکر کو پیش نظر رکھا جائے۔

2- سماجی علوم میں نسل پرستی کا تصور

قدیم یونانی زبان سے اخذ لفظ ethnos سے متعلق آج نسل پرستی یعنی ethnicity کی مثال ایک ایسے ہیٹ کے مترادف ہے جس کو ہر کھونٹی پر لٹکایا جا سکتا ہے جو اصلی معنوں میں نوعِ انسانی کو مختلف گروہی شناخت دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔آج کی سوشل سائنس کے ماہرین اس کو ایک وسیع معنی میں لوگوں کے ایسے گروہ کے نفسیاتی احساس پر منطبق کرتے ہیں جو اپنے کچھ تجربات مثلاً [illegible] انی، مذہبی عقائد، مشترکہ ورثہ یا سیاسی ہم خیالی کے باعث اپنی اجتماعی شناخت کے لئے رکھتے ہیں (48)۔جب کہ نسل کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کسی گروپ کی نسبت اس کی نسلی شناخت کسی دوسرے گروہ کے تعمیری رجحانات کو پیچیدگی سے دوچار کرتی ہو اور وہ خود کو معاشرتی دھارے سے کٹا ہوا محسوس کرنے لگیں۔Benton کے خیال میں اگر نسل اپنی شناخت اور تعلق کے مثبت رجحانات منعکس کرتی ہے تو نسل پرستی علیحدگی اور لاتعلقی کے منفی رجحانات لئے ہوتی ہے (49)۔یہ 1960ء کی امریکہ میں Black Power تحریک کے دوران کا قصہ ہے کہ کالے امریکیوں کو ایک نمایاں قوت ہونے پر زور دیا گیا اور علیحدہ رہائشی علاقے، دوسرے گروپوں سے اختلاط، علیحدہ ثقافت اور پہچان جیسی قربتیں نسل پرستی کی تحقیق کے لئے لازمی بنیادی عناصر کی حیثیت اختیار کر گئے۔Barth نے اس سلسلے میں سرحدوں کو بھی بنیادی ترجیحات میں شامل کر کے

نسل پرست گروہوں کی اپنی تعریف کے لئے ضروری قرار دیا(50)۔ بعد میں Anderson نے 'مفروضہ طبقات Imagined Communities' کے مقالہ میں اس دائرہ کو مکمل کر دیا(51)۔ نسلی شناخت سوشل سائنسدانوں کے ہاتھوں ترقی کر کے اب خارجی اور داخلی سطح پر 'سیاسی کردار' کی حیثیت اختیار کر چکی ہے(52)۔ ایک نسل پرست گروہ کو ایسے بھی دیکھا جا سکتا ہے:

ایک بڑے معاشرے میں اصلی یا فرضی اجداد، مشترکہ تاریخی ورثہ کی ایک یا ایک سے زیادہ علامتی نظیروں کی قابل رشک مثال کا دعویدار ایک علیحدہ اجتماعی وجود۔ اس نوع کے علامتی تسلسل (جیسا کہ مقامیت یا گروہیت) مذہبی وابستگی، زبان یا جملوں کی ساخت، قبائلی تعلق، قومیت، کشید کردہ اوصاف یا ان سب کا مرکب(53)۔

اس تناظر میں بیشتر مغربی محققین اور ان کے ہمنوا دور حاضر کے روسی نے 'نسل پرستی کے احیاء' کا نظریہ قائم کیا ہے۔ اس نظریہ کے ایک نمایاں علمبردار کا قول ہے:

نسل پرستی کا خاتمہ، قوم پرستی کا فروغ، بین الاقوامی ثقافت، یہ سب عملاً تمام ممالک کے روشن خیالوں اور دانشوروں کا ایک خواب اور توقعات ہیں...... جو پورے نہیں ہوئے...... آج باوقار اور تہذیب یافتہ نظیریں زوال پذیر اور دانشورانہ توقعات دم توڑ چکی ہیں...... اس رجحان کو میں نے 'Ethnic Revival' نسل پرستی کے احیاء کا نام دیا ہے(54)۔

اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ نام نہاد قومی ریاست شاید و باید ہی درست تطبیق ہے، جب کہ بہت کم ممالک کی آبادیاں نسلی اعتبار سے بحیثیت مجموعی ایک نوع سے تعلق رکھتی ہیں(55)۔ بڑھتی ہوئی نسلی اجتماعیت کی پیش بینیوں نے نسل پرستی پر تحقیق کو ثقافتی ہم آہنگی، نسلی فسادات کے فروغ اور نسل پرستی کی تحریکوں کے اسباب کی طرف مرکوز کر دیا ہے۔ اس قسم کی تحقیقات قومی شناخت کے مسائل کو مفروضہ حکایات، علامتوں اور یادداشتوں پر ہی زور دینے تک محدود رہتی ہیں(56)۔ Fukyama کا 'End of History' کا تصور بھی بظاہر نسل پرستی کی عمر پر منطبق دکھائی دیتا ہے۔

اصولی طور پر نسل پرستی پر کیے گئے زیادہ تر محققانہ کام عموماً دو میں سے کسی ایک طرز عمل کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں: قدیم ترین نکتہ نظر کے داعی جو نسلی معاشرے کے

تاریخی تسلسل کو ذاتی شناخت کا فیصلہ کن عنصر قرار دیتے ہیں، اور نسل پرستی کا ایک وہ رخ جو سیاسی تنظیموں کی ہی ایک قسم ہے، کے دستاویزی ثبوت کے دعویدار (57)۔ آخرالذکر طبقہ خیال نسل پرستی کو موروثی علامتی اوصاف پر مبنی قرار دیتا ہے (58)۔ مگر اس کے ناقدین کے خیال میں محض ثقافتی انفرادیت اور امتیاز ہی نسل پرستی کی سرحدوں کے لئے کافی نہیں ہیں (59)۔ کیونکہ نسلی امتیاز کا دارو مدار 'ہمارے' اور 'ان' کے مابین فرق کے اظہار پر منحصر ہے، جیسے کہ زبان، مذہب، تواریخ اور علاقائی حد بندیاں۔ لہٰذا نسل پرستی پر مبنی تحقیقات کی داخلی شہادتیں/ دستاویزات قطعی طور پر اس نظریہ تک رسائی میں رہنمائی کرتی ہیں کہ معاشی اور واضح سیاسی اہداف حاصل کرنے کے لئے شعوری، فیض رساں اقدامات ضروری ہیں (60)۔ ان دونوں نظریات کے فوائد کی گہرائی میں جائے بغیر، Erikson کی طرح نسل پرستی کو ایک موثر جذباتی اپیل اور یکساں سیاسی ہمنوائی کا ذریعہ ہونے کے موقف کا دفاع کیا جائے (61)۔ جیسا کہ دعوے کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے:

مختلف گروہ ہوش وحواس میں ایک دوسرے کو کس طرح تسلیم کر لیتے ہیں...... ایک اور سیاسی معاشی سوال کہ بعض مخصوص نسلی احساسات کس طرح فروغ پاتے ہیں...... نسلی اور 'ہم' اور 'وہ' کی تفریق ایک وسیع تاریخی منظرنامہ میں کہاں سے در آتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی اَنا ان کے لئے نسل پرستی کے دروازے کھول دیتی ہے (62)۔

آج کے دور میں شخصی شناخت اور نسل پرستی نے سیاسی اداروں میں ایک مضبوط اصول کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ بعض مخصوص تاریخی حقائق کی روشنی میں ان دونوں تضادات کے اتفاق و اتحاد نے کشمیر اور سندھ کے مسائل میں جو پیچیدگیاں پیدا کی ہیں وہ کل کو نہایت مضبوط اور ضرر رساں ثابت ہوسکتی ہیں۔

لہٰذا ایک قومی ریاست میں نسلی تضادات کا مطالعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک ہندوستانی مبصر کا قول ہے:

......دورِ حاضر میں استعمال کرنے کے لئے نسل پرستی ایک موثر اصطلاح ثابت ہوسکتی ہے، دیگر تمام باتوں کے علاوہ کسی حقیقتاً 'دوسرے' کو غیر قرار دینا (63)۔

مگر جب ہم نسل پرستی کو سماجی تضادات کا مرکزی نکتہ قرار دیتے ہیں تو ایک مسئلہ

سامنے آتا ہے، Glazer اور Moyniham کے الفاظ میں، پیچیدگیاں مزید بڑھ جاتی ہیں (64) کیونکہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر نہیں کہ کسی مخصوص صورتحال کا تعلق نسل پرستی سے ہے۔اس کے برعکس، جیسا کہ Ardener زور دیتا ہے کہ نسل پرستی سے تعلق اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ سماج سے جڑی ہوئی ہو (65)۔Erikson کے الفاظ میں "نسل پرستی مثالی طور پر آئینی ہے" کئی نسل پرست گروپوں میں ایسے ارکان موجود ہیں جو نسل پرستی کو اہم نہیں سمجھتے اور وہ مختلف نظریات کے حامل سیاسی اداروں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں......بطور مثال: طبقاتی رکنیت (66)۔ یہاں جس بات پر زور دینا مقصود ہے وہ فرد کی شناخت کا گروہی کردار ہے۔ایک فرد کو نہ صرف نسل پرست گروپ کے رکن کی حیثیت سے بلکہ معاشرہ میں موجود بہت سے دوسرے آئینی غیر نسل پرست سماجی اداروں کی رکنیت کے حامل فرد کی حیثیت سے بھی اس کی شناخت کی ضرورت ہے۔مثال کے طور پر پنجاب کا ایک سکھ مرد یا عورت اپنی برادری کی مذہبی تنظیم کا ممبر ہوسکتا ہے مگر ساتھ ہی وہ ہندوستان کے وکلاء کی بھائی چارے کی تنظیم سے متعلق بھی ہوسکتا ہے، ہندو یا مسلمانوں کا دوست بھی ہوسکتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک سے بھی وابستہ ہوسکتا ہے۔ یقیناً طبقات اور نسل پرست نظریات کے حاملین کے مابین حیرت انگیز باہمی تعلقات موجود ہو سکتے ہیں (67)۔البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو طبقاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جا سکے۔پس جو بات اس طرح ہماری سمجھ میں آنی چاہئے وہ یہ ہے کہ نسل پرستی آپس کے رابطوں کے نتیجہ میں سامنے آتی، لاتعلقی اور علیحدگی کے نتیجے میں نہیں۔نہ یہ قدرتی ہے، نہ خارجی اور نہ ناقابلِ تشریح۔یہ اپنی اصل میں بیحد زندہ وتابندہ ہے۔

2.1 برصغیر کی سیاست میں نسل پرستی کا مطالعہ

برصغیر کے تناظر میں نسل پرست تحریکوں کو آمادہ کرنے والے دیگر ذرائع کے مقابلے میں بآسانی شناخت کیا جا سکتا ہے (68)۔نسل پرستی کی سیاست میں 'دوسرے' کو لازمی طور پر ملک دشمن اور علیحدگی پسند شمار کیا جاتا ہے، نسلی فسادات میں ملوث گروپ اس نظام کے داخلی عناصر ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک حکمران جماعت سے مفادات کا متقاضی ہوتا ہے۔

جنوبی ایشیاء میں نسلی شناخت کے مسئلے نے 'نسل پرستانہ قومیت' کی شکل اختیار کر لی ہے، جہاں سیاست کرنے والے نسل پرست گروپ ثقافتی قدروں کے تحفظ، ذاتی شناخت اور گروہی احساسات کے نام پر اپنی سیاست جاری رکھے ہوئے ہیں (69)۔ حالیہ مطالبات اس قسم کی نسلی سیاست میں ریاست کی انتہا پسندی کو اس کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کا تعلق براہِ راست یا تو ہندوستان کی مرکزی پالیسی سے ملتا ہے یا مرکز، صوبے یا علاقوں میں غیر معمولی قوت حاصل کرنے کی دوڑ سے (70)۔ مارکسی محققین نے واضح کیا ہے کہ 1947ء سے قبل کے دور میں ہندوستان کے حکمران طبقے اوپر سے نیچے تک علاقائی یا ثقافتی تضادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قومی یکجہتی کی خاطر کس طرح ایک ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں نسلی سیاست نے مرکز کی جاگیردارانہ حکومت کی زیرِ نگرانی مقامی اور نسلی علیحدگی پسندی کے پس منظر میں بڑے پیانے پر فروغ حاصل کیا ہے۔ ایسے ماحول میں نسلی پہچان کا مسئلہ ہندوستان میں دہلی مخالف کردار کی علامت بن گیا ہے۔ جیسا کہ موجودہ مطالعے سے ہویدا ہوگا، مسئلہ کشمیر کی پیچیدگی، یا پنجاب کی شورش، جس کے بارے میں بات کی جا چکی ہے، (71) کی اس نکتہ نظر کے تحت جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کشمیر میں باغیانہ سرگرمیوں کی خاصی گہری جڑیں مقامی ہیں اور ان کو ہندوستان کو منتشر کرنے کے بیرونی منصوبہ کا نام دے کر سادگی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا (72)۔ کشمیر کے معاملات کے نگراں، ہندوستانی کابینہ کے ایک سابق رکن جارج فرنینڈس نے خود تسلیم کیا ہے:

> میں تسلیم نہیں کرتا کہ کشمیر کا مسئلہ کسی بیرونی طاقت نے پیدا کیا ہے۔ یہ تو خود ہمارا پیدا کردہ ہے...... جس سے دوسروں نے فائدہ اٹھایا (73)۔

جموں کشمیر کے موجودہ وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے بھی اسی لہجے میں کہا:

> کشمیر میں جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری ہندوستان پر ہے۔ انہوں نے 1953ء میں میرے والد کے ساتھ دھوکہ کیا...... اور 1984ء میں خود میرے ساتھ (74)۔

بعینہٖ کثیر قومی پاکستان میں پنجابی حکمران اشرافیہ کے مرکزی تعمیر قومیت کے ایجنڈے کے تحت محکوم نسلی گروہوں کو اپنی ذاتی شناخت ترک کر دینے کے مطالبے نے مشتعل کر دیا۔ پاکستان میں مبہم تعمیر قومیت کے عمل نے سندھ کے مسئلے کو جنم دیا۔

حال ہی میں محققین کی توجہ اس بات کی طرف مرکوز ہوگئی کہ کس طرح تیسری دنیا کے ممالک کے اندرونی تنازعات قومی سرحدوں سے بالا ہو کر علاقائی تحفظ کی سیاست کا بنیادی عنصر بن گئے (75)۔ سابقہ حکمرانوں نے اپنے آزاد کردہ دوملکوں کے لئے ایسی قومی سرحدیں متعین کیں جو قوم اور ملک کے درمیان یا نسلی اور قومی شناخت کے مابین اتحاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم تھیں۔ برصغیر اس نوعیت کی ایک یکتا اور نادر مثال بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی کے بعض حصوں کی سرحد پار وفاداریاں دونوں ممالک کی حدود پار کر گئیں۔ جب دونوں ملکوں کے سرحدی علاقوں میں مرکزی قومیت کی حکمت عملی کے تناظر میں جداگانہ نسلی سیاست جنم لیتی ہے، تو داخلی اور خارجی معاملات یا مقامی اور بیرونی سیاست کی روایتی اہمیت میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دونوں طرف کے سیاسی اداکار اپنی قوم کی بنیادی قدروں سے انحراف کرتے ہوئے خود کو ایک ہی مشترک مقصد سے وفاداری کا پابند سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر نسلی سیاست اپنی مقامی رنگارنگی سے بالا ہو کر علاقائی تنازعات کی بصیرت سے بے بہرہ Buzan کے نکتہء نظر کے مطابق علاقائی سلامتی کے انتظامات اور سیکورٹی کی پیچیدگیوں کی تقویت کا باعث بن جاتی ہے، جہاں نسلی شناخت کسی خاص علاقے کی قومی سلامتی کی ترجیحات کی وضاحت کے لئے مقامی اور اندرونی سامان مہیا کرتی ہیں (76)۔ جیسا کہ زیر نظر تحقیق سے مترشح ہوگا کہ کشمیر میں بغاوت اور سندھ کے حالیہ حالات، اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں، گو کہ کشمیر پاک و ہند کے مابین بدستور متنازعہ معاملہ ہے، اور سندھ کا پاکستان میں وجود کسی اختلافی سوال سے باہر ہے۔ 1971ء میں بنگلہ دیشی علیحدگی پسندی کی تحریک، شمال مشرقی ہندوستان کی باغیانہ سیاست، سری لنکا میں تامل مسئلہ اور مشرق وسطیٰ میں 1950ء اور 1960ء کے دوران عرب قومیت کی تحریک، سب ہی تیسری دنیا کی سیاست میں اسی حکمت عملی کی واضح نشانیاں ہیں۔

3-ماخذات

پاکستان اور ہندوستان میں، حتیٰ کہ کشمیر اور سندھ میں بھی ماخذات تک رسائی انتہائی مشکل تھا۔ ویزا کی پابندیاں میرے پاکستان کے سفر میں رکاوٹ بنتی رہیں، ہندوستان

کے سرکاری کاغذات ابھی تک علیحدہ اہمیت کی ذیل میں آنے کے سبب محقق کی رسائی سے باہر ہیں۔ خود جموں اور کشمیر میں عملی تحقیقات کے دوران کئی بار تشدد کی لہریں اٹھیں۔ حالانکہ میں نے ہندوستان میں یہاں کے مقامی اور کشمیر وسندھ کے موضوع پر قابل ذکر غیر سرکاری مغربی مطبوعات سے استفادہ کیا، مگر دونوں پڑوسیوں کے مابین کتابوں کی تجارت پر بہت سی ناروا پابندیوں کے باعث ہندوستان میں مجھے کشمیر اور سندھ کے موضوع پر کوئی پاکستانی مطبوعات دستیاب نہیں ہوسکیں۔ خوش قسمتی سے لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں، آکسفورڈ کے انڈین انسٹیٹیوٹ، کیمبرج کے سینٹر برائے جنوبی ایشیائی مطالعہ، واشنگٹن کی لائبریری آف کانگریس، واشنگٹن کے ہی قومی یادگاروں کے مرکز، امریکہ میں اربانا کی یونیورسٹی آف الی نوئے اور پیرس کے انڈیا سینٹر برائے میسون ڈیس سائنسز دی لاہومز میں مجھے جنوبی ایشیاء کی سیاست کے بارے میں بعض بیش قیمت معلومات دستیاب ہوگئیں۔ درحقیقت اس موضوع پر تحقیقی مواد کا دارومدار انہی غیر جنوبی ایشیائی مراکز کا مرہونِ منت ہے۔ مجھے اس کام کے لئے محدود ڈیٹا بیس کی موجودگی کا اعتراف ہے۔ مگر اس کا سدِ باب میرے دائرۂ اختیار سے باہر تھا۔ عصرِ حاضر کی تاریخ پر کام کرنے والے، خاص طور پر ان علاقوں سے متعلق جو سیاسی عدم استحکام کا شکار ہیں، وہ ماخذات کی حصول میں بیحد محتاج ہیں، میں بھی اسی مسئلے کے باعث محدود دائرہ میں رہنے پر مجبور رہا۔ اس کے باوجود میری کوششوں کا بنیادی مقصد ایک بہت مشکل کام کو ممکنہ بہترین طریقہ سے پورا کرنا تھا۔

حوالہ جات

1. Commentators like Uri Raan have emphasised non 'Nation-State Fallacy', arguing that "in well over 90 percent of the independent countries existing today, the state either is considerably larger or much smaller than the area inhabited by the corresponding nation or staatsvolk". See U. Raan, 'The Nation State Fallacy' in Jospeh V. Montville ed., ***Conflict and Peacekeeping in Multiethnic Societies*** (Lexington : 1990).
2. This section is based on S. Das, 'The Indian National Congress and the Dynamics of Nation-Building : Aspects of Continuity and Change' in T.V. Sathyamurthy ed., ***State and Nation in the Context of Social Change*** (Delhi : 1994).
3. H. Alavi, 'The State in Post-colonial Societies : Paksitan and Bangladesh', ***New Left Review*** (July/August 1974), pp. 59-81.
4. See M. Shepperdson and C. Simmons (eds.), ***The Indian National Congress and the Political Economy of India 1885-1947*** (Aldershot : 1988).
5. C. Bettleheim, ***India Independent*** (Tr. W.A. Caswell, London : 1968).
6. N.K. Bose, 'Social and Cultural Life in Calcutta', ***Geographical Review of India***, 20, December, 1958.
7. D. Arnold, ***Police Power and Colonial Rule : Madras 1859-1947*** (New Delhi : 1986).
8. M. Shepperdson and C. Simmons eds., ***The Indian National Congress***, p. 16.
9. A. Chaudhuri, ***Private Economic Power in India : A Study in Genesis and Concentration*** (Delhi : 1975), p. 160.
10. ***Ibid.***, p. 161.
11. A.K. Bagchi, 'Public Sector Industry and Quest for Self-reliance in India', ***Economic and Political Weekly***, 17, 14-16 April 1982, pp. 615-28.
12. N.K. Chandra, 'Role of Foreign Capital in India', ***Social Scientist*** no. 57, 1977, pp. 3-20; G.K. Shirokov, ***Industrialisation of India*** (Moscow : 1973).
13. A. Maddison, 'The Historical Origins of Indian Poverty', ***Banca Nazionale Del Lavoro Quarterly Reoiew***, 23, 92, 1970, pp. 31-81; T. Raychaudhuri, 'Historical Roots of Mass Poverty in South Asia : A hypothesis', ***Economic and Political Weekly***, 20, 18, 4 May, 1985, pp. 801-6; R. Krishna, 'Growth, Investment and Poverty in Mid-term Appraisal of Sixth Plan', ***Economic and Political Weekly***, 18, 47, 19 November, 1983, pp. 1972-82.
14. W.H. Morris-Jones, 'Dominance and Dissent : Their Inter-relations in the Indian Party System' in his ***Politics Mainly Indian*** (Madras : 1978), pp. 213-32.
15. B.P. Dua, 'Indian Congress Dominance Revisited' in P. Brass and F. Robinson eds., ***The Indian National Congress and Indian Society 1885-1985 : Ideology, Social Structure and Political Dominance*** (Delhi : 1989); L.W. Pye, 'Party Systems and National Development in Asia' in J. La Palmobara and M. Weinereds., ***Political Parties and Political Development*** (Princeton : 1966).
16. C. Rosen, ***Democracy and Economic Change in India*** (Berkeley : 1967), p. 70.

17. *The Statesman* (Calcutta) 5 September, 1999.
18. B.T. Ranadive, 'National Problems and the Role of Working Class' in *National Problems and the Working Class in India* (Calcutta : 1989).
19. P. Bardhan, 'Dominant Proprietary Classes and India's Democracy' in A Kohli ed., *India's Democracy : an Analysis of Changing State-Society Relations* (Princeton : 1988).
20. P.B. Mayer, 'Development and Deviance : The Congress as the Raj' in J. Masselos ed., *Struggling and Ruling : The Indian National Congress 1885-1985* (Delhi : 1987)
21. P. Bardhan, 'Dominant Proprietory Classes', p. 224
22. B. De and S. Das, 'Ethnic Revivalism – Problems in the Indian Union' in K. S. Singh ed. *Ethnicity, Caste and People : India and the Sooiet Union* (New Delhi : 1992)
23. This section is based on S. Basu and S. Das, 'Introduction' in S. Basu and S. Das eds., *Electoral Politics in South Asia* (Calcutta : 2000).
24. A. Jalal, *Democracy and authoritarianism in South Asia : A comparative and historical perspective* (Cambridge : 1995), p. 5.
25. A. Jalal, The *Sole Spokesman : Jinnah, the Muslim League and the Demand for Pakistan* (Cambridge : 1985).
26. A. Jalal, *The State of Martial Rule : The origins of Pakistan's political economy of defence.* (Cambridge : 1990), p. 1.
27. Noman provides a detailed analysis of the political strategy of economic development in Pakistan in this period. See O. Noman, *The Political Economy of Pakistan 1947-85* (London : 1988), pp. 27-32.
28. *Ibid*, pp. 35-43.
29. *Ibid.*
30. *Ibid.*
31. See the contributions on Pakistan in K. Gough and H.P. Sharma eds., *Imperialism and Revolution in South Asia* (New York : 1973).
32. *Land Rreform in West Pakistan*, vol III, Appendix 18, (Government of Pakistan 1967). Quoted in A. Hussain, 'Land Reforms in Pakistan : A Reconsideration' in I. Khan, *Fresh Perspectives on India and Pakistan.* (Oxford : 1985). p. 208.
33. R. Islam, *Pakistan : Failure in National Integration* (Dhaka : 1977).
34. Urban Sindhis consit of Urdu speaking Muhajirs and Punjabis. See S. Kardar, *The Political Economy of Pakistan* (Lahore : 1987), p. 11; A. Jalal, *Democracy and authoritarianism in South Asia*, p. 190.
35. *Ibid.*
36. A. Jalal, *Democracy and authoritarianism in South Asia*, p. 187.
37. *Ibid.*, p. 192.
38. *Ibid.*, p. 191.
39. *Ibid.*, p. 188.
40. See F. Ahmed's contribution in K. Gough and H.P. Sharma eds., *Imperialism and Revolution in South Asia.*
41. See S. Basu and S. Das eds., 'Introducuon' in *Electoral Politics in South Asia.*
42. For details see *ibid*
43. O. Kureishi, 'The country that got derailed on its way to nationhood', *The Asian Age* (Calcutta) 12 September, 1999
44. A. Jalal, *Democracy and authoritarianism in South Asia*, p. 3.
45. *Ibid.*
46. *Ibid.*
47. See the works of T.J. Nossiter, *Marxist State Governments in India* (London : 1988); A Kohli, *The State and Poverty : The Politics of Reform* (Cambridge : 1989); G. Lieten *Continuity and Change in Rural West Bengal* (New Delhi : 1992). K. Westergaard, *People's Participation : Local Government and Rural Development – The Case of West Bengal* (Copenhagen : 1986). N. Webster, *Panchayati Raj and the Decentralisation of Development*

Planning in West Bengal: A Case Study (Copenhagen : 1990). J. Basu et al. eds., *People's Power in Practice : 20 Years of Left Front in West Bengal* (Calcutta : 1997).
48. See B. De and S. Das, 'Ethnic Revivalism : Problems in the Indian Union', for a discussion along these lines.
49. M. Banton, 'Modelling Ethnic and National Relation's, *Ethnic and Racial Studies*, 17 : 1, 1994. Also see his *Racial and Ethnic Competition* (Cambridge : 1983).
50. F. Barth ed., *Ethnic Groups and Boundaries: The Social Organisation of Cultural Difference*, (London : 1969) See the Introduction.
51. B. Anderson, *Imagined Communities : Reflections on the Origin and Spread of Nationalism* (London : 1983).
52. G. DeVos and L. Romanucci-Ross eds., *Ethnic Identity : Cultural Continuities and Change*, (Chicago : 1982)
53. R.A. Schermerhorn, *Ethnic Plurality in India* (Arizona : 1987).
54. A.D. Smith, *The Ethnic Revival* (Cambridge : 1981), p.1
55. *Ibid.*, p.9. In 1971 only 12 out of 132 independent states were found to be ethnically homogeneous.
56. See A.D. Smith, 'Chosen People : Why Ethnic Groups Survive', *Ethnic and Racial Studies*, 15: 3 (1992), pp 440-49. C. Enloe, 'Religion and Ethnicity' in P. Sugar ed. *Ethnic Diversity and Conflicts in Eastern Europe* (Santa Barbara : 1980); P. Kitromildes, 'Imagined Communities and the Origin of the National Question in the Balkans', *European History Quarterly* 19 : 2 (1982); J. Edwards, *Language, Society and Identity* (Oxford : 1985).
57. For an analysis of various analytical approaches to the study of ethnicity see John Hutchinson and A.D. Smith eds. *Ethnicity* (Oxford : 1996).
58. For a representation of this school see C. Geertz, 'The New Integration Revolution : Primordialist Sentiments and Civil Politics in New States' in C. Geertz ed. *Old Societies and New States* (Glencow : 1968) and H. Isaacs *Ideas of the Tribe* (NY : 1975).
59. See W.A. Douglass, 'A Critique of Recent Trends in the Analysis of Ethnonationalism', *Ethnic and Racial Studies*, vol.III, no.2 April. 1988.
60. See F. Barth. *Ethnic Groups and Boundaries* and Ernest Gellner, *Nations and Nationalism* (Ithaca : 1983).
61. T.H. Eriksen, 'Ethnicity and Nationalism : Definitions and Critical Reflections', *Bulletin of Peace Proposals*, vol 23 (2) 1992, 219-224.
62. J.A. Vincent, 'Differentiation and resistance : ethnicity in Valle d' Aosta and Kashmir', *Ethnic and Racial Studies*, vol. 5, no. 3, July, 1982, p.314.
63. D. Gupta, *The Context of Ethnicity : Sikh Identity in a Comparative Perspective* (Delhi : 1997). p.6.
64. N. Glazer and D.P. Moynihan, *Ethnicity* (Harvard : 1975).
65. E. Ardener, *The Voice of Prophecy and other Essays* (Oxford : 1989).
66. T.H. Eriksen, 'Ethnicity', *op.cit.*, p.21.
67. T. H. Eriksen, *Ethnicity and Nationalism* (London : 1993).
68 For instance, see D. Gupta, *The Context of Ethnicity*, pp.6-10.
69. See J. Rotschild, *Ethnopolitics : A Conceptual Framework* (NY : 1981).
70. P. Brass, *The Politics of India after Independence*, New Cambridge History of India, vol. IV 1 (Cambridge : 1990). Both Horowitz and Brass stress the role of new, urbanized, indigenous elites in the Third World in using ethnic constituencies and symbols as bases of mass support. See D. Horowitz, *Ethnic Groups in Conflict* (Berkeley : 1985) and Paul Brass *Ethnicity and Nationalism* (New Delhi : 1991).
71 D. Gupta, *The Context of Ethnicity* :
72. S. Bose thus calls the Kashmir crisis as a 'crisis of Indian Democracy'. See his *The Challenge in Kashmir : Democracy, Self-Determination and a Just Peace* (New Delhi : 1997). p.51.
73. G. Fernandes, 'India's Policies in Kashmir : An Assessment and Discourse' in R. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir* (Boulder : 1992).

74. Cited in S. Bose, *The Challenge in Kashmir* p.51.
75. Pioneering research in this context was done by M. Weiner. See his 'The Macedonian Syndrome : An Historical Model of International Relations and Political Development', *World Politics*, vol.XXIII, no.4 July 1973. The analytical framework was further developed in A. Suhrke and L. Garner Noble eds., *Ethnic Groups in International Relations* (NY : 1977); Fredrick L. Shiels eds., *Ethnic Separatism and World Politics* (NY : 1984), M. Ayoob ed., *Regional Security in The Third World : Case Studies from South-East Asia and the Middle East* (Kent : 1986); A. Said and L. R. Simmons eds. *Ethnicity in an International Context* (New Brunswick : 1976) and J.F. Stack Jr. ed., *Ethnic Identities in a Transnational World* (Connecticut : 1981).
76. See B. Buzan, 'Regional Security (I)', *Arbejdspapirer* No.28 (Copenhagen : 1989). Also see A.D. Smith, 'Ethnic Myths and Ethnic Revivals' *Archives Europeenes De Sociologie*, 24 March, 1984 for an argument that ethnicity is responsive to both external and subjective circumstances. The best attempt to view South Asian ethnic politics in the context of regional security is found in K. Khory, 'Separatism in South Asia : Politics of Ethnic Conflict and Regional Security' (Unpublished Ph.D. thesis, University of Illinois at Urbana-Champaign : 1991).

حصہ اوّل

لاینحل مسئلہ کشمیر

سرینگر کے زیریں علاقے میں چندھیائی ہوئی دو عورتیں ایک تباہ شدہ مسجد کے ملبے پر سے بمشکل اتر رہی تھیں، اور درجنوں افراد سر پر رکھی ہوئی نوکریوں میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں اور کالے ہوتے ہوئے پلاسٹر کے ٹکڑے بھر کر انہیں وہاں سے ہٹانے میں مصروف تھے۔ ایک مقامی بینک کا منیجر غلام قادر میلوں دور تک پھیلے ہوئے علاقے میں ایک واحد صاف جگہ سے اس سست رفتار عمل کا جائزہ لے رہا تھا...... دس اسکوائر فٹ کا سیمنٹ کا ایک چوکور تھیلا جو اس کے باورچی خانہ کا کام دیتا تھا...... پچھلے مہینے ایک سو پچیس دیگر عمارتوں کے ساتھ قادر کا چار منزلہ مکان بھی دھوئیں میں تحلیل ہو گیا تھا۔ آتش زنی کی یہ واردات تقسیم شدہ کشمیر کے دارالخلافہ میں رونما ہونے والے درجنوں واقعات میں سے ایک ہے جو کبھی رسیلے نغمات کی وادی ہوا کرتی تھی۔ (1)

جموں اور کشمیر میں تسلسل کے ساتھ رونما ہونے والے باغیانہ سرگرمیوں کے واقعات کی یہ ایک قابلِ فہم منظر کشی ہے جو ہندوستانی حکومت کے اختیارات کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسئلۂ کشمیر...... جو سرکاری بیانات کا ایک لازمی حصہ ہے...... محققین، صحافیوں اور سیاسی مبصرین کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے۔ اس قسم کے واقعات کا سبب آبادی کے انخلا اور مذہبی عدم رواداری یا پھر علاقے میں معاشی بدحالی کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک حالیہ دستاویز کی رو سے نقل مکانی اور رہائشی مسائل کے درمیان عدم توازن سے کشمیریوں کی مستقل مزاجی

میں ایک پُر تشدد مذہبی موڑ آ گیا ہے۔ (2) اور جدیدیت نے کشمیریوں کے لیے متبادل مستقبل کے امکانات روشن کیے ہیں۔ البتہ علاقے میں جاری سیاسی جوڑ توڑ نے اس قسم کی ذہنیت کا سدِ باب کرنے میں کچھ کامیابی ضرور حاصل کی ہے جس نے علیحدگی پسند اور متشدد گروہوں کے لیے مزید سازگار ماحول فراہم کیا ہے۔ (3) ایک اور دستاویز اس کا سبب نہ تو معاشی بدحالی کو جموں کشمیر کے باشندوں کی ناراضگی کا سبب قرار دیتی ہے اور نہ کشمیر کی ثقافت کے لیے درپیش خطرات کو موجودہ دہشت گردی کی سیاست کے پس پردہ عوامل کو قابلِ ذکر سبب مانتی ہے۔ بلکہ موجودہ دھماکہ خیز صورت حال کو نقل مکانی اور غیر سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ قرار دیتی ہے (4)۔ ان دستاویزات میں کشمیر کی اس پیچیدہ صورتحال کی ابتدا کا سبب صوبے کے سیاسی اجارہ داروں اور دہلی میں مرکزی حکومت کے درمیان اختیار کے کمزور فارمولے میں نااتفاقی کو سمجھا جاتا ہے (5)۔ اس کے علاوہ ایک اور قابلِ ذکر دستاویز کشمیر کی سیاسی محاذ آرائی کے حل کو وقت کا اہم ترین تقاضہ قرار دیتی ہے: جمہوری حکومت کے لیے جدوجہد اور آزادانہ قومی استصواب رائے کا حق (6)۔ کچھ اور لوگوں نے انڈو پاک کے مابین حل نہ ہونے والے پرانے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے اس کو جنوبی ایشیا کے علاقے کے لیے عدم استحکام کی ایک ناقابلِ انکار وجہ قرار دیا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ امر انتہائی تاسف انگیز ہے کہ قدرت کے عطا کردہ اس حسین تحفے کو گندی سیاست کا اکھاڑہ بنا دیا گیا ہے۔ اس حالت کی انتہائی موثر تشریح عائشہ جلال نے کی ہے، وہ کہتی ہیں "ایک خیرہ کن تحفہ ایک تکلیف دہ خواب ایک رستا ہوا زخم، کشمیر جو پریوں کے دیس کی ایک ایسی کہانی ہے جو جنوبی ایشیا کے مستقل ذہنی آزار کا سبب ہے (7)"۔

پیش نظر کاوش اس بات کی کوشش ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر تمام حاصل شدہ معلومات سے قطعِ نظر نیچے سے اوپر کی طرف ایک مکمل جائزہ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے لیا جائے کہ تیسری دنیا میں مذہبی جنون مقامی سیاست کا ایک اہم عنصر اور پڑوسی ممالک کے مابین کشاکش کا باعث بن چکا ہے۔ یہ نظریہ بین الاقوامی تعلقات کے 1945ء سے قبل کے اس طرزِ فکر کی بازگشت ہے جس میں تیسری دنیا کے اس نوع کے مسائل کو ملک کے اندرونی مسائل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں مذہبی جنون اور اہلِ اقتدار کی انتظامی کمزوریوں کو قومی تحفظ کے لیے خطرہ قرار دیا گیا ہے۔ دو ہمسایہ ممالک کے مابین آبادی کا فرق، نسل پرستی، مذہبی وابستگی اور

سرحد پار کرنے کے واقعات کے سدباب میں ناکامی عموماً انتہائی قدم اٹھائے جانے کا باعث بن جاتے ہیں۔'اس طرح داخلی جھگڑے عموماً خارجی جھگڑوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں'(9)۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس کے روایتی تضادات خارجی اور داخلی مسائل میں تباہ کن صورت میں سامنے آتے ہیں(10) کشمیر کا مسئلہ نمٹانے کے مطالبات میں ایک اہم مطالبہ ان کو ہندوستانی قوم کے مفادات سے الگ کرنا بھی شامل ہے(11)۔

1۔مسئلۂ کشمیر کی تاریخی اہمیت:

کشمیر ایشیا کے وسط میں واقع ہے جس کے ایشیا اور وسط ایشیا سے قدیم تعلقات ہیں اور یہ پاکستان' افغانستان' چین اور ہندوستان کے بیچ میں گھرا ہوا ہے۔ 1947ء سے یہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین وجہِ تنازع بنا ہوا ہے۔متحدہ کشمیر کی 67% آبادی جو سات لاکھ کے قریب بنتی ہے ہندوستانی انتظامیہ کے تحت اور بقایا 33% جو کم وبیش ڈھائی لاکھ افراد پر مشتمل ہے پاکستان کے زیر انتظام علاقے میں ہے۔موجودہ حالات کے محرکات کسی سے پوشیدہ نہیں' مگر ضروری ہے کہ ان پر ایک سرسری نظر دوبارہ ڈال لی جائے تا کہ نتائج اخذ کرنے میں دشواری نہ ہو۔

کشمیر اُن 560 خودمختار ریاستوں میں سے ایک تھا جنہوں نے برطانوی بالادستی تو تسلیم کی لیکن جو براہِ راست برطانوی تسلط میں نہیں تھا۔آزادی کے مراحل کے دوران وادی کشمیر کے مہاراجوں اور نوابوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان جس کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں یا اگر چاہیں تو اپنی الگ آزاد ریاست قائم کر لیں۔ان شہزادوں کو ایک غیر تحریری ضمنی عندیہ بھی دیا گیا کہ پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ اپنے مجوزہ الحاق کی جغرافیائی اور مذہبی اہمیت کو بھی بنیادی طور پر پیش نظر رکھیں(12)۔مگر کشمیر کے مہاراجہ نے اس کا کوئی فوری جواب نہیں دیا۔اور یہ بات مستقبل کی مخاصمت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس کی وجہ سے بادشاہت کے ٹکڑے ہو گئے۔

ریاست کشمیر مجموعی طور پر 78% مسلمان آبادی پر مشتمل لیکن ہندو مہاراجہ ہری سنگھ کی ملکیت تھی(13)۔مذہبی اعتبار سے بھی اس کی آبادی کی تقسیم میں کوئی توازن نہیں تھا' وادی

کشمیر کلیتاً مسلمانوں کی آبادی کا علاقہ تھا۔ جموں کے علاقے کی غالب آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی' اور لداخ کا علاقہ نمایاں طور پر بدھ مذہب کے پیروؤں کا علاقہ تھا۔ 1930ء میں انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جانب سے سیاسی منظرنامے میں داخل ہوئیں۔ اس موقعہ پر مہاراجہ کے آمرانہ عزائم کے ردِعمل کے طور پر شیخ عبداللہ کے نیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے مشہور سیکولر نظریات کی تحریک شروع کی گئی (14)۔ گاندھی اور نہرو نیشنل کانفرنس کے نظریہ کے حامی تھے جبکہ جناح اور مسلم لیگ اس کے مخالف تھے۔ اس کھینچا تانی کی فضا میں مہاراجہ کشمیر نے ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ بھی وابستہ ہونا پسند نہیں کیا' اور دونوں حکومتوں سے ایک معلق معاہدہ کرلیا۔ مگر حالات نے اس وقت دوسرا رخ اختیار کرلیا جب اکتوبر 1947ء میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے پونچھ پر مشتمل آزاد کشمیر کا وجود تسلیم کیا جائے۔ مہاراجہ نے اس کے سدِ باب کے لیے فوراً اپنی فوج بھیجی۔ اس مطالبے کی تائید اور اپنے مسلمان بھائیوں کی حمایت میں انھیں ہندوؤں کی ممکنہ جارحیت سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستانی علاقے سے پٹھان قبائل مداخلت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مہاراجہ نے خطرے کے پیشِ نظر ہندوستان سے مدد کی اپیل کی جو ہندوستان سے الحاق کی شرط پر منظور کر لی گئی۔ اس سلسلے میں الحاق کا معاہدہ ماؤنٹ بیٹن کی منظوری سے طے پایا (15)۔ ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہوگئیں اور سری نگر کی طرف بڑھتے ہوئے مداخلت کاروں کو واپس دھکیل دیا گیا۔ پاکستانی فوج نے ان قبائلی رضاکاروں کی پشت پناہی کرتے ہوئے مداخلت کی' جو پہلی انڈو۔ پاک جنگ کہلائی (16)۔ جنوری 1949ء میں سیز فائر کے نتیجے میں جنگ بندی ہوئی جس کے بعد کشمیر کا 1/3 پاکستان کا حصہ بن گیا اور باقی ہندوستان کا صوبہ جموں و کشمیر بنا۔ جنگ بندی کے وقت کی سرحدوں کو بعد میں 1972ء کے شملہ معاہدہ کی رو سے ہند و پاکستان کی طے شدہ کنٹرول لائن قرار دے دیا گیا (17)۔ نہرو نے یو این او میں تقریر کرتے ہوئے پاکستانی جارحیت کو بین الاقوامی سطح پر اس کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ مگر یو این او کا مصالحتی کردار اس سلسلے میں ہمیشہ ناکامی سے دوچار ہوتا رہا۔ تیسری دنیا کے دیگر مسائل کی طرح بڑی طاقتوں کے طفیل یہ قضیہ بھی پیچیدہ تر ہوتا چلا گیا۔ مگر اس پہلو کو موجودہ کتاب کے اصل متن سے دور رکھا گیا ہے۔

عام طور سے اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ قبائلیوں کی حمایت میں پاکستان کی مداخلت نے کشمیریوں میں اشتعال پیدا کیا' جس نے واضح طور پر پاکستان کی طرف سے الحاق کے معاہدے کی مخالفت کا سدِ باب کیا[19]۔ کشمیریوں کا ہندوستان سے الحاق' پاکستان مخالف رویہ کا اظہار اور ہندوستان سے ہم آہنگی کا ثبوت تھا۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نہرو کو مہاراجہ کے اس الحاق پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اس کے حق میں استصواب رائے کی تجویز بھی پیش کر دی۔ ہندوستان کے آئین میں ایک خصوصی شق نمبر 370 بھی کشمیر میں ہندوستان کے آزادانہ اختیارات کی ضمانت کے طور پر شامل کر دی گئی۔ مگر آج کشمیریوں کا ایک گروہ نسل پرستی اور باغیانہ سرگرمیوں کے ذریعے ہندوستان کی انتظامیہ کی ابتری کا باعث بنا ہوا ہے جو 1990ء میں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں۔

کشمیریوں کی ایک بڑی تعداد کے دلوں سے ہندوستانیت کی فنا کا ذمہ دار صرف پاکستان یا کسی بین الاقوامی سازش کے نتیجے میں ہندوستان کو تقسیم کرنے کا معاملہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہندوستان کے خارجہ سیکریٹری جے۔ این ڈکشٹ کے علاوہ کسی اور نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا کہ

> 'کشمیر کی شورش صرف پاکستانی سرگرمیوں کا نتیجہ نہیں' اس میں خود کشمیر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ملوث ہے'[20]۔

موجودہ تحقیق کی روشنی میں کشمیریوں کے ہندوستان کی پالیسیوں سے اختلاف کی جڑیں یہاں کے حاکموں کی قوم پرستی کی حکمت عملی کے تضادات میں پوشیدہ ہیں۔

کشمیر کا معاشرہ ہمیشہ سے کثیر المذہبی رہا ہے۔ 78% مسلمان' ہندو پنڈتوں' سکھوں' پنجابیوں اور بدھوں کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ ہندوستان کے مقبوضہ حصہ میں مذہبی اعتبار سے آبادی کا تناسب: 65% سُنی مسلمان' جو شروع سے یہاں آباد ہیں' 28% ہندو' 2% سکھ جو زیادہ تر جموں کے علاقے میں اقامت پذیر ہیں' اور 1% فیصد بدھ' لداخ کے طویل علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں[21]۔ بورسہاما کے علاقے میں آثار قدیمہ کی کھدائی نے یہاں کی تہذیب کو 3000 ق۔م سے ملحق قرار دیا ہے' جو کم و بیش موئن جودڑو کی تہذیب کا دور ہے۔ برسوں سے کشمیر اپنی نمایاں ثقافتی پہچان برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ کشمیریوں کی

غالب آبادی' کیشور' بولتی ہے جو جدید ہندوستان کی بولی جانے والی اور ادبی زبانوں میں سے ایک ہے (22)۔ کشمیری' ویدک اور بدھ روایات کے آپس کے اختلاط نے کشمیر میں بقائے باہمی کے فلسفہ کو فروغ دیا ہے۔ اس فلسفے کے فروغ کے دو اہم ستون تھے نویں صدی عیسوی کے واسو گپتا اور دسویں صدی عیسوی کے ابھی ناؤ گپتا۔ بالآخر کشمیریوں نے اسلام کو روحانی ورثہ کے طور پر سچے دل سے قبول کرلیا (23)۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کشمیر میں اسلام کا اپنا ایک منفرد کردار ہے' جس میں قبلِ اسلام کی بہت سی رسومات بھی برقرار ہیں (24)۔ مجذوبیت اور صوفی ازم کو کشمیر میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ کشمیر کے قدرت اور زندگی سے مزین دلکش نغمات نے صوفیانہ اور ہندوانہ رسوم ورواج کو ایک دوسرے سے نزدیک لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے (25)۔ جی۔ایم۔ڈی صوفی کے الفاظ میں: گوتم بدھ کے اثرات' ویدانت کی تعلیمات اور اسلام کی پراسراریت نے ایک کے بعد ایک کشمیر کے معاشرے میں اپنی ایک منفرد جگہ بنائی ہے (26)۔

شاہ ہمدان لالی شاری' ایک ہندو درویش عورت' اور شیخ نورالدین' کشمیر میں رشی تہذیب کے بانی نے ہندو اور صوفیانہ دونوں تہذیبوں کے علمبرداروں کو اپنی نظموں کے ذریعے انسانی برادری کے قیام کی کوششوں پر راغب کیا (27)۔ دورِ حاضر تک چرار شریف کے مزار پر ہندو اور مسلمان شانہ بشانہ حاضری دیتے ہیں۔ شاہ ہمدان مسجد' بہاء الدین کا مزار اور آخم شاہ مسجد جیسے کچھ مقدس مقامات ابھی تک ہندو اور مسلمان یکساں استعمال کرتے ہیں (28)۔ بھٹ اور پنڈت جیسی ذاتیں بھی ہندو اور مسلمانوں میں یکساں رائج ہیں۔ قدرتی طور پر 1947 سے قبل کشمیر کا علاقہ خاصی حد تک فرقہ وارانہ فسادات سے محفوظ تھا۔ کشمیریوں کے لباس اور کھانا پینا بھی اپنی الگ ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ روایتی طور پر کشمیری لباس ایک سفید ٹوپی اور بغیر بازو والے لمبے کوٹ پر مشتمل ہے جس کو پھاکرن کہتے ہیں۔ سردی کے موسم میں کوٹ کے نیچے کوئلہ جلانے والی انگیٹھی کشمیریوں کے ذہن کی ایک منفرد اختراع ہے۔ کشمیری عموماً نمکین چائے استعمال کرتے ہیں لیکن اپنے مہمانوں کی سبز چائے سے تواضع کرتے ہیں۔ چائے عموماً سماوار میں پیش کی جاتی ہے۔ کوفتہ پالک ایک خاص کشمیری ڈش ہے (29)۔

مذہبی عقائد سے قطعِ نظر کشمیریوں نے بنیادی طور پر برصغیر میں اپنی علیحدہ شناخت

برقرار رکھی ہے (30)۔ ایک وسیع تر معاشرتی اور سماجی ہم آہنگی اور مخصوص جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے یہاں آباد لوگوں نے عموماً اپنی ذاتی شناخت کو ایک وسیع تر اجتماعی شناخت میں ڈھال لیا ہے ہے (31)۔ مگر ہوا یہ کہ کشمیریوں کی اس حقیقی کشمیریت کو تسلیم کرنے کے بجائے ریاست نے ان کو ہندوستانیت اختیار کرنے پر زور دیا۔ خطۂ کشمیر کی موجودہ گنجلک اور پیچیدہ صورت حال اسی ریاستی جبر کا نتیجہ ہے۔

2- ہندوستان کے سیاسی تناظر میں کشمیر کا وجود:

ہندوستان کی 'قدیم' روشن خیال یا ترقی پسند مربوط سیاسی رائے 'لگا تار اس بات پر زور دیتی رہی ہے کہ کشمیر ہندوستان کی ناقابلِ تقسیم اکائی ہے۔ ہندو انقلاب کی دعویدار بھارتیہ جن سنگھ اور اس کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی نے 15 جنوری 1948 کو اعلان کیا کہ تاریخی اعتبار سے کشمیر ہندوستان کا حصہ رہا ہے' اور ہندوستان سے ہماری مراد ہے ہندوانڈیا (32)۔ جن سنگھ نے نہرو کے استصواب رائے کے نظریے کی مخالفت کی اور 1952 میں تحریک آزادی کشمیر کی بنیاد ڈالی۔ ہندوستان کے آئین کی دفعہ 370 کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا جو کشمیریوں کو بعض حقوق تفویض کرتی تھی۔ مذکورہ پارٹی کے پارلیمانی لیڈر شام پرشاد مکر جی نے 20 جون 1952 کو سوال اٹھایا کہ کیا کشمیر کی حیثیت ریاست میں ایک اور ریاست کے طور پر تسلیم کی جارہی ہے؟ کیا ہم انڈیا کے چاروں کونوں میں خود مختار ریاستیں قائم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟ (33) راشٹریہ سیوک سنگھ کے صدر گولوالکر نے 24 اگست 1953 کو کشمیر کے مسئلے کا ایک ہی حل قابلِ عمل بتایا: (34)۔

> اس کے حل کو محض کشمیریوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا' کشمیر کے مستقبل کے بارے میں پورے ملک کی رائے لینا ضروری ہے (35)۔

اپریل 1957 میں بھارتیہ جن سنگھ نے اپنے نظریہ کا اظہار کیا:

> کہ کشمیر ہر حال میں بھارت کا حصہ ہے جس پر کوئی دوسری رائے نہیں اور اصل مسئلہ پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے علاقے آزاد کرانا ہے (36)۔

1964 میں جن سنگھ نے اپنے دوٹوک نظریے میں مزید سختی پیدا کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:

گذشتہ سترہ سال سے چودہ لاکھ ناپسندیدہ کشمیری مسلمانوں کی لامحدود سیاسی ترقی لیے سیکولر انڈیا میں بے شمار پالیسیاں بنائی گئیں اس کے باوجود قوم پرست انڈیا کو ان کے بارے میں اپنی تمام تر پالیسیوں کا از سرنو جائزہ لینا ہوگا جن کے 93% افراد نے 1946 کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا...... (37)۔

1980 کے دوران بھارتی جنتا پارٹی نے نہ صرف آئین کی دفعہ 370 کو قلمزد کرنے کا مطالبہ کیا بلکہ ریاست کشمیر کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ بھی کیا (1) مسلمان آبادی والا حصہ (2) ہندوؤں کا حصہ جموں اور (3) بدھ آبادی والا حصہ لداخ (38)۔ کشمیر کو انڈیا کا ناقابلِ تقسیم حصہ ظاہر کرنے کے لیے 1992 کی ابتدا میں بی جے پی نے کل ہند دورہ کیا جو ملک کے شمالی حصے سے شروع ہو کر سری نگر پر ترنگا لہرانے پر 26 جنوری کو اختتام پذیر ہونا تھا۔ اُس وقت کے صدر مرلی منوہر جوشی نے جھنڈا تو ضرور لہرایا مگر بغیر کسی شان و شوکت کے اظہار کے مقامی احتجاجی مظاہروں اور انڈین فوج کے سخت حفاظتی انتظامات کے تحت (39)۔ موجودہ وقت میں نئی دہلی کی حکومت میں ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتا ہے کہ بی جے پی کشمیر کے مسئلہ پر کوئی وفاقی فیصلہ صادر فرمادے۔

جن سنگھ اور بی جے پی کے بے لچک رویہ کا اصل محرک تقسیمِ ہند کے عمل کو تسلیم نہ کرنے سے جڑا ہوا ہے۔ 29 جنوری 1948 کا Organiser لکھتا ہے:

> مسلم لیگ اور اس کی تخلیقِ پاکستان کا انحصار دروغ، ننگی جارحیت، دہشت گردی اور تخریب کاری پر ہے۔

پارٹی کے تھنک ٹینک بلراج مدھوک نے پیشگوئی کرتے ہوئے کہا:

> ایسا سوچنا قطعی غیر حقیقی ہوگا کہ یہ تقسیم لامحدود وقت تک جاری رہ سکتی ہے جس طرح کہ جرمنی ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح تقسیم رہے گا (40)۔

1990 میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے پالیسی ساز کے آر ملکانی بڑے شوق سے اظہارِ خیال فرما رہے تھے کہ پچیس سال میں یا پانچ سال میں پاکستان کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ دو یا تین پاکستانی ریاستیں ہونگی مگر وہ بھی انڈیا میں (41)۔

دوسری طرف ہندوستان کے سیاسی منظرنامے پر آزاد خیال اور سوشلسٹ نظریات کے حامل گروہ کشمیر کے انڈیا کے ساتھ الحاق کو سیکولرزم کے ساتھ جوڑ رہے تھے۔ نہرو نے اپنے احساسات کا بھرپور اظہار انڈین نیشنل کانگریس کے 1951 کے دہلی سیشن میں اپنے صدارتی خطاب میں کیا: انہوں نے کہا کہ:

کشمیر فرقہ وارانہ عدم تشدد کی ایک زندہ علامت ہے جس میں پاکستان کے ساتھ وابستہ دوقومی نظریہ کا شائبہ تک بھی نہیں ہے (42)۔

ایک دوسرے موقعہ پر پنڈت جی نے کہا:

کشمیر ایک علامت ہے جو ہمارے سیکولر نظام کا منہ بولتا ثبوت ہے' اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کے باوجود اپنی آزاد مرضی اور خواہش سے انڈیا کے ساتھ شامل ہے (43)۔

اپنی وفات سے دو سال قبل تک نہرو اپنے نظریے پر قائم تھے جیسا کہ 26 جولائی 1962 کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے پریم ناتھ بزاز کے نام لکھا تھا':

کشمیر عملاً پورے ہندوستان کو اپنے سیکولرازم سے متاثر کرتا ہے کیونکہ اس کی بنیادیں یہاں اتنی مستحکم نہیں ہیں جتنی کشمیر میں ہیں (44)۔

اسی طرح سوشلسٹ لیڈر رام منوہر لوہیا نے کشمیر اور انڈیا کے باہمی اشتراک پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور استصواب رائے کو اس حد تک خارج از بحث قرار دیا ہے کہ اگر جمہوری دور میں ہندو اور مسلمانوں کا ایک مملکت کا شہری ہونا آسان نہ ہو تب بھی وہ اس کام کو کرگذرنے کے لیے تیار ہیں (45)۔ اس طرز فکر کی حمایت میں پرجا سوشلسٹ پارٹی کے ایچ وی کماتھ نے ایسے اقدام کرگذرنے کے لیے پاکستان کے کشمیری علاقے کو آزاد کرانے کی تیاری کرنے کی ضرورت پر زور دیا (46)۔ غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے بھی تجویز کیا کہ کشمیریوں کے بہترین مفاد میں ہے کہ وہ انڈیا کے ساتھ وابستہ رہیں اور یہ صورت دونوں ممالک میں بہترین جمہوری فضا کی تقویت کا باعث بنے گی (47)۔

کمیونسٹ پارٹی نے یو این او کو اینگلو امریکن ایجنسی قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس کو کشمیر سے بے دخل کیا جائے (48)۔ قومی اقلیتوں کے حق خود اختیاری کو تسلیم کرنے کے

موضوع پر اپنے گذشتہ نظریات کا اعادہ کرتے ہوئے (49) CPI نے واضح کیا کہ کشمیر کو انڈیا سے علیحدہ کرنے یا فرقہ پرستی کی کسی بھی تحریک کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ مزاحمتی تحریکوں کی بنا پر یہ خطہ شاہوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ جائے گا(50)۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد انڈیا کے بہت سے مسلمان سیاسی لیڈروں نے بھی کشمیر کے سوال پر انڈیا کے موقف کی واضح حمایت جاری رکھی جیسا کہ مارچ 1958 کے مسلمان ممبرانِ پارلیمان کے کنونشن میں ظاہر ہوا(51)۔اسی جذبہ کے تحت انڈین کابینہ کے ایک سابق ممبر عارف محمد خان نے 1990 میں برملا اظہار کیا:

> اگر کشمیر انڈیا سے علیحدہ ہوتا ہے تو کشمیریوں کی آنے والی نسلیں تک اس کے نتائج بھگتتی رہیں گی(52)۔

بہر حال یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ نہرو کے سبھی ساتھیوں نے کشمیر کے مسئلے کو سیکولرازم اور فرقہ واریت کا سبب قرار نہیں دیا۔مثلاً 1947 کے اندوہناک دور میں کانگریس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے ہندوؤں کی امید افزائی کے لیے تقسیمِ ہند کو عارضی قرار دیتے ہوئے کہا:

> کانگریس نے اور ہندوستانی قوم نے متحدہ ہندوستان کا دعویٰ ترک نہیں کیا ہے(53)۔

آزادی کے بعد ہندوستان کے پہلے وزیرِ داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے اور زیادہ وضاحت سے کہا:

> جلد یا بدیر ہم ہندوستانی اور پاکستانی اپنی مملکت کے مفاد میں دوبارہ متحد ہو جائیں گے(54)۔

درحقیقت پٹیل کشمیر کے مسئلے کو متحدہ ہندوستان کے نظریے سے ہی دیکھتے تھے۔پٹیل کا نکتہ نظر دراصل نہرو کے بلند تر نظریے کا اختصار تھا جو انڈیا کے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اختیار کیا گیا:

> انڈیا کے مسلمانوں اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم بھی اسی کشتی میں سوار ہو کر تیرو یا ڈوب جاؤ۔میں تم کو نہایت وضاحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم بیک وقت دو گھوڑوں پر سوار نہیں رہ سکتے۔تم اپنی پسند کا

ایک گھوڑا منتخب کرلو۔ جولوگ پاکستان جانا چاہتے ہوں وہ وہاں جائیں اور امن کے ساتھ رہنا شروع کر دیں۔ ہمیں یہاں امن کے ساتھ رہنے دیں تاکہ ہم اپنے ملک کے لیے کام کرسکیں۔

ایک دوسرے موقعے پر پٹیل نے کہا:

مسلمانوں کی ناراضگی گاندھی کے قتل کا سبب بنی۔ اگر ہم کشمیر کے سوال پر کمزور پڑ گئے تو کیا ہوگا' یا اگر استصواب رائے کا نتیجہ ہمارے خلاف نکلا اور دس لاکھ ہندو ہجرت پر مجبور ہو گئے؟ نہ صرف نہرو کا قتل بلکہ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے ساتھ آنکھ کے بدلے آنکھ (56)۔

اس قسم کے بیانات BJP کے موجودہ ہندوانہ تعصب کی بازگشت محسوس ہوتے ہیں۔ ولبھ بھائی پٹیل نے دوٹوک بیان دیتے ہوئے کہا تھا:

'کشمیر کی قیمت پر پاکستان سے امن نہیں خریدا جاسکتا' (57)

اور انھوں نے دھمکی دی کہ:

جو ہوگا دیکھا جائے گا اور وہ کشمیر سے کسی صورت دست بردار نہیں ہوں گے' اور یہ کہ وہ معاملے سے خوب اچھی طرح نمٹنا جانتے ہیں (58)۔

کشمیر کے انڈیا کے ساتھ میل کے بارے میں ایسے دوٹوک عزائم کی وجہ سے دفاعی اخراجات پر بھی بہت اثر پڑا۔ دونوں ممالک کے لیے یکساں اسٹراٹیجک اہمیت اور محل وقوع کے اعتبار سے اہم ہونے کے باوجود چین کی طرف سے حالیہ دھمکیوں کے بعد کشمیر پر انڈیا کا قبضہ زیادہ خطرات لیے ہوئے ہے۔ 26 اکتوبر 1947 کو چین کے ساتھ ایک ناقابلِ تصور تصادم کے بعد نہرو نے برطانوی وزیراعظم کو ایک تار بھیجا:

کشمیر کی شمالی سرحدیں افغانستان' روس اور چین کے ساتھ مشترک ہیں' کشمیر کی سلامتی کا دارومدار وہاں کے اندرونی سکون پر ہے اور ایک مستحکم حکومت انڈیا کی بقا کے لیے ناگزیر ہے خصوصاً جبکہ کشمیر اور انڈیا کی سرحدیں مشترک ہیں' اس تناظر میں کشمیر کی مدد کرنا خود انڈیا کے اپنے مفادات کے لیے ضروری ہے (59)۔

کشمیر کے ساتھ سلامتی کے بندھن کا بیان ایک ہندوستانی مبصر کی زبان سے سنیے:

> کشمیر ہمیں پاکستان کے شمال مغربی صوبے اور جنوبی پنجاب میں داخل ہونے کا سیدھا راستہ مہیا کرتا ہے۔ شمال میں روسی جمہوری ریاستوں' مشرق میں چین اور مغرب میں افغانستان کی طرف کھلنے والی یہ انڈیا کی واحد کھڑکی ہے۔ کوئٹہ' گومل اور کرم وادیاں' خیبر اور چترال جس میں سے آخری کشمیر میں واقع ہے' نسبتاً آسان رسائی کی حامل ہے اور نہایت کم بلندی پر واقع ہے (60)۔

پاکستان کے امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدہ نے انڈیا کے دروازے پر سیاسی سرد جنگ کا آغاز کیا' جس نے بعد میں کشمیر کی اسٹراٹیجک اہمیت کو انڈیا کے لیے مزید بڑھا دیا۔ 5 مارچ 1954 کو نہرو نے پاکستان کے وزیراعظم کو لکھا:

> پاکستان کی طرف سے امریکہ کی فوجی امداد قبول کرنے سے کشمیر کے قضیے اور ایشیا میں رونما ہونے والے واقعات میں ایک بالکل نیا موڑ آ گیا ہے (61)۔ پاکستان میں وادی سندھ اور چین کے صوبے سنکیانگ کے مابین 537 میل لمبی شاہراہِ قراقرم نے نئی دہلی کے لیے اندیشہ پیدا کر دیا ہے کہ جموں کشمیر کے مسئلے پر ذراسی کمزوری چین کے لیے ملک گیری کے جذبے کا باعث بن سکتی ہے۔ انڈیا کے لیے کشمیر بنیادی اہمیت رکھتا ہے جس کا سودا نہیں کیا جا سکتا (62)۔ ایم سی چھاگلہ نے اقوامِ متحدہ کی سیکورٹی کونسل کو بتا دیا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے...... کوئی ملک اس سے یہ تقاضہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے کسی ٹکڑے سے دست بردار ہو جائے (63)۔

3- کشمیر اور ہندوستان میں قومی شناخت کا مسئلہ:

3.1 نہرو کا دور:

درج بالا کوائف کی روشنی میں یہ بات انڈیا کے لیے قرین مصلحت تھی کہ وہ کشمیر کے

لیے ایک مستحکم قومی پالیسی اختیار کرتا۔ مہاراجہ کشمیر کے دورہ انڈیا کے موقعہ پر انہیں شیخ عبداللہ کو اختیارات تفویض کرنے کے لیے کہا گیا۔ نومبر 1952 کے انتخابات میں شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس کو جموں کشمیر قانون ساز اسمبلی میں بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر افسوس کہ یہ انتخابات ہی کشمیر کی موجودہ صورت حال کا باعث بھی بنے۔ اولاً تو اس لیے کہ ان انتخابات کے اوپر غیر شفاف ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ بیشتر ممبران اسمبلی بلا مقابلہ منتخب قرار دیے گئے، وجہ یہ نہیں تھی کہ مقابلے پر امیدواروں کی کمی تھی، بلکہ نیشنل کانفرنس کے مقابلے پر کھڑے ہونے والے بیشتر امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کیے گئے، اور حزبِ اختلاف کے بڑے گروپوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ اس نوع کی انتخابی دھاندلیوں کی وجہ سے جموں کشمیر کی فضا میں تلاطم پیدا ہوا اور مجموعی طور پر وہاں کی سیاسی فضا مکدر ہوتی گئی۔ دوئم یہ ہوا کہ شیخ عبداللہ کی وزارت مقامی سطح تک محدود ہو کر رہ گئی جس کے اندر پانچ میں سے چار وزیر وادی کشمیر کے مسلم آبادی والے علاقے سے تھے اور باقی ہندو اکثریتی آبادی والے علاقے جموں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ صورت فرقہ وارانہ کشیدگی کا باعث بنی۔ سوئم شیخ عبداللہ کا پروگرام نئی دنیا (نیا کشمیر)(64) جو بلاشک انتہائی قابلِ قبول تھا، جس کا بنیادی مقصد جاگیرداری نظام کے خاتمے پر مبنی تھا، فرقہ وارانہ سطح پر شدید اختلافات کا سبب بنا۔ زمین کے ضمن قوانین بنائے گئے، اضافی زمینیں بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی، مقامی افراد کے لیے قرضوں میں چھوٹ کا پروگرام متعارف کرایا گیا(65)۔ کشمیری حکومت کے ایک اندازے کے مطابق مارچ 1953 تک 188,775 ایکڑ زمین 153,399 آبادگاروں کو منتقل کی گئی(66)۔ شیخ عبداللہ کی طرف سے معاشیات کے بنیادی نوعیت کے منصوبے بھی قومیائے جانے کا عندیہ دیا گیا۔ سماجی معاشیاتی سطح پر بنیادی تبدیلیوں کے اس خواب نے قدامت پسندوں اور ہندوؤں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ کشمیر کے زیادہ تر زمیندار ہندو تھے جن کا علاقے سے کوئی تعلق نہیں تھا، شیخ عبداللہ کے لینڈ ریفارم منصوبہ کا مطلب تھا ان بڑے بڑے ہندو زمینداروں کی زمینیں وہاں کے مقامی چھوٹے مسلمان کاشتکاروں کو ملنا۔ اس کے علاوہ قومیائے جانے کی پالیسی کا نتیجہ تاجر طبقے کے مفادات کو متاثر کرتا تھا جو بڑے بااثر ہندوؤں پر مشتمل تھا۔ اس بنا پر کشمیر چیمبر آف کامرس نے 1953 میں شیخ عبداللہ کی خدمت میں ایک

ریفرنڈم پیش کیا جس میں ریاستی تجارت کو تباہی سے بچانے' تجارت میں صحتمند مقابلہ کا رجحان پیدا کرنے اور پرائیویٹ ٹرانسپورٹ پر سے عائد پابندیوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا تھا(67)۔شدید مزاحمت کے اس دور میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا(68)۔

مذہبی انتہاپسند تنظیموں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ڈوگراراج کی مخالف نیشنل کانفرس کے خلاف تحریک شروع کردی(69)۔ابتداً پرجاپریشد کے پلیٹ فارم سے اور بعدہٗ ہمارے پرانے ساتھی جن سنگھی اور ہندومہا سبھائیوں نے اس احتجاج کا رخ کشمیر کے انڈیا کے ساتھ مکمل اتحاد و اشتراک کے مطالبے کے ساتھ جوڑ دیا تاکہ جموں کے عوام (یعنی ہندوؤں) کے سیاسی حقوق کا تحفظ حاصل کیا جاسکے (70)۔اس موقعہ پر جونعرہ دیا گیا وہ تھا:ایک وزیراعظم' ایک جھنڈا اور ایک آئین (71)۔1952 کے وسط تک ہندوؤں کی اس تحریک نے پُرتشدد راستہ اختیار کرلیا۔جموں میں ہندوؤں کی ان کارروائیوں کی بنیاد پر لداخ میں بدھوں کو بھی خوداختیاری کا مطالبہ کرنے کے لیے تقویت حاصل ہوئی۔جلتی ہوئی اس آگ میں تیل اس وقت ڈالا گیا جب جن سنگھی لیڈر شام پرشاد مکرجی نے حکومت کی لگائی ہوئی پابندی توڑتے ہوئے کشمیر میں داخل ہوکر اس تحریک کو ہوا دی۔اس پر شام پرشاد مکرجی کو گرفتار کرلیا گیا جو حکومت کی تحویل میں ہی وفات پا گیا۔اس بنا پر پورے ہندوستان میں انتہاپسندوں کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا اور شیخ عبداللہ کو بڑے پیمانے پر شام پرشاد کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

ہندوؤں کے اس طرزِعمل نے کشمیر کے مسلمانوں کو بھی حواس باختہ کردیا جو ہندوؤں کے لامحدود اختیارات کے باعث پہلے ہی خوفزدہ تھے۔اس موقعہ پر جوالاکھی بنے شیخ عبداللہ نے کہا:

> پرجاپریشد کے احتجاج نے کئی سال تک مسلمانوں کو انڈیا کی ہمنوائی کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں پر عملاً پانی پھیر دیا(72)۔

نیشنل کانفرنس کی ایک ریلی سے خطاب میں شیخ عبداللہ نے دلی تاسف کا اظہار کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا:

> ہندوستان کے ساتھ الحاق کے لیے یہاں کے لوگوں میں نیشنل کانفرنس نے جو اعتماد بحال کیا تھا اسے جن سنگھیوں اور ہندوستان کی دوسری

فرقہ پرست جماعتوں نے سبوتاژ کر دیا(73)۔

نتیجتاً شیخ عبداللہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق سے بالکل مایوس ہو گئے اور کشمیر کو ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے دیکھنے لگے (74)۔ ہندوستان کے حکمرانوں نے اس معاملے میں ان پر امریکہ کے ساتھ خفیہ مذاکرات کا الزام بھی لگایا(75)۔ شیخ عبداللہ کے آزادی کے بڑھتے ہوئے مطالبے اور ہندوؤں کی تحریک کے دباؤ میں نہرو نے اپنے پرانے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے مسئلے کا اطمینان بخش حل صرف شیخ عبداللہ کے ذریعے ہی ممکن ہے (76)۔ نہرو نے محسوس کیا کہ ان کے پاس جموں اور کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ مکمل الحاق کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔ بی این ملک جو اس دور میں نہرو کے ساتھ ایک عرصے تک کام کرتے رہے' کہتے ہیں:

> شیخ عبداللہ اور ہندوستان کے مابین تعلقات کے خاتمے کا سبب پرجا پریشد کا احتجاج تھا(77)۔

خوش قسمتی سے نہرو کی کشمیر کے معاملات میں دخل اندازی کو خود نیشنل کانفرنس کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے بہت سی آسانیاں بھی دستیاب ہوئیں۔ بخشی غلام محمد کی کابینہ کے تین ممبروں نے شیخ عبداللہ پر کشمیری عوام کا اعتماد کھودینے کا الزام لگایا(78)۔ لیکن شیخ عبداللہ نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اگست 1953 میں ان کی حکومت کو معزول کر کے انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد کشمیر کے انڈیا کے ساتھ مکمل الحاق کے زبردست داعی بخشی غلام محمد کو حکومت سونپی گئی (79)۔ یہ سب اقدامات یقیناً نہرو کی پیشگی رضامندی کے بغیر ہونا ممکن نہیں تھے۔ بہر حال ان کی وجہ سے قدامت پسند کشمیریوں کی کانگریس سے علیحدگی ہو گئی جو ہمیشہ سے شیخ عبداللہ کے بارے میں تشویش میں مبتلا رہتے تھے (80)۔

اس کے بعد جموں و کشمیر میں ہندوستانی مداخلت کی کہانی سست روی کے ساتھ چلتی رہی 1954 میں ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعے کشمیر کی مجلسِ قانون ساز کے اختیارات محدود کر دیے گئے۔ اسی سال اپریل میں صدر جمہوریہ ہند مسٹر راجندر پرشاد نے اپنے دورۂ کشمیر کے موقعے پر اعلان کیا:

> تاریخ اور باہمی تعلقات نے کشمیر اور انڈیا کے رشتے اتنے مضبوط کر

دیے ہیں کہ ان تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوئی کوشش برداشت
نہیں کی جائے گی (81)۔

1956 کی ابتدا میں جموں وکشمیر کی مجلسِ قانون ساز نے انڈیا کے ساتھ مکمل الحاق کی منظوری دے دی۔ 29 مارچ کو نہرو نے استصواب رائے (82) کے اپنے نکتۂ نظر سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور سابقہ نظریے سے اپنی بے تعلقی کے بعد بیان دیا کہ کشمیر کے بارے میں حقائق کو جوں کا توں تسلیم کرنا ہوگا (83)۔ 3 مئی 1962 کو کرشنا مینن نے سلامتی کونسل میں انڈیا کی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

......ہم ہندوستان کے کسی بھی حصے میں ایسی کوئی کارروائی کرنے کو تیار
نہیں ہیں جو ہمارے ملک کی سلامتی کے لیے خطرناک ہو ہماری معاشی
زبوں حالی کا باعث بنے یا جنوب مشرقی ایشیا میں بدامنی پیدا کرے۔
ہمارے آئین میں علیحدگی پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے (84)۔

1963 میں ریاست کے صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں کو ہندوستانی آئین کی روشنی میں گورنر اور وزیرِ اعلیٰ کے نام دے دیے گئے۔ اس بنیادی اقدام کے بعد اہم ریاستی ایجنسیوں مثلاً آڈٹ، کسٹم، مالیات، سپریم کورٹ اور الیکشن کمیشن کے دائرہ کار بھی جموں اور کشمیر تک دراز کر دیے گئے۔ 27 نومبر 1963 کو نہرو نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ جموں اور کشمیر کی خصوصی حالت کو بتدریج معمول کے مطابق ڈھال دیا جائے گا (85)۔ دسمبر 1964 میں انڈیا کے آئین کی دفعہ 356 اور 357 کے مطابق علاقائی حدود کو بڑھا دیا گیا تاکہ کشمیر میں پارلیمنٹ، صدارتی راج اور قانون سازی کے لیے مرکزی حکومت کو اختیارات حاصل ہو سکیں (86)۔ اس طرح ریاستِ ہند کے اختیارات جموں اور کشمیر پر مکمل چسپاں کر دیے گئے۔ اس عمل کے ذریعے بخشی غلام محمد کی حکومت کو حالات پر قابو پانے کے لیے قابلِ قدر تحفظ حاصل ہوا (88)۔ بظاہر حالات تسلی بخش تھے لیکن اصل میں یہ سب کچھ مصنوعی تھا۔ کشمیریت کی توہین ہوئی تھی اور اگست 1953 میں شیخ عبداللہ کی وزارت کی معزولی وہ موڑ ثابت ہوئی جہاں سے کشمیری مسلمانوں کی قدیم آبادی اور ہندوستانی حکومت کے مابین کھلی مخاصمت کا آغاز ہوا (89)۔ شیخ عبداللہ نے کیا خوب کہا کہ:

1953 سے محسوس کر رہا ہوں کہ انڈین لیڈروں کو کشمیری عوام پر بھروسہ نہیں رہا(90)۔

تازہ تحقیقات کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ اپنی زندگی کے اختتام تک نہرو کو کشمیر کے معاملات میں اپنی مداخلت کے نقصانات کا احساس ہو چکا تھا جس نے صوبے کے مسلمانوں کو متحد کر دیا تھا(91)۔ یہاں تک کہ خود شیخ عبداللہ نے نہرو کی یہ تبدیلی محسوس کر لی تھی:

میں نے ان کو مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان پایا۔ وہ جان گئے تھے کہ مسائل میں اور انہیں حل کرنے کی ان کی صلاحیت میں بہت زیادہ فاصلہ تھا(92)۔

پنڈت نہرو کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ انڈیا' پاکستان اور ملحقہ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر مشتمل ایک کنفیڈریشن کے نظریے پر یقین کرنے لگے تھے' نہرو کے مطابق:

اب کنفیڈریشن ہی ہمارا واحد ہدف ہے۔ یورپ کی مشترکہ منڈی کی طرف دیکھیے...... ہر جگہ اسی کے تقاضے ہیں۔ انڈیا اور پاکستان سے زیادہ کہیں بھی دو افراد ایک دوسرے سے اتنے نزدیک نہیں' لیکن وہ (پاکستانی) سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو کھا جائیں گے(93)۔

8 اپریل 1964 کو جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ کو جیل سے رہا کر دیا اور ان کو پاکستان کے صدر محمد ایوب خان سے کنفیڈریشن کی تجویز کے ساتھ ملاقات کے لیے کہا۔ لیکن پاکستانی صدر نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اول تو غالباً اس لیے کہ وہ اس میں نہرو کی کوئی چال سمجھتے تھے' لیکن زیادہ تر وہ شاید اس کو بنگالیوں کے لیے خود اختیاری کی تحریک کا باعث سمجھتے تھے(94)۔ البتہ جواہر لال نہرو نے اس کے بعد صدر ایوب کو ایک ذاتی ملاقات کی تجویز بھی دی لیکن افسوس کہ 27 مئی 1964 کو ان کا آخری وقت آ پہنچا اور کشمیر کے مسئلے پر ہندو پاک کے مابین بات چیت جاری رہنے کی امید ختم ہو گئی۔

3.2 نہرو کے بعد جموں کشمیر کے موضوع پر گرمجوشی:

کشمیری مسلمانوں کے ہندوستان سے اختلافات بہر حال فیصلہ کن نہیں ہو سکتے تھے

جس کا اظہار انڈو پاک جنگ 1965 کے دوران بخوبی کیا گیا۔ دسمبر 1963 میں درگاہ حضرت بل کی مسجد سے تبرکات کی چوری کے موقعہ پر مسلمانوں کے غم وغصہ کو پاکستان کے حکمرانوں نے چالیس لاکھ کشمیریوں کی مسلح جدوجہدِ آزادی سے تعبیر کیا (95)۔ 1962 میں چین کے ہاتھوں انڈین فوج کی ہزیمت اور دو سال بعد نہرو کی موت سے پاکستان کے حکمرانوں نے انڈیا کے کشمیر پلان کو ناکام بنانے کے لیے بہترین وقت سمجھا اور 1965 کے موسمِ بہار میں آپریشن جبرالٹر کی داغ بیل ڈالی اور کشمیر میں جدوجہدِ آزادی کی لو تیز کرنے کے لیے وہاں مجاہدین اور کمانڈوز بھیجے اور وہاں جدوجہدِ آزادی میں مدد کرنے کے بہانے سے پاک فوج کی مداخلت کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی (96)۔ مگر آپریشن جبرالٹر قطعی ناکام ثابت ہوا کیونکہ مقامی آبادی نے انڈین آرمی کے ساتھ مل کر پاکستانی مجاہدین کا مقابلہ کیا۔ یہ عام حقیقت سب کے علم میں ہے کہ کس طرح یہ جنگ وسعت اختیار کرتی گئی اور پاکستانی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئی حتیٰ کہ سوویت یونین کی مداخلت پر ستمبر 1965 میں جنگ بندی ہوگئی۔

بدقسمتی سے ہندوستان کشمیریوں کی وفاداری کا بدلہ چکانے میں ناکام رہا۔ قدیم ترین جذبۂ کشمیریت کو تسلیم کرنے کے بجائے...... نئی دہلی کی حکومت پاکستان سے جیت کی خوشی میں پھول گئی اور اپنے اصل ہدف یعنی کشمیر کے انڈیا کے ساتھ الحاق' کو فراموش کر بیٹھی۔ اس کیفیت کی تصدیق 31 مارچ 1966 میں وزیراعظم اندرا گاندھی نے نیویارک میں کی:

> پچھلے موسمِ خزاں میں کشمیر پر پاکستان کے دوسرے حملے نے اقوام متحدہ کی استصواب رائے کی قرارداد پر رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ لداخ پر چینی حملے کی صورت میں کشمیر انڈیا کے لیے ناگزیر ہے۔ آج کسی بھی قسم کے استصواب رائے کا مطلب انڈیا کی سلامتی کو خطرہ کے سوا کچھ اور نہیں ہے (97)۔

اس کے بعد سے نئی دہلی کو کشمیر میں ایک کٹھ پتلی حکومت کے قیام کے علاوہ کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اور وہاں کی غالب مقامی آبادی کے بنیادی عقائد و معاشرت کو ناپسندیدہ طریقے سے یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ شیخ عبداللہ کو انڈیا کی مخالفت کے الزام میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور کشمیر کے عوام پر تحریر و تقریر' اجتماع' جلسے جلوس اور دیگر بنیادی حقوق جو

انڈیا کے دیگر علاقوں میں عوام کو حاصل تھے، پر پابندی عائد کردی گئی۔ بلا جواز گرفتاری سے بھی عوام کا استحقاق چھین لیا گیا(98)۔ شیخ عبداللہ کے الفاظ میں:

......ہندوستان کا سیاسی عمل پٹھان کوٹ پر کسی جگہ رک گیا ہے۔ پٹھان کوٹ اور درۂ بانہال کے آس پاس کہیں آپ سیاسی حقوق کا سایہ سا ضرور دیکھ سکتے ہیں مگر بانہال کے بعد آپ کو کہیں اس کی ایک جھلک بھی دکھائی نہیں دے گی(99)۔

1971 میں نئی دہلی نے کشمیر کے خلاف ایک اور سنگِ میل پار کیا۔ پاکستان کے خلاف لگاتار تیسری فتح، بنگلہ دیش کی پاکستان سے علیحدگی، اور شملہ معاہدہ کے لیے بھٹو کا ہندوستان آنا، ان سب نے جنوبی ایشیا کی علاقائی سیاست میں ہندوستان کا قد مزید بلند کر دیا۔ ان حالات کے تناظر میں اندرا گاندھی نے بے حد کھردرے لہجے میں اظہار کیا کہ کشمیری ہندوستان کے شہری ہیں اور ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو یہاں کے عوام کو حاصل ہیں(100)۔ شیخ عبداللہ کے نام ایک خط میں انہوں نے کھل کر اظہار کیا:

......وقت کو لوٹایا نہیں جا سکتا، ہمیں حالات کے تقاضوں کو سمجھنا چاہئے(101)۔

شیخ عبداللہ چونکہ حقیقت پسند تھے اس لیے انہوں نے بدلے ہوئے حالات کو تسلیم کرتے ہوئے فروری 1975 میں حکومتِ ہند کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کر دیے۔ اس معاہدہ کی رو سے جموں اور کشمیر کو ہندوستان کا قانونی حصہ تسلیم کرلیا گیا اور قرار پایا کہ یہاں کسی قسم کی تبدیلی کی تجویز صدر جمہوریہ ہند کی رضامندی کے بغیر قابلِ اطلاق نہیں ہوسکتی۔ 1975 کے اس معاہدے کی رو سے کشمیر میں کانگریس کے وزیر اعلیٰ کو شیخ عبداللہ کے حق میں دست بردار ہونا پڑا۔ شیخ عبداللہ کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد 1977 کے مجلسِ قانون ساز کے انتخابات میں ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کو ریاست کا پہلا صاف شفاف الیکشن قرار دیا گیا۔ ستمبر 1982 میں شیخ عبداللہ کی وفات تک سری نگر اور دہلی کے مابین بہترین خیر سگالی کی فضا برقرار رہی، نئی سیاسی روح کا مظاہرہ شیخ عبداللہ کی تدفین کے وقت دیکھنے میں آیا جب ان کو ہندوستانی پرچم میں لپیٹ کر دفن کیا جارہا تھا اور سوگواروں کے لبوں پر نعرہ تھا:

شیرِ کشمیر کا کیا ارشاد؟ ہندو، مسلم، سکھ اتحاد (102)۔

ہندوستان کے ایک ممتاز صحافی ایم ۔ جے اکبر نے اس وقت کی صورت حال پر لکھا:

> شیخ عبداللہ ایک ہندوستانی کی موت مرے، ان کی وفات کے موقعے پر حکومتِ پاکستان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا (103)۔

اُس وقت جموں اور کشمیر کی پر امن فضا دراصل ایک بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ شیخ عبداللہ کے صاحبزادے فاروق کو اندرا گاندھی کی توثیق سے نیشنل کانفرنس کا قائد اور عبوری وزیر اعظم نامزد کیا گیا مگر چند ساعات میں ہی فاروق کو احساس ہو گیا کہ وہ اپنے والد کی کرشمہ ساز شخصیت کے ہر پہلو سے محروم ہے جس نے انہیں کشمیریت اور ہندوستانی مفادات کے بیچ میں لٹکا دیا ہے۔ ان کو احساس ہو گیا کہ اگر وہ کشمیری سیاست میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ دونوں انتہائی تضادات ہر حال میں برداشت کرنے پڑیں گے (104)۔ قدرتی طور پر فاروق عبداللہ میں ہندوستان مخالف نظریات پروان چڑھتے گئے اور جب 1983 میں جموں اور کشمیر کی مجلسِ قانون ساز کے انتخابات کا موقعہ آیا تو اندرا گاندھی کی کانگریس پارٹی اور نیشنل کانفرنس ایک دوسرے کے مدِ مقابل کھڑی تھیں۔ ریاض پنجابی نے معروف کشمیری ردِ عمل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> فاروق عبداللہ نے ہندوستان کی موثر طاقت کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا جس نے 1953 میں نیشنل کانفرنس کی حکومت ختم کر کے ایک غیر منتخب ٹولہ نامزد کر دیا تھا، فاروق عبداللہ کے اس طرزِ عمل پر کشمیریوں کا ضمیر مطمئن تھا (105)۔

حالات اس وقت اور بھی پیچیدہ ہو گئے جب اندرا گاندھی نے ہندو کارڈ استعمال کرتے ہوئے فاروق عبداللہ کو گرفتار کر لیا (106)۔ کانگریس (آئی) اس وقت وہی کھیل کھیل رہی تھی جو پرجا پریشد نے 1950 میں شروع کیا تھا۔ اب اندرا کا نعرہ تھا کہ کشمیر میں ہندو اقلیتیں خطرے سے دوچار ہیں...... اور بدقسمتی سے ایک ایسے مقام پر پہنچ گئیں جب انہیں ہندوستان کے دستور میں فرقہ وارانہ اور نسلی معاملات کے بارے میں شامل لفظ سیکولرزم استعمال کرنا پڑا اور جس کی افادیت کا احساس شیخ عبداللہ کے پہلے دورِ حکومت میں بھرپور

طریقے سے دیکھنے میں آ چکا تھا۔ آج ہم کشمیر میں انتہا پر پہنچی ہوئی ہندو مسلم سیاسی کشاکش دیکھتے ہیں یہ 1983 کے انتخابات کے دوران اختیار کی گئی پالیسی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس دوران کشمیر کے مسئلے کی بازگشت برصغیر سے باہر بالخصوص لندن میں سنی گئی۔ 3 فروری 1983 کو ایک ہندوستانی مبصر ایم ایچ مہاترے کو کشمیر لبریشن آرمی نے اغوا کر لیا۔ مہاترے کی آزادی کو ایک کشمیری انتہا پسند مقبول بٹ کی رہائی کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ مقبول بٹ دہشت گردی کے الزام میں ہندوستان کی جیل میں بند تھا۔ مگر قبل اس کے کہ اس سلسلے میں کوئی معاہدہ طے پاتا' مہاترے برمنگھم میں مردہ پایا گیا۔ 3 فروری 1984 کو مقبول بٹ کو پھانسی دے دی گئی۔

توقعات کے عین مطابق 1983 کے انتخابات میں فاروق عبداللہ واضح طور پر کامیاب ہوئے۔ اسمبلی کی 76 سیٹوں میں سے 47 سیٹیں نیشنل کانفرنس کو حاصل ہوئیں۔ مگر نیشنل کانفرنس کی حاصل شدہ 42 سیٹیں مسلمان آبادی والے حصے سے تعلق رکھتی تھیں اور کانگریس کی حاصل شدہ 13 سیٹیں ہندو آبادی والے جموں کے علاقے سے تعلق رکھتی تھیں جس سے طبقاتی بالادستی کی واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ مگر حکومت ہند نے اکثریتی فیصلے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے فاروق عبداللہ کو نیشنل سیکورٹی رسک قرار دے دیا۔ فاروق کی طرف سے ہجرت کر جانے والے کشمیریوں کی دوبارہ جموں اور کشمیر میں بحالی کے مطالبے کو ملک دشمنی پر محمول کیا گیا مگر ہندوستان کی خفیہ ایجنسیوں کے طرف سے محتاط تصدیق کے بعد انفرادی درخواستوں پر غور کر کے البتہ بحالی کا فیصلہ کیا گیا۔ مگر اندرا گاندھی نے پھر بھی اس عمل کو جموں کشمیر میں مسلم آبادی کا دباؤ بڑھانے کی کوشش پر محمول کیا(107)۔ بلراج پوری کا تبصرہ:

> کانگریس (آئی) نے مسئلہ کشمیر کو جموں بمقابلہ کشمیر اور کشمیر بمقابلہ انڈیا کی صورت میں ڈھال دینا پسند کیا ہے(108)۔

دوسری طرف فاروق نے خود کو اندرا گاندھی کی کانگریس کے مقابلے میں مستحکم ہوتی ہوئی حزب اختلاف کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ فاروق کی نئی سیاسی وابستگی اندرا کی پورے ملک کے لیے یکساں پالیسی پر منطبق ہوتی تھی' جس کے تحت حزبِ اختلاف کی تمام صوبائی پارٹیاں کانگریس کے بلڈوزروں کے آگے ایک ہی سلوک کی مستحق تھیں(109)۔ حسب توقع ہندوستان کی مرکزی حکومت نے کشمیر میں گورنر جگ موہن کے آفس کو فاروق عبداللہ کے کیمپ

میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اور جولائی 1984 میں قومی محاذ کی وزارت کو برطرف کرنے کے لیے استعمال کیا(110)۔ شیخ عبداللہ کے سب سے بڑے فرزند جی ایم شاہ نے کانگریس اور انڈین پیراملٹری فورسز کی مدد سے جموں اور کشمیر میں نئی حکومت بنائی۔ فاروق نے الزام لگایا ہے کہ غداری کا یہ سارا معاملہ خود اندرا گاندھی نے تیار کیا اور کشمیر کے گورنر جگ موہن کی مدد سے اس پر عمل درآمد کیا گیا(111)۔

جی ایم شاہ کا دور بلا مبالغہ جموں کشمیر کا انتہائی ناپسندیدہ دور کہا جاتا ہے(112)۔ انڈین گورنمنٹ پر کشمیریوں کی بداعتمادی کا مظاہرہ دسمبر 1984 کے دوران بھی ہوا جب نیشنل کانفرنس نے پارلیمانی انتخابات میں وادی کے تینوں حلقوں سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد البتہ نئی دہلی میں کشمیری مسلمانوں کے اتحاد نے نیا سیاسی اطمینان حاصل کیا۔ کشمیریت اور ہندوستانی ریاست کے مابین جاری ایک واضح بُعد مکمل ہو گیا اور لگتا تھا کہ معاملہ اتنا سنجیدہ روپ دھار چکا ہے کہ اب پرانا ماحول کبھی بحال نہیں ہو سکے گا۔ نئی دہلی کے حکمرانوں کے غیر روایتی انتخابی عمل نے کشمیری مسلمانوں کو انتہا پسندی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

3.3 کشمیر کے مسئلے میں معاشیات کا عمل دخل:

اوپر بیان کردہ کشمیریت کی بنیاد پر قائم ہونے والے سیاسی اتحاد کو معاشی بنیادوں پر بھی حسب حال تقویت حاصل ہوئی۔ جموں اور کشمیر میں مذہبی اور معاشی معاملات ایک دوسرے سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ خلط ملط ہیں اس کے باوجود کہ ہندوؤں کی ایک نمایاں اقلیت نمایاں طور پر زمینداری، تجارت اور بیوروکریسی کے ساتھ منسلک ہے(113)۔ دوسری جانب مسلم اکثریتی آبادی کے لوگ چرواہے ہیں جنہیں گوجر یا بکروال کہا جاتا ہے۔ یا پھر کشتی ران ہیں جو ہانجی کہلاتے ہیں(114)۔ 1981 میں جموں اور کشمیر کے ہندو اکثریتی علاقوں میں خواندگی کا تناسب 42% ریکارڈ کیا گیا، جبکہ مسلم علاقوں میں یہ تناسب محض 22% تھا(115)۔ جارج فرنانڈس 1990 میں وی پی سنگھ کی حکومت میں امورِ کشمیر کے نگراں تھے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ کشمیری پنڈت وادی کی کل آبادی کا 3% تھے لیکن تمام پیشہ ورانہ عہدوں پر 80% کے تناسب سے قابض تھے(116)۔ حیرت انگیز دلچسپی کی بات یہ بھی ہے

کہ جنوری 1990 سے صدارتی راج کے آٹھ سالوں کے دوران مرکزی حکومت کے گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ افسروں کا تناسب 83.66 اور 79.27 تک بڑھ چکا تھا۔ دسمبر 1990 تک گورنر کے مشیر' چیف سیکریٹری' ڈائریکٹر جنرل پولیس اور گیارہ میں سے دس ایڈیشنل سکریٹری جیسے اہم عہدوں پر غیر کشمیری مسلمان متعین تھے (117)۔ ایک اندازے کے مطابق بینکنگ' انشورنس اور ٹیلی کمیونیکیشن کے شعبوں میں 90% ہندو اقلیتوں سے تعلق رکھتے تھے (118)۔ نورانی کے الفاظ میں:

......کشمیری مسلمان اپنے گھروں تک میں خود کو اچھوت سمجھنے لگے تھے (119)۔

سرکاری ملازمتوں میں جو چند مسلمان تھے ان کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا جاتا اور ان کی برسرِ عام توہین کی جاتی تھی۔ بطور مثال دیکھئے:

جب 1990 کے فسادات عروج پر تھے' ریاست میں ہر وقت طویل کرفیو اور فوجی کارروائیاں جاری رہتی تھیں' مسلمان ملازمین کو ان کی تنخواہیں نہیں دی گئیں جبکہ گورنر نے ذاتی دلچسپی لیکر وہ انتظامات کیے کہ جموں میں متعین ہندو ملازموں کو فوری تنخوائیں پہنچائی گئیں (120)۔

ایسے حالات میں کشمیری مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ انڈیا کے ساتھ ان کی وابستگی کی بنا پر ان کی مخصوص حیثیت نے ان کے لیے معاشی حالات سدھارنے کے بجائے ان سے روزگار کے معمولی وسائل بھی چھین لیے ہیں (121)۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نئی نسل بطورِ خاص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ قدرتی دولت سے مالا مال کشمیر تسلسل کے ساتھ تجارتی طور پر تباہ حال ہو رہا ہے (122)۔ متوسط طبقے کا ایک قدیم کشمیری باشندہ کشمیر کی تجارت کو آزاد سرمایہ کاری کے میدان کے بجائے صنعتکاروں کے ایک مخصوص قبضہ گروپ کے نرغے میں سمجھتا ہے (123)۔ جموں اور کشمیر میں کوئی بڑی صنعت نہیں (124)' اور معیشت کا سارا دارومدار زراعت پر ہے (125)۔ قابلِ قدر ہائیڈرو الیکٹرک امکانات کی موجودگی کے باوجود سردیوں کے موسم میں بالخصوص پورا صوبہ بجلی کی شدید کمی کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ ایک بار کسٹم کی پابندیوں کے خاتمے کے بعد آزا

تجارت کو فروغ دیا گیا اور اس کے فوراً بعد 1953 میں شیخ عبداللہ کی حکومت برطرف کر دی گئی (126)۔ کشمیر کی تمام اندرونی تجارت پورے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی جس میں کشمیر کی خام اشیاء اور تیار شدہ ابتدائی سامان کے بدلے انڈیا سے تیار شدہ مال لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کشمیر میں ریلوے کی ضروریات (127) اور تعمیراتی لکڑی کے حصول کے لیے بڑے پیمانے پر جنگلوں کی کٹائی کا عمل بھی جاری تھا۔ ماحولیات کے لیے بیحد نقصان دہ اس صورت حال کو ذیل کے جملے سے واضح کیا جا سکتا ہے:

> بڑے پیمانے پر ماحولیاتی اثرات سے قطعِ نظر نہایت قیمتی اثاثہ کوڑیوں کے دام بیچ کر نہ صرف کوئی قابلِ لحاظ مالی فائدہ حاصل نہیں کیا گیا بلکہ ریاست کے مستقبل میں خود انحصاری کے ذرائع کو بھی ضائع کر دیا گیا (128)۔

یہاں تک کہ شیخ عبداللہ کی معاشی اصلاحات بھی کچھ زیادہ موثر ثابت نہیں ہو سکیں۔ غیر مقامی زمینداری نظام کے خاتمے کے باوجود ایسے انتظامات نہیں کیے گئے کہ چھوٹے کاشتکار اپنی نئی حاصل شدہ زمین سے محروم نہ ہو سکیں۔ اس کے بجائے پرانے زمینداروں نے اپنے سیاسی ہتھکنڈوں کے ذریعے وہی زمینیں دوبارہ ہتھیا کر سرکاری سبسڈی کے ذریعے ان کو باغوں کی شکل دے دی (129)۔ شیخ عبداللہ کی قائم کی گئی صارفین کی تنظیمیں بدعنوانیوں کے مرکزوں میں تبدیل ہو گئیں (130)۔ نیشنل کانفرنس کے ایک ممبر پارلیمنٹ نے تسلیم کیا ہے:

> مشکل یہ ہوئی کہ ہم تمام محاذوں پر لڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

جموں اور کشمیر کی موجودہ معاشی مشکلات کو کافی حد تک نئی دہلی کی ناقابلِ فہم اور متضاد پالیسیوں کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حکومتِ ہند نے کشمیر میں واضح طور پر مصلحت پر مبنی معاشی پالیسیاں اختیار کی ہوئی ہیں۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبے تک کشمیر پلان کے %97 اخراجات مرکزی حکومت نے ادا کیے مگر اس عمل میں کشمیر نئی دہلی کے دائمی مالیاتی شکنجے میں جکڑا جا چکا تھا۔ صوابدیدی اختیارات کے تحت کسی منصوبہ بندی کے بغیر مرکز کا یہ تعاون %70 قرضوں اور %30 امداد تک جا پہنچا جبکہ دوسرے پہاڑی صوبوں کے لیے یہ امداد %10 اور %90 فیصد تھی (132)۔ جموں اور کشمیر نے جتنی زیادہ مرکزی امداد حاصل کی اتنا

ہی زیادہ وہ مالیاتی عدم استحکام میں مبتلا ہوتے گئے۔ایک غیر متوازن مالیاتی انتظام نے جموں اور کشمیر کی معیشت اور ادائیگیوں کے توازن کو بڑا دھچکا پہنچایا۔اس صورتحال نے جموں اور کشمیر کے پاس خسارے کے بجٹ کے سوا اور کوئی راستہ نہیں چھوڑا[133]۔1989 میں جموں کشمیر کے پاس کوئی ترقیاتی فنڈ نہیں تھے اور 1.0 بلین روپے کے اضافی خسارے کا مزید بوجھ بڑھ چکا تھا[134]۔1991 میں بجٹ خسارے کا 80% فیصد سے زیادہ حصہ مرکز کے قرضوں کے منافع کی مد میں کاٹ لیا گیا[135]۔

بدقسمتی سے حکومتِ ہند کشمیر کو معاشی زبوں حالی سے ہنگامی طور پر نکالنے میں غیر معمولی سست روی کا مظاہرہ کررہی تھی۔اس کے لیے درحقیقت نئی دہلی نے منفی طریقے اختیار کیے جیسا کہ 1981 کے ڈھل رتی منصوبہ میں سے ڈھائی سو کروڑ روپے کی کٹوتی جس کے نتیجے میں وزیراعلیٰ شیخ عبداللہ کے ساتھ اس منصوبے سے حاصل ہونے والی توانائی کے معاملے میں شدید اختلافات پیدا ہوئے[136]۔اس کے علاوہ تکمیل شدہ منصوبوں سے بھی کشمیر کو معتد بہ افادہ حاصل نہیں ہوسکا۔اس سلسلے میں سلال بند کا منصوبہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ناقص منصوبہ بندی اور غیر معیاری لائنوں کی وجہ سے سلال سے سری نگر تک اس ڈیم سے مطلوبہ میگا واٹ بجلی نہیں بھیجی جاسکی لیکن اسی جگہ سے حساس گرڈ سسٹم کی وساطت سے نئی دہلی تک یہ کام بخوبی کیا گیا۔اس طرزِ عمل سے کشمیریوں کے ذہن میں یہ بات آنا ناگزیر تھا کہ ناقص منصوبہ بندی اور لاپرواہی کے ذریعے دانستہ ان کی مشکلات میں اضافہ کیا جارہا ہے[137]۔یہی تمام اسباب کشمیر کی بڑھتی ہوئی نوجوان نسل[138] کے ذہنوں میں علیحدگی پسندی کے رجحانات راسخ کرتے گئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ ہندوؤں کے معاشرے میں واحد مسلمان اکثریتی علاقے کشمیر میں کبھی ان کو جائز مقام نہیں مل سکے گا[139]۔ہندوستان کے ایک ممتاز صحافی راجندر سرن کے الفاظ میں:

> وادی میں جارحیت کے رجحانات ہماری ترقیاتی حکمتِ عملی اور تعلیمی کارکردگی وغیرہ میں ناکامی کا واضح ثبوت ہیں[140]۔

یہ تاثر بہر حال درست نہیں ہوگا کہ 1947 کے بعد کی ترقی سے کوئی کشمیری فیضیاب نہیں ہوا۔تازہ ترین تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ سیاست دان + بیوروکریٹ + کاروباری

طبقے نے مذہبی وابستگی سے قطعِ نظر عوامی فلاح و بہبود کے لیے مختص فنڈ میں خرد برد کر کے مضبوط مالی پوزیشن حاصل کی ہے۔ایک سروے کے مطابق 1974 تک جموں اور کشمیر کے 3000 خاندانوں نے البتہ چرس کے زیرِ زمین کاروبار سے حیرت انگیز خوشحالی حاصل کی ہے (141)۔ مگر وادی کی مسلمان آبادی کی اکثریت وسیع تناظر میں معاشی ترقی کے ثمرات سے محروم رہی۔ 1989 میں ریاست کی ایک تہائی آبادی بے روزگاری سے دوچار تھی۔تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی شرح 87-1986 میں ایک لاکھ تھی جو 1991 میں تین لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی (142)۔ اسکولوں' ہسپتالوں کی عمارتیں' پل اور سڑکیں بہت مخدوش حالت میں تھیں' وادی کا بہت بڑا حصہ راتوں کو بجلی کی روشنی سے محروم رہتا تھا (143)۔کشمیریوں کا یہ طبقہ موجودہ حالات کا پس پردہ اصل محرک ہے۔شیخ عبداللہ کو شاید اس بات کا پیشگی ادراک تھا جب انہوں نے شدید ذہنی دباؤ کے تحت حیرت کا اظہار کیا تھا:

> میں نے اپنے لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ آپ لوگوں کا مستقبل محفوظ ہے' مگر تعلیم یافتہ بے روزگار اب پاکستان کی طرف دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھی ہندوؤں کے لیے یہاں ہر قسم کے روزگار کے دروازے کھلے ہوئے ہیں' اور مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے دور کر دیا گیا ہے۔ جب میں ان مشکلات کا ذکر کرتا ہوں تو مجھے فرقہ واریت کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے (144)

کچھ ہندوستانی مبصروں کا یہ کہنا ہے کہ موزوں ملازمتوں کی کشاکش کشمیر اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں ایک جیسی ہی ہے (145)۔مگر کشمیری مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی ایک دوسرے منظر کی نشاندہی کرتی ہے جب ان کو ہندوستانیت کے ساتھ ساتھ اپنی علیحدہ شناخت کے حق سے محروم ہونے کے تناظر میں دیکھا جائے 146۔اس کی قلعی اس وقت کھلی جب ایک مسلمان کشمیری سرکاری ملازم کے بارے میں صحافیوں کی ایک ٹیم کی تحقیقاتی کارکردگی کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ وہ پیدائشی کشمیری نہیں ہے بلکہ کشمیر کے ہندوستان سے اتحاد کے وقت حلف نامے کے ذریعے کشمیری ہوا تھا جس کے نتیجے میں اس کو سرکاری ملازمت حاصل ہوئی تھی۔اتنے برس گذر جانے کے بعد وہ پریشان ہے کہ اس کا حلف کیا ہوا؟ 147

ایک اعتدال پسند کشمیری سیاست دان کے درج ذیل بیان سے بھی کشمیریوں کے ایک قابلِ ذکر حصے کی بے چارگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

> ہم لوگوں پر پاکستانی ہونے کی چھاپ لگادی گئی ہے۔ہم ہمیشہ سے مشکوک سمجھے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ اگر ہم ہاتھ میں جھنڈا اٹھا کر جے بھارت ماتا کا نعرہ لگائیں تب بھی شکوک موجود رہیں گے۔وہ ہمارے اوپر اعتماد نہیں کرتے۔ ہمارے بزرگوں نے 1947 میں پاکستانیوں کے خلاف جنگ کی' ہم نے 1965 اور 1971 میں ان کے خلاف جنگ کی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہم پر اب بھی بھروسہ کیوں نہیں کیا جاتا؟148

ایک علیحدگی پسند مجاہد وضاحت سے کہتا ہے:

> ہم ایک روز آزادی ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔بس اب سوال یہ ہے کہ ہندوستان باوقار طریقے سے کشمیر چھوڑنے کے لیے تیار ہے یا بڑے پیمانے پر قتل وغارت گری کے بعد؟149

1968 میں شیخ عبداللہ نے یہ خطرہ محسوس کرلیا تھا' اُس وقت ان کے الفاظ یہاں تحریر کیے جانے کے قابل ہیں:

> ......ہم نے محسوس کیا کہ 1931 سے ہماری بے پناہ قربانیاں' جدوجہد اور امیدیں انڈیا کے ساتھ رہنے سے بارآور ثابت ہوں گی جو جمہوریت' قانون کی بالادستی اور انسانی مساوات پر یقین رکھتا ہے۔ہم مہاتما گاندھی کے بے مثال نظریات پر یقین رکھتے ہیں۔مگر اب کشمیریوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک دیکھیے یہ ایک کھلی کتاب ہے......تمام ہندوستانیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دلوں کو ٹٹولیں150۔

4- کشمیریت اور اسلامائزیشن

ستمبر 1984 میں اندرا گاندھی کے سفاکانہ قتل کے بعد فاروق عبداللہ کی نیشنل

کانفرنس کے دہلی مخالف رویہ کے خاتمے اور راجیو گاندھی جو کانگریس اور ہندسرکار کو بہتر طریقے سے جانتے تھے سے اشتراک کے بعد مسلمانوں کی مذہبی وابستگی کو بہتر شناخت حاصل ہوئی اور اس کو تسلیم کیا جانے لگا۔ 1986 میں فاروق نے راجیو گاندھی کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے جس میں اس کو تلخ حقیقت کا نام دیا گیا[151]۔ مگر اس اتحاد کو کشمیری مسلمانوں نے کشمیر کاز کے ساتھ غداری کے مترادف قرار دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ حالات کا ستم تھا۔ فاروق جو اپنی کشمیری شناخت کی انتہا پر فائز تھا اب اپنی یہ شناخت کھودینے کے الزام کی زد پر تھا۔ اس موڑ پر کشمیریت کو مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کے جھنڈے تلے اسلامی بنیاد پرستی کے ہم پلہ قرار دیا گیا۔ کشمیر کی فرقہ وارانہ فضا میں یہ تاثر اس وقت مزید گہرا ہو گیا جب مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کی شہرت پر نیشنل کانفرنس اور کانگریس نے مشترکہ طور پر تشویش کا اظہار کیا' مبیّنہ طور پر 1987 میں صوبائی مجلس قانون ساز کے انتخابات مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کے کارکنوں کی دہشت گردی کے ہاتھوں سبوتاژ کیے گئے۔ مسلم یونائیٹڈ فرنٹ سے تعلق رکھنے والے ان مایوس کارکنوں میں سے ہی وہ لیڈر شپ برآمد ہوئی جس نے بعد میں جموں اور کشمیر میں تشدد کی سیاست کو فروغ دیا[152]۔ فاروق نے یقیناً کانگریس کی مدد سے جموں کشمیر میں وزارت قائم کی مگر وہ عوامی غم وغصہ کے اس سیلاب پر قابو نہیں پاسکا جو نئی دہلی کے ساتھ اس کے ناپسندیدہ اشتراک کی وجہ سے زیادہ تر پر تشدد کارروائیوں پر مبنی ہوتا تھا۔ 1989 تک معاملات فاروق کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔ 18 جنوری 1990 کو اس نے نئی دہلی کی بے جا مداخلت کی وجہ سے اس وقت استعفیٰ دے دیا جب اس کے تحفظات کے باوجود وی پی سنگھ کی غیر کانگریسی حکومت نے جگ موہن کو صوبے کا گورنر مقرر کر دیا اور جموں وکشمیر پر صدارتی راج مسلط کر دیا گیا۔ فروری 1975 میں اندرا گاندھی شیخ عبداللہ معاہدہ سرد خانے میں ڈال دیا گیا جس کے تحت یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ تمام پارلیمانی قانون سازی کا دائرہ کشمیر تک وسیع کیے جانے پر نظر ثانی کی جائے گی۔ اس کے بجائے حکومتِ ہند نے کشمیر میں ہر قسم کی قانون سازی کا حق اپنے پاس رکھ لیا[153]۔

جب سیکولر سیاست' کشمیریت اور دوسرے سیاسی اداروں کے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکی تو مایوس کشمیریوں نے مساجد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا[154]۔ خلیجی تیل کی دولت کے طفیل تیزی سے پھیلتے ہوئے مدرسوں نے کشمیری معاشرے میں بنیاد پرستی کے مسئلے کو مزید ہوا

دی155۔ان تمام حالات نے کشمیری فرقہ واریت کو بیرونی سمت میں مدد کے لیے پڑوس کی مسلم ریاست پاکستان کی طرف دیکھنے کا ایک مثالی ماحول فراہم کیا۔ نتیجتاً کشمیر انڈین سیکورٹی فورسز اور بنیاد پرستی کے اثرات کے ساتھ جڑے کشمیری حق خود اختیاری اور ہندوستانی اختیارات سے نجات کی جدوجہد کے مابین ایک میدانِ جنگ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

5- علیحدگی پسند اور قومی و بین الاقوامی معاملات کے مابین امتیازات:

وادیٔ کشمیر کی موجودہ صورت حال کو کئی حلقے فلسطین کی اسلامی نوعیت کی جدوجہد سے مشابہت کی بنا پر انتفادہ بھی کہتے ہیں۔ یہ تشبیہ صحیح ہو یا غلط لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کشمیری حریت پسندوں کو پاکستان کی شہ ضرور حاصل ہے۔ انڈیا سے پاکستان کی طرف وفاداری کی تبدیلی کی اس ذہنیت کو ناپنے کا پیمانہ پاکستان میں ہونے والی جہادی کارروائیوں سے مماثلت ہے۔ 1971 میں زوالِ ڈھاکہ اور اپریل 1988 میں اوجڑی کیمپ کے اسلحہ خانہ کی تباہی نے سری نگر کو ہوشیار کر دیا کیونکہ ان واقعات کے پیچھے پاکستان کی قومی سلامتی کو تباہ کرنے میں انڈیا کے ملوث ہونے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا تھا156۔ پاکستان کے صدر ضیاالحق کے طیارے کی بہاولپور میں تباہی کے موقعے پر وادیٔ کشمیر میں ہڑتالیں کی گئیں157۔ 14 اگست کو پاکستان کے یومِ آزادی کے موقعے پر وادی میں پاکستانی پرچم لہرائے گئے اور 15 اگست کو آزادیٔ ہند کے موقعے پر کالے جھنڈے لہرائے گئے۔ ہاکی اور کرکٹ میچوں میں پاکستان کی فتح کا جشن منایا جانا بھی عام ہے158۔ ایک پاکستانی مبصر نے بڑے فخر سے ذوالفقار علی بھٹو کی کال پر کشمیر میں عام ہڑتال کا ذکر کیا159۔ اس کے بعد جنوری 1995 میں بھٹو کی بیٹی اور پاکستان کی اس وقت کی وزیراعظم بے نظیر نے کشمیری عوام کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے لیے ہڑتال کی کال دی تب بھی اس کے نمایاں اثرات جموں کشمیر میں محسوس کیے گئے۔ اسلام آباد میں نئے صدر یا وزیراعظم کی تبدیلی پر بھی کشمیر میں خصوصی دعائیں مانگی جاتی ہے160۔ یہاں تک کہ جموں کشمیر کے مایوس سیاسی لیڈر بھی پاکستان کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔ اس لیے 1986 میں نئی دہلی کے دباؤ پر وزارت اعلیٰ چھوڑنے والے جی ایم شاہ نے سری نگر کے اقبال پارک میں ایک مظاہرے کے دوران برسرِ عام

پاکستانی پرچم لہرایا اور تسلیم کیا کہ وہ اپنی بے وقوفی سے انڈین گورنمنٹ کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس گیا161۔ پاکستان کے حق میں کشمیریوں کے جذبات معروف مسلم کشمیری ناراضگی کے مظاہرے، ہندوستانی حکومت کی بے حسی اور غیر ذمہ دار انتظامیہ کے کردار پر روشنی ڈالنے کے لیے بھی کیے جاتے ہیں162۔ لہٰذا جموں کشمیر میں بجلی کے نرخوں میں اضافے کے خلاف مقامی مظاہروں کا قابلِ قدر ردِعمل پاکستانی کشمیر میں بھی دیکھنے میں آتا ہے163۔

ایک امریکی رپورٹ کے مطابق:

> ...... ہندوستانی کشمیر کے تمام علاقوں میں اسلامی نظریات کے فروغ کے لیے انڈین کشمیر کے شرپسندوں اور اسلام آباد میں ان کے حامیوں کے مابین مضبوط روابط قائم ہیں۔ پس تیزی سے ابھرتے ہوئے اسلامی نظریات کی وجہ سے کشمیری مسلمان اب مذہب اسلام کے بین الاقوامی بھائی چارے کے ذریعے قابلِ قدر مدد کے طالب ہیں اور سرحد پار سے تعاون کی ضمانت پر بغلیں بجا رہے ہیں۔ ساتھ ہی پاکستان کے دفاعی اداروں کے لیے مسئلۂ کشمیر علاقائی دلچسپی اور پوری دنیا کے لیے اسلامی مفادات کا ہدف بن گیا ہے۔ پاکستان میں مسلم بنیاد پرست کشمیر میں انڈین غیر مسلموں کے خلاف دیر سے جہاد کے ذریعے اسلام کے پھیلاؤ کے منتظر ہیں۔ ایک مقدس جنگ جس کے لیے سامان اور پشت پناہی پاکستان ہی فراہم کر سکتا ہے164۔

جموں اور کشمیر میں نسل پرستی کی سیاست میں بہر حال کوئی ایک جماعت ملوث نہیں ہے۔ اس کے بجائے کئی عسکری تنظیمیں کام کر رہی ہیں جن کی افرادی قوت 30[165] سے 158[166] تک ہے۔ ان میں سے دو اہم گروپ زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک طرف پاکستان کے حامی اسلامی بنیاد پرست مثلاً جماعتِ اسلامی، حزب الاسلامی، حزب المجاہدین، البرق، اخوان المسلمین، مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن، خدا کے شیر، اسلامی اسٹوڈنٹ لیگ، ال۔عمر، متحدہ جہاد کونسل، تحریکِ کشمیر، ال۔جہاد، تحریکِ عمل، پیپلز لیگ، اور لشکرِ طیبہ ہیں جن کا عام عقیدہ ہے: کشمیر ایک مسلمان اکثریتی علاقہ ہے اور وہاں انڈیا سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسلامی انقلاب لانے سے

ہمیں کوئی نہیں روک سکتا167۔ راجوڑی‘ کلاکوٹ‘ پونچھ‘ کپواڑہ اور بارہ مولا میں ہاتھ سے تحریر کردہ پوسٹر تقسیم کیے گئے جس میں عام لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ہمارے پاکستانی مددگار دوستوں کے ساتھ ہر ممکن تعاون اور مدد کریں جو سرحد پار کر کے ہندوستانی حکومت سے نجات حاصل کرنے میں مدد دینے آئے ہیں۔ 1990 میں راجوڑی اور دیگر علاقوں میں سورش کے انتہائی ایام کے دوران پاکستانی کرنسی نوٹوں کی گردش میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ نوٹوں پر درجِ ذیل عبارت درج تھی:

وہ وقت دور نہیں جب اس علاقے میں صرف پاکستانی کرنسی ہی چلے گی168۔

ہندوستانی پریس اب تک باقاعدگی کے ساتھ سیکورٹی اداروں کے گرفتار شدہ بنیاد پرست لوگوں کے بارے میں رپوٹیں شائع کرتا رہتا ہے جن کی فوجی تربیت پاکستان میں ہوئی ہو۔ غلام محمد‘ میر شمس الحق‘ بلال احمد صدیقی‘ حمید گل‘ نعیم الحق‘ علی محمد ڈار اور احسن ڈار ایسے جنگجو لیڈروں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپریشن کا بیس کیمپ پاکستان میں قائم کیا ہوا ہے169۔ اسلامی عسکریت پسندوں کی تنظیم حزب المجاہدین کے چیف کمانڈر احسن ڈار کا دعویٰ ہے کہ اس کی کمان میں 11,000 مسلح نوجوان 1990 سے کشمیر کی شعلہ فشاں سیاست میں نہایت مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ گروپ اسلام کے بنیادی عقائد پر عمل درآمد کا جائزہ لیتا ہے اپنے زیرِ کمان علاقوں میں شراب خانوں‘ سینما ہال اور بیوٹی پارلروں کی بندش کی وکالت کرتا ہے170۔ کشمیری عسکریت پسندوں کا یہ گروہ ہندو پنڈتوں سے بھی نفرت کا اظہار کرتا رہتا ہے جو ریاست کی ہندوانہ سیاست کے علمبردار کے طور پر پہچانے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وادی کے مختلف حصوں سے ہندو بڑے پیمانے پر ہجرت کر کے جموں میں جا بسے ہیں۔ ہندو قصبات جیسے ادھم پور‘ پونچھ اور راجوڑی کے قتلِ عام معمول کی بات ہیں‘ انہی میں ایک واقعے نے ریاست کے وزیرِ اعلیٰ کے بیٹے عمر عبداللہ جنہوں نے 1998 کے پارلیمانی انتخابات میں ایک سیٹ بھی حاصل کی تھی‘ کو متاثر کیا اور انہوں نے غصے کی حالت میں اظہارِ خیال کیا:

دہشت گردی کے انسانیت سوز مظاہرے ایک بار پھر عسکریت پسندوں کے پاگل پن کی علامت بن گئے ہیں171۔

ایک اندازے کے مطابق وادی کے رہائشی 100,000 پنڈت جنوری 1990

تک اپنے گھر بار چھوڑ کر جا چکے تھے۔ دوسرے ذرائع سے یہ تعداد 200,000 تک پہنچتی ہے[172] ۔تازہ تحقیقات بہر حال راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو نسل پرستوں کے پنڈتوں پر تشدد کے دعوے کو رد کرتی ہیں اور اس کو جھوٹ اور دروغ گوئی کے ذریعے پیالی میں طوفان برپا کرنے کے مترادف قرار دیتی ہیں[173] ۔ کشمیری عسکریت پسند اب پر امن شہریوں کو اغوا کر کے ان کے عوض اپنے ساتھیوں کی جیل سے رہائی کا مطالبہ بھی کرنے لگے ہیں۔ انڈین گورنمنٹ پاکستان کی انٹر سروسز انٹیلی جنیس (ISI) پر ایسی کارروائیوں میں معاونت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ مست گل جیسے علیحدگی پسند لیڈر راولپنڈی اور دیگر علاقوں میں جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے تمام پاکستانیوں کو متحد ہو کر کشمیر کی آزادی کے لیے جہاد کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں[174] ۔حزب اللہ کے لیے تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے افغان مجاہدین کے ساتھ بھی رابطے ہیں[175] ۔

منظر نامے میں دوسری طرف جموں کشمیر محاذِ آزادی اور اس سے ملحق دوسرے گروپ ہیں۔ مقبول بٹ اور امین اللہ خان کی قائم کردہ اس تنظیم کو بعض علاقوں میں خاصا تعاون حاصل ہے۔ اس نے دہشت گردی کی کئی وارداتیں کی ہیں جن میں انڈین ائرلائن کا جہاز اور ہندوستان کے سابق وزیرِ داخلہ مفتی محمد سعید کی صاحبزادی کا اغوا بھی شامل ہیں۔ بظاہر یہ تنظیم خود کو پاکستان نواز اسلامی بنیاد پرستوں سے بے تعلق کہتی اور اپنے بیانات کی حد تک سیکولر اور خود مختار کشمیر کی داعی ہے مگر درحقیقت ان کی آپس میں لاتعلقی ایک فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جموں کشمیر محاذِ آزادی کے معاملے میں بھی اندرونی اور بیرونی سرحدیں واضح طور پر پیچیدگیوں سے پُر ہیں۔ اس کے ساتھ تعاون کا بڑا مرکز بہر حال پاکستان میں ہی ہے[176] ۔ اس کے ایک مشہور لیڈر نور خان نے واضح طور پر کہا ہے کہ: ہمارا واحد مقصد کشمیر میں نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہے[177] ۔

1990 میں جاری کی گئی ایک پریس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ کشمیر میں سبوتاژ، اغوا اور قتل و غارت کی کارروائیوں کے لیے JKLF کے 10,000 رضا کاروں کو پاکستان[178] میں تربیت دی گئی[179] ۔17 دسمبر 1989 کو JKLF کے سربراہ امان اللہ خان نے اپنے پاکستانی مرکز راولپنڈی سے اپنے کارکنوں کو ایک پیغام بھیجا:

ہمارے لوگوں کو کچھ مت کہو' صرف ہندوستانی املاک بشمول ہوائی کمپنیوں' ڈاک خانوں اور سرکاری عمارتوں کونشانہ بناؤ[180]۔

14 اگست 1989 کو JKLF نے سری نگر کے غنی اسٹیڈیم میں 5000 کے اجتماع کے ساتھ پاکستان کا یومِ آزادی منایا۔ JKLF کے زیرِ زمین لیڈر شبیر شاہ نے اس موقعہ پر 21 توپوں کی سلامی لی۔ اور دوسرے دن...... یومِ آزادیٔ ہند کے موقعہ پر...... JKLF کے رضا کاروں نے ترنگا جلایا اور سری نگر میں یومِ سیاہ منایا[181]۔ ستمبر 1990 میں JKLF نے مشترکہ کارروائیاں شروع کرنے کا پروگرام ترتیب دینے کے لیے پاکستان کی متحدہ جہاد کونسل میں شمولیت اختیار کر لی جو حزب المجاہدین' حزب اللہ' مسلم جانباز فورس' تحریکِ جہادِ اسلامی' ال۔ عمر مجاہدین' اور آپریشن بالاکوٹ جیسے کشمیری عسکریت پسند گروپوں پر مشتمل ہے[182]۔ ہند سرکار نے JKLF کے ایسے لیڈروں کے نام بھی جاری کیے ہیں جو پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں سے نزدیکی تعلقات رکھتے ہیں۔ ان میں غلام نبی بٹ' شیر محمد' اور عبدالرشید جلال بھی شامل ہیں جو پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں[183]۔ مبینہ طور پر ان کے رابطے خالصتانیوں سے بھی ہیں[184]۔ مارچ 1992 میں JKLF نے آزاد کشمیر سے 1949 کی سیز فائر لائن کے اس پار تک جموں اور کشمیر تک لانگ مارچ کا پروگرام بھی بنایا تھا لیکن شکر ہے کہ پاک فوج کی دانشمندی کے طفیل یہ لانگ مارچ منعقد نہیں ہوسکا جس کی وجہ سے انڈو پاک کے مابین ایک اور تنازعہ پیدا ہونے سے بچالیا گیا۔ البتہ اس بات میں شبہ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان کو JKLF کے لانگ مارچ کے اس پروگرام کے بارے میں آگاہ کیا گیا یا انہیں خود محسوس ہوا کہ معصوم لوگوں کو ہندوستانی بندوقوں کے آگے دھکیل دینا قطعی غیر مناسب ہوگا[185]۔ ایک ہندوستانی اخبار نے اپنے تبصرے میں کوئی نئی بات نہیں کی:

> بات یہ نہیں کہ مجوزہ کارروائی سے JKLF کو کنٹرول لائن عبور کرنے سے روکا جاسکتا تھا یا نہیں' مگر یہ کہ اس بات کا یقین کرنا کہ اپنی عادت کے خلاف اس میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ یہ تمام ڈرامہ واضح طور سے کشمیر پر قبضہ کرنے کے پاکستانی عزائم کا آئینہ دار اور تمام آزادانہ یا بالواسطہ کارروائیوں کے بلو پرنٹ کے علاوہ کچھ اور نہیں[186]۔

فروری 1999 میں جب پوری دنیا ہندوستانی وزیرِ اعظم اٹل بہاری واجپائی اور پاکستانی وزیرِ اعظم نواز شریف کی لاہور کانفرنس کی پذیرائی کر رہی تھی تب بھی JKLF کے لیڈر امان اللہ خان نے اپنے حامیوں کو واجپائی کے دورۂ لاہور کی مخالفت کرنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے اپنے ہند مخالف جذبات کے اظہار کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا:

ہمارا ایمان ہے کہ جب تک اپنا اور اپنے دشمن کا خون نہیں بہایا جائے گا
ہم آزادی سے ہم کنار نہیں ہوسکیں گے[187]۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ 1980 کی دہائی نے دخترانِ ملت اور مسلم خواتین مرکز جیسی تنظیمیں قائم ہوتے ہوئے دیکھیں۔ ان تنظیموں کے پیشِ نظر صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ محاذ آرائی میں مصروف اپنے مردوں کا ہندوستانی فوج کی جارحیت کے خلاف دفاع کرتی تھیں[188]۔ کہا جاتا ہے کہ مئی 1990 تک دخترانِ ملت کے باقاعدہ رضا کاروں کی تعداد 70,000 تک ہوچکی تھی[189]۔ تین سال بعد اس گروپ کی لیڈر آسیا اندرابی کو انڈیا کی سیکورٹی فورس نے راستے سے ہٹا دیا[190]۔

دراصل کشمیری عسکریت پسندوں کے ہندوستان سے وفاداری بدلنے کی ہمت افزائی افغانستان اور ایران میں اسلامی بنیاد پرستی کی کامیابی سے ہوئی۔ اس رجحان کی حمایت میں ایک تجزیہ نگار کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

حقِ خودارادی کی تحریکوں میں باہمی تعاون کے فروغ میں بین الاقوامی
سطح پر کشش عام سی بات ہے[191]۔

1986 سے پاک-ایران تعلقات میں فروغ کے بعد سے کشمیر کے سیاسی معاملات میں ایرانی اثرات نمایاں طور پر محسوس ہونے لگے ہیں۔ اس کا مظاہرہ پہلی بار 1986 میں ایران کے صدر کی پاکستان کے وزیرِ اعظم جونیجو سے ملاقات کے دوران ہوا جب انہوں نے خلافِ توقع خود کو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی تحاریکِ آزادی کا ایک طالب علم اور علامہ اقبال کا عقیدت مند قرار دیا جن کے آباواجداد کشمیری تھے[192]۔ ایرانی صدر کے خفیہ ایجنڈے کی وضاحت ان کے پاکستانی سفیر نے کی:

ہم نے اپنے انقلاب کے بعد سے آزادی کی جدوجہد کرنے والوں

کے ساتھ ہم آہنگی اور جارح طاقتوں اور آمروں کے خلاف لڑنے
والوں کی مدد کرنے کا تہیہ کرلیا ہے کیونکہ ہم خود مکمل آزادی اور عوامی
راج کے لیے مصروفِ کار ہیں[193]۔

اس کے بعد دو سال کے اندر ایک ایرانی سفارتکار کو جموں کشمیر کی عسکریت پسند تنظیموں کی طرف سے سرینگر میں ایک کالج کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں مدعو کیا گیا۔ مگر اس سفارتکار کا دورہ اس لیے ممکن نہیں ہوسکا کہ حکومت نے ان کے صوبہ میں داخلہ پر پابندی عائد کردی تھی[194]۔

1990 تک کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد میں ایران کی مدد کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی تھی۔ جنوری میں تہران نے غیر اصولی طور پر ہندوستانی وزیرِ خارجہ کا دورہ' جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ ہندوستانی برتاؤ کے خلاف احتجاجاً منسوخ کردیا[195]۔ اپریل میں ایران کی وزارتِ خارجہ کے ایک ترجمان مرتضیٰ سرمدی نے انتباہ کیا کہ کشمیری مسلمانوں کے ساتھ ہندوستانی حکومت کے برتاؤ سے پوری دنیا میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے ہیں[196]۔ حیرت انگیز طور پر کشمیری عسکری تنظیموں کے مظاہروں میں مستقلاً آیت اللہ کی تصویریں نمایاں طور استعمال ہونے لگیں۔ انڈین تجزیہ نگاروں کی ایک ٹیم نے لکھا ہے:

سری نگر کی گلیوں میں خمینی کی تصویریں دیکھ کر ایرانی طرز کے فوجی
اسلامی بنیاد پرستی کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا[197]۔

کشمیر میں بڑھتی ہوئی اسلام پسندی کی وجہ سے افغان مجاہدین' سوڈان' یمن اور لیبیا کے دوسرے گوریلوں کی شرکت نے اس انتشار کو کشمیر جہاد کا نام دے دیا[198]۔ افغان رابطوں کے بارے میں ایک مغربی مبصر نے ایک کشمیری مسلح کارکن سے کہا:

اگر افغان ایسا کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟[199]

پاکستان نواز کشمیری جانباز سرحد پار جنوبی ایشیا میں بھی مسلح جدوجہد میں ملوث تھے[200]۔ حزب المجاہدین' ال۔ عمر' حرکتہ الانصار اور لشکرِ طیبہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بطور خاص غیر ممالک سے کرائے کے گوریلوں کی خدمات حاصل کرتے رہے ہیں[201]۔ اکثر مبصرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جموں کشمیر میں تشدد کی تازہ لہران غیر ملکی جانبازوں کی پیدا کردہ ہے جو مقامی مسلح تنظیموں کے بجائے ISI نے بھرتی کئے ہیں[202]۔ افغان طالبان

مجاہدوں کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے جو 2001 سے پہاڑی سلسلے سے ضلع ادھم پور کے اندر تک اپنی کارروائیوں میں بہت حساس ہتھیاروں کی مدد سے مسلسل اضافہ کرتے جا رہے ہیں' ان ہتھیاروں میں اسٹریلا ایس اے-7 گریل میزائل بھی شامل ہیں جو ساڑھے تین ہزار سے ساڑھے چار ہزار میٹر تک کی بلندی پر محوِ پرواز ہوائی جہازوں کو مار گرانے کی استعداد رکھتے ہیں۔لشکرِ طیبہ کے ایک ترجمان نے *The Times* کو انٹرویو دیتے ہوئے بڑے فخریہ انداز سے بتایا کہ:

> تمام مسلمان ممالک بطورِ خاص افغانستان اور پاکستان کے مجاہدین جموں اور کشمیر میں فساد پسندوں کا کس طرح سے صفایا کر رہے ہیں [203]۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعودی مسلح لیڈر اسامہ بن لادن جو اب افغانستان میں مقیم ہے' نے ایک بار کشمیر میں بذاتِ خود ایک بڑے آپریشن کی منصوبہ بندی کی تھی۔

بہر حال غیر ملکی گوریلوں کی موجودگی پر غیر معمولی توجہ دینے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ گو کہ ہندوستانی افسروں کی طرف سے جموں اور کشمیر میں پاکستان کی ایما پر دوسروں کی جنگ اور بین الاقوامی دہشت گردی کا واویلا مچایا جا رہا ہے مگر واضح طور پر غیر ملکی گوریلوں کی موجودگی میں بتدریج کمی آ رہی ہے۔اس بات کا ثبوت اس سرکاری رپورٹ سے بھی ملتا ہے جس کی رو سے جنوری 1997 اور اگست 1999 کے دوران مارے جانے والے کل علیحدگی پسندوں میں 1334 مقامی تھے اور صرف 328 غیر ملکی [204]۔اس لیے بیشتر مبصرین اور تجزیہ نگار مقامی افراد کے باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے پر زور دیتے ہیں [205]۔

6- کشمیر میں باغیانہ سرگرمیوں پر پاکستان کا ردِ عمل:

کشمیریت کے ہندوستان سے تبدیلی وفاداری میں پاکستانی مداخلت کے واضح اشارے موجود ہیں۔ایک طرح سے یہ فطری بھی ہے۔جیسا کہ ارملا پدنی کے اطمینان سے ظاہر ہوتا ہے:

> سرحد پار مذہبی رشتوں سے جڑی قومی پالیسی کئی بار ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے جب تحریکوں میں بیرونی مداخلت کاروں کے لیے محاذ آرائی کا راستہ کھل جاتا ہے [206]۔

مگر عائشہ جلال جیسی مبصر پاکستان کی طرف سے انڈیا میں کشمیری مسلمانوں کے لیے کسی اخلاقی امداد کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتیں:

کسی بیرونی ہاتھ کی کارفرمائی کا ثبوت...... اسلام آباد میں اختیارات کی حد کو اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان کے دوراندیش حکمران کسی فوجی کارروائی کے ذریعے پاکستان کے مستقبل کو بلاوجہ داؤ پر لگانے کے لیے تیار نہیں 207۔

دراصل پاکستان کے پوش حکمران کشمیر سے دست برداری کا نقصان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے جس طرح ان کے مدمقابل انڈیا کے حاکم کشمیر کی علیحدگی کے لیے پارٹی بننے پر آمادہ نہیں۔ اسلام آباد کے نزدیک کشمیر کا مسئلہ پاکستان کا ایک نامکمل ایجنڈا ہے۔ 30 اکتوبر 1947 کو حکومتِ پاکستان نے ایک خبر میں زور دیا ہے:

حکومت پاکستان انڈین گورنمنٹ کے اس موقف سے متفق نہیں ہے جو اس نے کشمیر کے انڈیا کے ساتھ الحاق کے لیے اختیار کیا ہے 208۔

اس کے ساتھ ہی کشمیر کے لیے جدوجہد کو برصغیر میں ایک نامکمل منصوبہ مستحکم مسلم وطن کے حصول کا ایک حصہ قرار دے دیا گیا 209۔ کشمیر کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا اور کشمیر کے لیے اسی طرح جدوجہد کرنے کے عزم کا اعلان کیا گیا جس طرح پاکستان کے لیے جدوجہد کی گئی۔ برصغیر کے ان تمام علاقوں کے تحفظ کا ارادہ کیا گیا جہاں مسلمان اکثریت آباد ہے اور ان کے لیے حقِ خوداختیاری کے حصول میں مدد دینے کو ایجنڈے پر عمل کے مترادف ٹھہرایا گیا 210۔

بابائے قوم محمد علی جناح نے بھی کشمیری مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری یاد دلائی جب انھوں نے ان کو ہدایت کی کہ وہ برصغیر میں اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ اتحاد قائم کریں تا کہ مسلم قومیت کا خواب ایک حقیقت بن سکے 211۔ حکومتِ پاکستان کے کشمیر کے بارے میں قرطاسِ ابیض میں قائدِ اعظم کا یہ پیغام قدرتی طور پر جموں اور کشمیر کے مسلمان بھائیوں پر براہ راست اثر انداز ہونے کے لیے تھا 212۔ نومبر 1951 تک پاکستان کے امورِ کشمیر کے وزیر ایم۔ اے گورمانی نے ذکر کیا ہے:

> کشمیر پاکستانیوں کے لیے محض ایک زمین کا ٹکڑا یا دریاؤں کا منبع نہیں بلکہ ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ کشمیر کے لیے ہم انہی اصولوں پر لڑ رہے ہیں جن پر پاکستان کے لیے لڑے تھے۔ ہم نے برصغیر کے تمام مسلم علاقوں کے لیے حقِ خود ارادیت کے حصول کا عزم کیا ہوا ہے [213]۔

پاکستان کا حاکم طبقہ...... اپنے ہندوستانی ہم منصبوں کی طرح...... کشمیر کے اہم اسٹریٹیجک محلِ وقوع کے پیشِ نظر اپنی قومی سلامتی کی خاطر ایک جیسے جذبات کا حامل ہے۔ دسمبر 1947 میں پاکستانی وزیر اعظم نے جواہر لال نہرو کو لکھا:

> پاکستان کی سلامتی کشمیر کی سلامتی سے مشروط ہے، معاشرتی اور اقتصادی یکسانیت اور مذہبی رشتوں نے دونوں کو ابھی تک مضبوط باہمی روابط میں جکڑا ہوا ہے [214]۔

اسی طرح آزاد کشمیر کے بانی صدر نے پاکستان اور کشمیر کے مابین سیاسی جغرافیائی اہمیت پر زور دیا:

> شمال میں کوہِ ہندوکش کا پہاڑی سلسلہ اور شمال مغرب میں پہاڑی میدانی علاقے ایک طرف مغربی پاکستان سے اور ایک طرف جموں کشمیر سے جڑے ہوئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ پاکستان اور کشمیر قدرتی طور پر ایک ہی ہیں۔ کوئی قدرتی رکاوٹ کشمیر اور پاکستان کے مابین اس طرح حائل نہیں ہے جس طرح ہندوستان اور کشمیر کے مابین حائل ہیں۔ پاکستان اور کشمیر کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے والی فرضی لکیر بھی انسانوں کی قائم کردہ ہے [215]۔

دو پختہ سڑکیں...... بانہال کارٹ روڈ اور وادئ جہلم کی شاہراہ، کشمیر کو بیرونی دنیا سے رابطے قائم کرنے کے لیے پاکستان سے ہی گذرتی ہیں۔ دونوں شاہراہیں اور پاکستان ریلوے کا نظام کشمیر کے ساتھ ساتھ متوازی طور پر چلتے ہیں۔ 8 فروری 1950 کو پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے کہا:

> اس تمام علاقے کا دفاع اس بات پر منحصر ہے کہ کبھی اس لائن کی ریڑھ

کی ہڈی کی حیثیت کو مجروح نہیں کیا جائے' ......اگر انڈیا نے کشمیر پر
قبضہ کرلیا تو ریڑھ کی یہ پوری ہڈی تباہ ہو جائے گی اس کے بعد انڈیا نہ
صرف تمام سرحدی علاقوں پر قابض ہو جائے گا بلکہ افغانستان
پر بھی[216]۔

ڈیوڈ للئن تھل کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے تفصیل وار وضاحت کی:

جیسا کہ آپ نقشے میں دیکھ رہے ہیں کہ کشمیر پاکستان کے سر کی ٹوپی کی حیثیت رکھتا ہے' اگر میں ہندوستان کو یہ ٹوپی ہمارے سر پر رکھنے کے لیے کہوں تو ہم ہمیشہ ہندوستان کے رحم و کرم پر رہیں گے[217]۔ جبکہ کشمیر کو پاکستان کی معاشی رگِ حیات مانا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے اہم دریاؤں اور نہری نظاموں کے منبع کشمیر میں واقع ہیں۔

ایک پاکستانی مبصر نے زور دیتے ہوئے کہا کہ:

کس طرح اس ملک کی زرعی معیشت کا دارومدار ان دریاؤں پر ہے جو
کشمیر سے آ رہے ہیں۔ منگلا ڈیم درحقیقت کشمیر میں اور مرالہ ہیڈ
ورکس سرحد سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اگر کشمیر ہندوستان
کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے تو ہماری کیا حالت ہوگی؟[218]

کشمیر کی عمارتی لکڑی' پھل اور سبزیاں' اونی مصنوعات' معدنی ذخائر اور بجلی کے لیے آبی ذخائر کے امکانات بھی پاکستان کی دلچسپی کا باعث ہیں[219]۔ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ' ظفر اللہ خان پاکستان کے لیے کشمیر کی اہمیت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

اگر کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ ہو جاتا ہے تو دفاعی حکمتِ عملی کے پیشِ نظر
پاکستان بھی ہندوستان کی ایک جاگیر کی حیثیت اختیار کر جائے گا[220]۔

قومی دباؤ کے تحت کشمیر حاصل کرنے کے لیے 23 اکتوبر 1947 کو کشمیر میں قبائل کو اخل کرنے کی پاکستان کی حکمتِ عملی کشمیر کے پاکستان سے الحاق کو یقینی بنانے کے نکتۂ نظر سے غیر فطری نہیں تھی۔ گو کہ پاکستانی افسران اس مسئلے میں پاکستان کی کوششوں سے انکار کرتے ہیں مگر حال ہی میں اس وقت کے پاکستانی کابینہ کے ایک ممبر سردار شوکت حیات کی یادداشت

کے مطابق:

> ہندوستانیوں اور مہاراجہ کی بدنیتی دیکھتے ہوئے ہم نے کشمیر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ مجھے اس کام کا ذمہ دار بنایا گیا۔ میں نے فرنٹیئر فورس کے بریگیڈیئر شیر خان اور بریگیڈیئر اکبر کی خدمات اور کچھ اسلحہ قلعہ لاہور سے ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ ہم نے اپنی فاش غلطیوں کی وجہ سے کشمیر کھو دیا' وہاں کے لوگ پاکستان کی اس حکمتِ عملی سے بیحد خوش اور معاونت کے لیے آمادہ تھے مگر قبائلی رکاوٹ بن گئے اور عجلت پسندی کی وجہ سے کام خراب ہو گیا[221]۔

اسی دوران 1948 میں کشمیر کے کچھ سیاسی کھلاڑیوں نے پاکستان کو اپنی وفاداریاں بیچیں[222]۔ پاکستان کی حامی مسلم کانفرنس کے لیڈر سردار ابراہیم مہاراجہ کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو روکنے اور پاکستان کا حصہ بنانے کے لیے فوجی امداد حاصل کرنے پاکستان گئے[223]۔ ابراہیم کی سرگرمیوں کا خاطر خواہ معاوضہ پاکستان کی حکمران جماعت مسلم لیگ پہلے ہی ادا کر چکی تھی۔ پاکستان میں اُس وقت کے ساز و سامان کے ڈائریکٹر اکبر خان یہ بات پہلے ہی ریکارڈ پر لا چکے ہیں کہ پنجاب پولیس کو بھیجی جانے والی پاکستان کی 4000 فوجی رائفلیں کس طرح کشمیر میں پاکستان کے طرفدار سیاسی گروپوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں[224]۔ پاکستانی مبصروں نے کشمیر کے قبائلی جنگجوؤں کے لیے پاکستانی عوام[225] کی مکمل ہمدردیوں کے بارے میں کافی کچھ لکھا ہے۔ قبائلی معاشرے میں ہم آہنگی اور یکجہتی کے ایسے ماحول کی منظر کشی کی گئی ہے جو درحقیقت کہیں وجود نہیں رکھتی[226]۔ مگر اس مشہور زمانہ چیخ پکار کا کوئی وجود نہیں ہوتا اگر کشمیر میں ہندوؤں کی مکاری کے قصے آگ لگانے والے پمفلٹ اور پوسٹروں کے ذریعے اور ملکوں' ملاؤں اور پیروں کی جذبات بھڑکانے والی تقریروں کے ذریعے مذہبی اجتماعات میں پاکستانی عوام کو مشتعل نہیں کیا جاتا[227]۔ اسی دوران 4 اکتوبر 1947 کو پاکستان نواز کشمیری مہاجروں نے مظفرآباد میں سردار محمد ابراہیم کی زیر صدارت آزاد کشمیر کی صوبائی حکومت (حکومتِ آزاد کشمیر) قائم کر لی۔ اس واقعے نے مستقبل کے لیے مذہبی امتیازات کی سیاست اور اندرونی و بیرونی اختلافات ہمیشہ جاری رکھنے کے لیے میدان

ہموار کر دیا[228]۔

برصغیر کی آزادی کے بعد کے تمام پاکستانی حکمرانوں نے ہمیشہ کشمیر پالیسی سے متعلق آوازیں اٹھائی ہیں۔ایک ہندوستانی مبصر کے الفاظ میں:

پاکستان میں کشمیر کے مسئلہ کو زندہ رکھنے کے لیے دوقومی نظریے کے حامی چند خاندانوں کی موروثی حاکیت قائم رکھنا ان حاکموں کی خود اپنی بقا کے لیے ناگزیر ہے[229]۔

پاکستان کے صدر ایوب مسئلۂ کشمیر کو پاکستان کی قومی طاقت کے لیے ایک آزمائشی مرحلہ سمجھتے تھے[230]۔ذوالفقار علی بھٹو کھلم کھلا آزاد کشمیر اور جموں کشمیر کے باشندوں کے مابین قائم رکاوٹیں ڈھادینے کی بات کیا کرتے تھے[231]۔یہاں تک کہ ایک بار انھوں نے کشمیر میں جمہوریت اور ہندوستانی حکمرانی کے بیچ جھگڑے کو بزور طاقت حل کرنے کی وکالت بھی کی تھی[232]۔1972 میں شملہ معاہدے پر دستخط کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد انہوں نے زور دیتے ہوئے اعلان کیا:

کشمیر کے بنیادی مسئلے پر ہم نے کوئی مصالحت نہیں کی[233]۔

شملہ معاہدے کے پانچ سال بعد بیجنگ میں بڑے وثوق سے اعلان کیا:

انڈیا کے ساتھ معمول کے تعلقات کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پاکستان کشمیریوں کے حقوق کا تحفظ ترک کردے[234]۔

جنرل ضیاالحق نے نہ صرف پاکستان کی معیشت اور سیاست کو مصنوعی طور پر عسکریت کے راستے پر گامزن کر دیا[235]، بلکہ واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ اب اپنے کشمیری بھائیوں کو مزید انڈیا کے ساتھ نہیں رہنے دیا جائے گا[236]۔

آزاد کشمیر کے صدر عبدالقیوم خان نے بھی علیحدگی پسند کشمیریوں کی مدد کرنے پر صدر ضیاالحق کو خراج عقیدت پیش کیا[237]۔فروری 1993 میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے کشمیریوں کی جدوجہد کا موازنہ روسی مداخلت کے خلاف افغانیوں کی جدوجہد سے کیا[238]۔

حقیقتاً پاکستان کی کوئی حکومت کشمیر کے معاملے میں لچک کا مظاہرہ کر ہی نہیں

سکتی 239۔اس حقیقت کا اظہار اس سے بہتر نہیں ہو سکتا جب پاکستان کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے پاک و ہند تعلقات کو معمول پر لانے کی کوششوں کے آغاز پر اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کی۔کشمیر کے معاملے میں ہندوستان کی حمایت کے الزام کی موجودگی میں 22 مارچ 1990 کو انہوں نے اعلان کیا:

جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے وہ زندگی کی حقیقت کے طور پر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا' ایک انسان کو مستقل طور پر قید میں نہیں رکھا جا سکتا240۔

بھٹو نے کشمیر کو خون اور آنسوؤں میں غرق اور آزادی کے لیے بے قرار قرار دیا241۔ایک موقعہ پر انہوں نے ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا اور کشمیریوں کے مدد کے لیے پانچ ملین روپے کا اعلان کیا242۔مئی 1990 میں بے نظیر بھٹو نے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مسلم ممالک کا ایک دورہ کیا243۔بے نظیر نے انڈیا پر کشمیر میں نسل کشی کا الزام لگایا اور زور دیکر کہا کہ کشمیر کی آزادی کا مطلب ہے پاکستان سے الحاق کرنے کی آزادی244۔دسمبر 1998 میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلان کی پچاسویں سالگرہ کے موقعہ پر پاکستان کے وزیر مواصلات مشاہد حسین نے اعلان کیا کہ ان کے ملک نے تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ کشمیریوں کے حقِ ارادیت کے حصول کے لیے ہر قسم کی اخلاقی اور مادی مدد فراہم کرتا رہے گا245۔

پاکستان کے سیاسی لیڈر مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے ترقیاتی کاموں پر تعصب کا اظہار کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ری پبلکن پارٹی کے مولا بخش سومرو نے 1957 میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے مزاج کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

کشمیر کے بغیر ہمارا ملک ادھورا ہے۔ہم کشمیر کے بغیر نہیں رہ سکتے246۔

پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان نے کشمیر میں ویٹنام طرز کی جنگ کا مطالبہ کیا247۔جماعتِ اسلامی اور تحریک تکمیلِ پاکستان مستقلاً کشمیر کے لیے آزادی کی ملک گیر تحریک چلانے میں مصروف رہے ہیں248۔ہندوستان کا یومِ جمہوریہ پورے آزاد کشمیر میں یومِ سیاہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔کوہن کے مطابق:

پاکستان کے سول اور فوجی لیڈروں کے لیے احتجاجی ریلیاں اور جلوس

وغیرہ نکالنے کے لیے کشمیر ایک آسان حوالہ ہے تاکہ وہ منتشر گروہوں
کی توجہ قومیت کے تعین کے وقت طلب کام کی طرف سے ہٹا سکیں۔

حکومتِ پاکستان بڑے سلیقے سے میڈیا کو کشمیر میں جنگِ آزادی کے جذبات کو فروغ دینے کے لیے استعمال کر رہی ہے [250]۔ جموں اور کشمیر میں معمول سے ہٹے ہوئے ہر واقعے کو پاکستان میں ہند مخالف مظاہروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب شیخ عبداللہ کی حکوت کو پہلی بار معزول کیا گیا تو یہ محمد علی جناح کی بہن فاطمہ جناح تھیں جنہوں نے کراچی میں مظاہروں کی قیادت کرتے ہوئے پاکستان میں رضا کاروں کو اپنی خدمات کشمیری بھائیوں کی حق پر مبنی جدوجہد آزادی کے لیے وقف کرنے کے لیے کہا [251]۔ پاکستان میں قومی تقریبات مثلاً جناح کے یومِ پیدائش پر عوام کو کشمیر سے متعلق ان کی ذمہ داری یاد دلائی جاتی ہے۔ ہر سال 5 فروری کو پاکستانی عوام اپنی حکومت کی تقلید میں حکومتِ ہند کے قبضے کے خلاف مقبوضہ کشمیر میں آزادی کے متوالوں کے ساتھ یومِ یکجہتی کشمیر مناتے ہیں۔ 20 مارچ 1990 کو قراردادِ پاکستان [252] کی گولڈن جوبلی کے موقعہ پر لاہور میں نکالی گئی عظیم الشان ریلی میں کشمیر کی ہندوستان سے علیحدگی [253] کی جدوجہد میں پاکستان کی مکمل حمایت کا اعادہ کیا گیا۔ 1990 کی ابتدا میں جب کشمیریوں کی بغاوت میں تشدد داخل ہوا تو اسلام آباد نے کشمیر کے ساتھ پاکستان گیر یکجہتی کے نام سے ریلیاں اور دن منعقد کیے [254]۔ پاکستانی پنجاب میں جہاد کانفرنسیں منعقد کی گئیں جن میں اس وقت کے ہندوستانی وزیرِ اعظم وی پی سنگھ کے پتلے جلائے گئے [255]۔ اس دوران اسلام آباد کی تاریخ کا ایک بہت بڑا جلوس پاکستان کے مرحوم صدر ضیاالحق کے صاحبزادے اعجاز الحق کی قیادت میں نکالا گیا۔ امریکہ سے تعلق رکھنے والے جریدے 'ایشیا واچ' تک نے ISI کے بریگیڈیئر امتیاز کے مکارانہ کردار کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اپریل 1990 میں کشمیری مجاہدین کو کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مشیر الحق کو قتل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا ہوا تھا۔ اکتوبر 1992 میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر کشمیری مجاہدین کے ساتھ ان کے حقِ خود ارادیت کی جدوجہد کے ساتھ مکمل یکجہتی کی قرارداد منظور کی [256]۔

فروری 1993 میں ایک آل پارٹیز کانفرنس میں پاکستان کے وزیرِ مذہبی امور مولانا عبدالستار نیازی نے اعلان کیا کہ کشمیر کی آزادی کے لیے جہاد کرنا پاکستانیوں پر فرض ہے اور انہوں نے

خصوصی طور پر 15 سے 35 سال کے صحتمند نوجوانوں سے اس مقصد کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دینے کا تقاضہ کیا[257]۔ پاکستان کے ایک اہم اخبار *The Muslim* نے 7 اپریل 1993 کی اپنی اشاعت میں اس نوع کی اپلیں شائع کیں:

1) کشمیریوں کی مدد کیجیے...... کشمیر جل رہا ہے...... تعاون میں جلدی کیجیے۔
آزادیٔ کشمیر کاؤنسل، A/C 2629-69, HBL City صدر روڈ، راولپنڈی۔

2) اپنے بھائیوں کی مدد کیجیے...... اللہ آپ کی مدد کرے گا۔
آزادیٔ کشمیر کونسل، پی او بکس نمبر: 393۔ راولپنڈی، پاکستان۔
Ph: 9251-587062; Fax: 9251-5851

5 فروری 1994 کو وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے خود پاکستان میں اقوام متحدہ کی استصواب رائے کی قرارداد پر عمل درآمد کرنے کے مطالبے کے لیے عام ہڑتال کی کال دی۔ اس موقعہ پر پورے ملک میں ہندوستان کی مخالفت میں مظاہرے کیے گئے جس میں مشتعل ہجوم کی طرف سے کراچی میں ہندوستانی قونصل خانے پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی[258]۔ ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ جموں اور کشمیر حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز اسلام آباد کے تنخواہ دار ملازم بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں[259]۔

کشمیر پر حملے کے ذریعے قبضہ کرنے میں تین بار ناکامی[260] کے بعد اب پاکستان نے کشمیر میں نسلی امتیاز کا جذبہ جگانے کے لیے درانداز بھیجنے اور پاکستان کے حامی سیاسی گروپوں کو تباہ کن کارروائیوں کی تربیت دینے کی حکمت عملی اپنائی ہے[261]۔ جولائی 1989 میں ایک فوجی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے غالباً اسی حکمت عملی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا:

> ہم کو ہر قیمت پر جنگ کے وہ طریقے اپنانے ہونگے جو کشمیری ذہنوں کے لیے قابلِ قبول ہوں...... دوسرے الفاظ میں اخلاقی اور جسمانی ہم آہنگی کے ساتھ...... خالص فوجی کارروائیوں سے الگ[262]۔

حالانکہ اسلام آباد جموں اور کشمیر[263] کے معاملے میں ملوث ہونے سے انکاری ہے، مگر وہاں ہندوستان کے معاشی اور افرادی وسائل کی تضحیک اگر اسکی جنگ میں شرکت نہیں تو اور کیا ہے؟ جموں اور کشمیر میں پاکستانی مداخلت کے دو واقعات نمایاں ہیں: پہلا 1987 اور

1989 کے درمیان اس وقت جب کشمیر کی مقامی آبادی کو اسلامی عسکری مقصد کے لیے اکسایا گیا' اور دوسرا 1990 سے 1991 جس کی بنیاد بغاوت کا فروغ اور پیشہ ورانہ تربیت پر تھی264۔ پاکستانی جاسوسوں اور مسلح مداخلت کاروں کی گرفتاریوں کی خبروں سے ہندوستانی اخبارات بھرے ہوئے ہیں265۔ لاہور سے نکلنے والے اسلام آباد کے حامی اخبار امروز کے ذریعے ہمیں اس منصوبے کے متعلق بھی پتہ چلتا ہے جس میں ال۔ مجاہد کے جھنڈے تلے سری نگر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی مدد سے کشمیر میں الفتح ٹائپ کی گوریلا جنگ ترتیب دی جاتی تھی جن کو مسلح دہشت گردی کی باقاعدہ تربیت دی گئی تھی266۔ ہندوستانی ذرائع مظفر آباد' لوہا' بلت' علیا پور' اوجہرا' علی آباد' کچی گڑھو' پشاور' اور فیصل آباد وغیرہ میں قائم 46 ٹریننگ کیمپوں کا دعویٰ کرتے ہیں جہاں کشمیریوں کو FIU اور ISI کے افسر مسلح جدوجہد کی تربیت دیتے ہیں267۔ رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں امیدواروں کو اعلیٰ قسم کی مسلح جدوجہد کی تربیت دی جاتی ہے۔ ایسے ہی ایک منظر کا ذکر بے جا نہ ہوگا:

> وہ پیٹ کے بل چلتے ہیں' بارودی سرنگیں بچھاتے اور نشانہ بازی کی مشق کرتے ہیں۔ ان کے دشمن ہندوستانی فوج کے سپاہی ہیں جو پچھلے دس سال سے مقبوضہ کشمیر میں بغاوت کی سرگرمیوں کو کچلنے میں مصروف ہیں268۔

ان کیمپوں میں سے اکثر میں سالانہ 600 سے 700 عسکریت پسندوں کو تربیت دی جاتی ہیں۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سرتاج عزیز نے بھی اعتراف کیا ہے کہ کشمیری مجاہدین پاکستان کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں269۔ مرکز الدعوۃ والارشاد جیسے اداروں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پاکستان بھر میں ان کے 2200 مذہبی مدارس ہیں جہاں پر طلبہ اسلامی تعلیم حاصل کرتے اور جموں کشمیر میں جہاد کے لیے تیاری کرتے ہیں270۔ ایک اور پریس رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 4500 مدرسوں کے اخراجات اور بعض اوقات انتظامی امور کے نگراں مشہور دہشت گردوں کے گروپ ہوتے ہیں جو اُن رضا کاروں کو تربیت دیتے ہیں جو اپنی زندگی کا مشن کشمیر کو ہندوستانی غیر مسلموں کے قبضے سے چھڑانا قرار دے چکے ہوتے ہیں271۔ تمام طلبا کو اسلامی نظریات سے روشناس کرایا جاتا ہے اور گوریلا جنگ کی تربیت دی

جاتی ہے۔زیادہ ذہین طلبا کو جاسوسی کے مشن کا چھ مہینے کا خصوصی کورس بھی کرایا جاتا ہے[272]۔ زیر تربیت افراد اپنے بال نہیں کٹواتے' ڈاڑھی رکھتے اور شلوار پہنتے ہیں۔نواز شریف کے دور حکومت میں دینی تعلیم اور فوجی تربیت سے فارغ ہونے والے طلبا کی یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے ایک قطعہ زمین مختص کیا گیا جہاں سے انہیں سرحد پار دہشت گردی کی کارروائیوں کے لیے بھیجا جائے[273]۔اگر ایسی کسی کارروائی میں کوئی مرجاتا ہے تو اس کی طرف سے اس کے اہلِ خاندان کو پہلے سے مرتب ایک خط بھیجا جاتا ہے جو کچھ یوں ہے:

میرے پیارے والد/ والدہ/ بھائیوں اور بہنوں:

> اگر آپ سچ مچ مجھ سے پیار کرتے ہیں تو آپ کو میری شہادت کی خبر ہمت کے ساتھ برداشت کرنی اور اللہ کا شکر ادا کرنا ہوگا۔ میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے پردے کی پابندی کرنے' گناہوں سے توبہ کرکے خدا سے دعا کرنے کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری شہادت قبول فرمائے۔میں اپنے والد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے بھائیوں کو بھی تربیت حاصل کرنے اور دوسروں کو جہاد کی ترغیب دینے کی ہدایت کریں۔ یہ بہترین راستہ ہے جو سیدھا جنت میں لے جاتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا ٹیلی ویژن سیٹ میری وصیت پڑھتے ہی توڑ ڈالیں تاکہ ہمارا گھر شیطان کے اثرات سے محفوظ ہو اور اللہ ہم سب پر مہربان ہو جائے[274]۔

لشکرِ طیبہ کے سربراہ ذاکرالرحمٰن لکھوی نے ایک پریس انٹرویو میں کہا کہ بھرتی کے خواہشمندوں کی کوئی کمی نہیں لیکن ناکافی ٹریننگ کے باوجود کافی لوگ واپس چلے جاتے ہیں[275]۔1990 میں اس وقت کے آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ نے فخریہ انداز میں کہا:

> پچھلے چھ مہینے کے دوران پاکستان میں تربیت یافتہ عسکریت پسندوں نے ہندوستان کی دو درجن سے زیادہ پوسٹ تباہ کر دیں اور کئی ہندوستانی فوجیوں کو ہلاک کیا۔ 1992 کا موسم گرما فیصلہ کن ثابت ہوگا۔وادیٔ کشمیر کی صورتحال مکمل طور پر ہمارے قابو میں ہے[276]۔

اطلاعات ہیں کہ ISI نے کشمیر میں مخالفانہ کارروائیوں کے لیے ایک مکمل پیشہ ورانہ گروپ تیار کیا ہے جس کو جانباز مجاہدین کا نام دیا گیا ہے...... جو کشمیری اور افغانی رضا کاروں پر مشتمل ہے [277]۔ ISI کے بریگیڈئر محمد سلیم جیسے بعض افسروں کا حوالہ ایسے لوگوں کے زمروں میں آتا ہے جنہوں نے جموں اور کشمیر میں باغیانہ سرگرمیوں کے منصوبے تیار کرنے میں خصوصی مہارت حاصل کر لی ہے [278]۔ پاکستان کے ایک کہنہ مشق صحافی نے جموں اور کشمیر میں ISI کے کردار کا خود بھی ذکر کیا ہے [279]۔ ہمارے پاس کشمیر میں لڑتے ہوئے گرفتار ہونے والے پاکستانی لڑکوں کے اعترافات موجود ہیں [280]۔ 1990 کے دوسرے نصف میں پاکستان نے ہندوستان کی حدود میں داخل ہونے والے گوریلوں کو بھاری آرٹلری اور مارٹر کا تحفظ بھی فراہم کیا ہے۔ بنیاد پرست تنظیم جمعیت علماء اسلام کے سربراہ اور پاکستان کے ایک نمایاں سیاست دان فضل الرحمٰن جو پاکستان کی قومی اسمبلی میں خارجہ تعلقات کمیٹی کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں وہ کشمیری مسلح عسکریت پسند الفاران جیسی تنظیموں سے نزدیکی تعلقات رکھتے ہیں [281]۔ سینیٹر نام سنگھ پر الزام ہے کہ وہ ہندوستان میں مصروف کار دہشت گردوں کی باغیانہ کارروائیوں کی کھلم کھلا حمایت کرتے ہیں [282]۔ ہندوستانی ذرائع پاکستان کے مشہور K-2 Project کے بارے میں اس بات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں کشمیری اور سکھ دہشت گردوں کو متحد کر کے راجستھان اور گجرات کی بین الاقوامی سرحد کو مرکز کے طور پر استعمال کی جائے گی [283]۔ ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے جولائی 1993 میں ISI اور حرکتہ الجہاد اسلامی کا منصوبہ دریافت کیا جس کے ذریعے پورے ہندوستان میں باغیانہ سرگرمیوں پر عمل کیا جانا تھا۔ نومبر 1993 میں ہندوستانی حکومت نے کشمیری عسکریت پسندوں کے ساتھ ایک کارروائی اور درگاہ حضرت بل کے دھماکہ میں...... در پردہ کشمیر میں مذہبی تعصب کی آگ بھڑکانے کا مذموم مقصد لیے [284] پاکستان کی شمولیت کا الزام لگایا...... کہا جاتا ہے کہ اس درگاہ میں حضرت محمد کا موئے مبارک محفوظ ہے۔ چرار شریف کی تباہی کے پیچھے مسلح ماسٹر مائنڈ مست گل کو پاکستان میں ایک ہیرو کے طور پر خوش آمدید کہا گیا [285]۔ ہندوستانی سرحدی محافظوں نے اکتوبر 1995 تک کشمیر میں 3000 غیر ملکی گوریلوں کی موجودگی کا اندازہ ظاہر کیا [286]۔ 12 مئی 1997 کو *The Pioneer* نے ایک رپورٹ شائع کی جس کے مطابق اسلام آباد نے جموں

اور کشمیر میں حریت پسندوں کے 38 کیمپوں کی موجودگی کا اعتراف کیا۔نئی دہلی کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کو منشیات سے حاصل ہونے والا منافع ہندوستان میں علیحدگی پسند تحریکوں میں استعمال کیا جاتا ہے [287]۔دسمبر 1998 کی دہشت گردی اور منشیات کے موضوع پر ہونے والی پاک بھارت بات چیت کے دوران نئی دہلی کے نمائندوں نے نوٹ کیا کہ مختلف بنیاد پرست تنظیموں سے تعلق رکھنے والے 243 پاکستانی اور 48 آزاد کشمیر کے باشندے ہندوستانی فوجیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ 91 پاکستانی اور 34 آزاد کشمیری جموں اور کشمیر میں پاکستانی دہشت گردی کی رضا کاری کے الزام میں ہندوستانی جیلوں میں قید کیے گئے۔نومبر 1998 میں ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے 47,000 آتشیں اسلحہ اور 30,000 کلوگرام دھماکہ خیز اشیاء اور دو عدد ہلکے ہوائی جہاز جو سرحد پار دہشت گردی میں استعمال ہوتے تھے' راجوڑی کے جنگلات میں پاکستان کے تربیت یافتہ عسکریت پسندوں سے برآمد کیے۔اس حقیقت سے جموں اور کشمیر میں ہلاک ہونے والے غیر ملکی رضا کاروں کو شہادت کے درجے پر فائز قرار دینے والی لشکرِ طیبہ اور البدر جیسی تنظیموں کے اسلام آباد کے ساتھ رابطوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ہندوستان کا کہنا ہے کہ پاکستان نے کشمیر میں کنٹرول لائن کے اس پار پروپیگنڈا مہم چلانے کے لیے ایک خفیہ ریڈیو اسٹیشن قائم کیا ہوا ہے [288]۔ہندوستانی حکومت کے لیے کشمیر میں پاکستان کا ردِعمل ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اسلحہ' گولہ بارود اور تربیت یافتہ جنگجو سرحد پار بھیجنے کے علاوہ کچھ اور نہیں [289]۔پریم بھاٹیا نے وضاحت کے ساتھ ہندوستان کی پوزیشن کا ذکر کیا ہے:

> اگر پاکستان کشمیر کی سرزمین پر اپنے جھنڈے کی حرمت اور سربلندی چاہتا ہے تو سمجھ لے کہ ہندوستان میں اس کا ردِعمل ایک جیسا لیکن بالکل مخالفت میں ہوگا [290]۔

کچھ لوگوں کی نظر میں کشمیری مزاحمت 1970 کی مشرقی پاکستان میں بنگالی جدوجہد کے عین مطابق ہے' لیکن اس بار پاکستان اور ہندوستان کے کردار بالکل الٹ ہیں [291]۔

ہندوستانی تبصرہ نگاروں پر بعض اوقات تنقید کی جاتی ہے کہ وہ کشمیر کے معاملے میں پاکستان کے ملوث ہونے کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں' مثلاً کشمیر میں بغاوت کے فروغ کے

لیے کے۔ سبرامنیم نے ایک بار جنرل ضیاالحق کے آپریشن ٹوپک کے بارے میں ذکر کیا مگر بعد میں اس کو اپنی غلطی مانا[292]۔ کچھ بھی سہی' اصل میں کشمیر کی بغاوت میں پاکستان کی مداخلت کے چرچے میں واضح طور پر مغربی ذرائع کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ یورپی اور امریکی مشاہدین نے کشمیر میں مصروف گوریلوں کو جدید ہتھیار اور نئی وردیاں فراہم کرنے میں پاکستان کے کردار کے معاملے میں کھل کر ہندوستانی الزامات کے نظریے کو تقویت بہم پہنچائی ہے[293]۔ امریکہ کے ایک سرکاری اندازے کے مطابق 1990 تک تقریباً 5000 کشمیریوں کو پاکستان میں تربیت دی گئی' جموں اور کشمیر میں 20,000 AK-47 زیر استعمال تھیں[294]۔ The U.S News & World Report کے 11 جون 1990 ' صفحہ: 42 پر امریکہ کی ایک سرکاری تصدیق میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کشمیر میں باغیوں کو مدد اور پناہ فراہم کرتا ہے۔

16 مئی 1994 کو Washigton Post کی رپورٹ ہے کہ ISI ہندوستان میں جماعتِ اسلامی قسم کی تنظیموں سے کس طرح کام لیتی ہے[295]۔ امریکہ کے ڈپٹی نائب سیکریٹری آف اسٹیٹ جان میلوٹ نے 1993 میں تسلیم کیا کہ کشمیر اور پنجاب کے فسادات میں ISI کا ہاتھ ہے[296]۔ 1993 میں ہی اقوامِ متحدہ کی House Republican Terrorism & Conventional Warfare کی Research Committee کے موضوع پر ایک رپورٹ کے ذریعے تصدیق ہوتی ہے کہ ہندوستان میں سرحد پار اسلامی دہشت گردی کی ذمہ داری پاکستان پر عائد ہوتی ہے اس کے اثبات میں اس رپورٹ میں لکھا ہے:

> ISI افغان مزاحمتی تحریک کی تربیت کا ایک وسیع انفراسٹرکچر مکمل کر رہا تھا جو دوسری علاقائی تنظیموں کے لیے بھی اسی قسم کی تربیت اور امداد کے لیے یکساں طور پر استعمال کیا جا سکے۔ لہٰذا افغان دہشت گردوں کی اس تربیت کے فوراً بعد CIA کے یہ تربیت یافتگان ہندوستان روانہ کر دیے گئے جہاں وہ ہندوستانی افسروں کے علاوہ غیر ملکی سفارت کاروں کو نشانہ بنا سکیں[297]۔

1994 میں امریکہ کے ایوانِ نمائندگان کی ایک رپورٹ میں اندازہ لگایا گیا کہ

تقریباً 20,000 نوجوان کشمیریوں کو پاکستان میں تربیت اور اسلحہ فراہم کیا گیا [298] ۔حقوقِ انسانی کی تنظیموں نے کشمیر میں پاکستانی اسلحہ کے استعمال کے ثبوت پیش کیے ہیں ۔ان رپورٹوں میں سے ایک رپورٹ:

> جب کوئی پاکستان کے شمال مغرب میں سفر کرتا ہے تو اقوامِ متحدہ کی طرف سے افغان جنگ کے لیے فراہم کردہ اسلحہ شمال مغربی سرحدی صوبے کے بازاروں میں کھلے عام فروخت ہوتے ہوئے دیکھ سکتا ہے [299] ۔

امریکہ کا اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ' حرکتہ الانصار کو کشمیر میں جذبۂ جہاد کے ساتھ لڑنے والے گروپ کے طور پر پہچانتا ہے [300] ۔

مئی 1999 کی ابتدا میں ہندوستانی فوج اور ائیر فورس کی پاکستان کے مداخلت کاروں کے ساتھ جموں کشمیر کے دراس کارگل بٹالک کے بلند محاذ پر کئی جھڑپیں ہوئیں ۔ پاکستان کی براہِ راست مداخلت کسی شک وشبہ کے بغیر وہاں گرفتار ہونے والے ایک مداخلت کار کے پاس پاکستانی فوج کا شناختی کارڈ ہونے سے ثابت ہوتی ہے [301] ۔حیرت انگیز طور پر جماعتِ اسلامی کے اخبار جسارت کے ذریعے کارگل میں پاکستانی مداخلت کو بے نقاب کیا گیا ہے ۔اس میں جماعت کے فعال کارکن عبدالکریم عابد کے مضمون میں جنگجوؤں اور کارگل کی صورتحال پر حکومت پاکستان کے دوغلے پن کی مذمت کی گئی ہے:

> کشمیر کی جنگ لڑنے کے لیے ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہئے ۔ پہلے جنگجو تیار کرنا اور بین الاقوامی سطح پر اس سے انکار کرنے کی دوغلی حکمت عملی اختیار کرنے سے کام نہیں بنے گا......ایسے جھوٹ کے ذریعے پاکستان کو نہ پہلے کوئی فائدہ ہوا ہے اور نہ اب کوئی امید کی جاسکتی ہے ۔ جہاد جھوٹ کی بنیادوں پر نہیں کیا جاسکتا ۔پاکستان کے پالیسی سازوں کو دنیا پر واضح کرنا ہوگا کہ مجاہدین جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ ہماری جنگ ہے ۔ان کی پشت پر ہماری فوجیں ہیں جو ان کی ہر قسم کی مدد کریں گی' اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو جنگی سرگرمیوں میں حصہ بھی لے سکتی ہیں [302] ۔

اطلاعات کے مطابق اسلام آباد نے خود بھی جموں کشمیر کی پاک بھارت سرحد کے

کارگل سیکٹر پر حالیہ حملے کے لیے 14 جہادی تنظیموں پر مشتمل متحدہ جہاد کونسل کی تشکیل میں مدد دی ہے [303]۔ مئی 1999 میں جاری کی گئی ایک پریس رپورٹ کے مطابق پاکستانی پارلیمنٹ کے رکن میاں غلام رسول ہندوستانی سرزمین پر کشمیری انتہا پسندوں کے تربیتی پروگرام میں بہت زیادہ ملوث ہیں [304]۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سرتاج عزیز کارگل میں مسلمان مجاہدوں کی موجودگی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے حالانکہ وہ اس میں اپنے ملک کو ذمہ دار ٹھہرانے سے انکار کرتے ہیں [305]۔ *The Times* کی ایک رپورٹ کے مطابق بہت سے اینگلو پاکستانی بھی کارگل میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنے کے لیے یہاں آئے [306]۔ مغربی مکتوب نگار عام طور پر ہندوستان کے اس دعوے کو درست مانتے ہیں کہ کارگل کے واقعہ میں پاکستان کا ہاتھ ہے۔ ایسے ہی ایک مبصر کا کہنا ہے:

> ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ واقعات کا ہندوستانی تجزیہ درست ہے: ساز و سامان سے خوب اچھی طرح آراستہ، مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ یہ عمل پاکستان کی اعلیٰ ترین مقتدرہ کی رضامندی کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا [307]۔

غیر ملکی مبصرین کا کہنا ہے کہ امریکن ساختہ اسٹنگر میزائل مجاہدین کو ہیلی کاپٹر مار گرانے کے لیے پاکستان نے فراہم کیے [308]۔

کارگل کا واقعہ بہرحال ہمیں آزاد کشمیر میں اٹھنے والی آوازوں سے بے خبر رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، جہاں کشمیر کی آزادی کے لیے دیکھا جانے والا خواب ایک ڈراؤنے خواب میں بدل گیا ہے۔ پاکستانی کشمیر کے دو نمایاں جغرافیائی خطے ہیں: (1) مظفرآباد کے پانچ ضلعے: باغ، راولاکوٹ، کوٹلی اور میرپور بشمول خاص آزاد کشمیر...... اور (2) گلگت، بلتستان، اور ملحقہ ہمالیائی خطہ جسے شمالی علاقہ جات کہا جاتا ہے۔ جبکہ 1947 کے بعد سے شمالی علاقہ جات براہِ راست کسی حقیقی انتخابات اور درست قانونی نظام کے بغیر پاکستانی وزارت امور کشمیر کے زیر تحت ہیں، البتہ آزاد کشمیر کی حکومت میں مقامی باشندوں کے پاس اختیارات ہونے کے باوجود عملاً وہ اسلام آباد ہی کے تحت ہے۔ پاکستانی کشمیر کے باشندے اپنے ان سیاسی حقوق سے محروم ہیں جو پاکستان کے دوسرے حصوں کے عوام کے پاس ہیں۔ 25 اپریل 1994 کو اسلام آباد نے پاکستان کے اس حصے کے لیے آئینی اصلاحات کا ایک منصوبہ متعارف کرایا۔

مگر وہ عوام کی توقعات سے کم ہونے کی وجہ سے تمام سیاسی پارٹیوں کی طرف سے رد کردیا گیا جس کے نتیجے میں 12 پارٹیوں پر مشتمل الائنس نے وفاقی حکومت پر الزام لگایا کہ اس میں وہ بنیادی حقوق بھی تسلیم نہیں کیے گئے جو ان کو ہندو مہاراجہ کے دور میں حاصل تھے۔ آزاد کشمیر میں چیف سیکریٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس جیسے تمام کلیدی عہدوں پر وفاقی حکومت کے مقرر کردہ عہدیدار فائز ہیں۔ 1960، 1964 اور 1974 کی آئینی دفعات حکومت آزاد کشمیر کو زیادہ جمہوری بنانے کے نظریے سے وضع کی گئی تھیں۔ مگر یہ سب قانونی دفعات آزاد کشمیر کونسل کو پاکستان کے وزیراعظم کے تحت کام کرنے کا پابند رکھتی رہیں [309]۔ اردو کو آزاد کشمیر کی سرکاری زبان کے طور پر مسلط کیا گیا؛ معاشی طور پر یہ صوبہ پسماندہ ہی رہا جس کی وجہ سے اسلام آباد کی مالی امداد کا محتاج رہنے پر مجبور ہے۔ آزاد کشمیر میں تعینات مسلح افواج بھی وفاق کے زیرِ کمان ہیں [310]۔ حالانکہ اسلام آباد جموں کشمیر کی شورش کو حقِ خود اختیاری کی جدوجہد قرار دیتا ہے مگر آزاد کشمیر میں خود اختیاری کے اس حق کو پاکستان کے حق میں استعمال کرنا ضروری قرار دیتا ہے [311]۔ آزاد کشمیر میں ایک کشمیری کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق نہیں اگر وہ:

> کسی طور سے نظریۂ پاکستان کی مخالفت کرتا ہے...... یا پاکستان کی سالمیت اور بقا کا مخالف ہے...... یا آزاد جموں اور کشمیر کی سلامتی اور تحفظ کا مخالف ہے...... یا آزاد جموں وکشمیر اور پاکستان کی مجلسِ قانون ساز کی آزادی کا مخالف ہے...... یا جو پاکستان یا آزاد جموں وکشمیر کی عدلیہ یا پاکستان کی مسلح افواج کو بدنام کرتا ہو [312]۔

آزاد کشمیر کا کوئی فرد یا سیاسی پارٹی ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے نظریے کے خلاف کسی قسم کی تحریک یا کارروائی میں حصہ لینے کا مجاز نہیں [313]۔ درج ذیل قانونی شقیں آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے اگست 1991 میں شہریوں کے لیے انتخابی جرم قرار دیتے ہوئے دہرائیں:

(1) علاقے کے پاکستان کے ساتھ الحاق پر تنقید کرنا۔

(2) آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کو 1947 کی حالت میں لانے کے لیے جموں اور کشمیر کے ساتھ اتحاد کی وکالت کرنا۔

(3) جموں اور کشمیر کی آزادی کی وکالت کرنا۔
(4) برصغیر کی تقسیم پر تنقید کرنا۔
(5) آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان میں مستقلاً پاکستان کی مسلح افواج کی تعیناتی پر یا آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں پر تنقید کرنا۔

اگر آزاد کشمیر کے سیاستدان جو زیادہ تر مقامی برادریوں کے سرکردہ افراد ہوتے ہیں اسلام آباد کے تبدیل شدہ حاکم کو تسلیم کرنے سے انکار کریں گے تو وہ اپنی ملازمتوں سے برخاست کر دیے جائیں گے[315]۔ اس کا مظاہرہ جولائی 1991 میں اسلام آباد کے ساتھ ناپسندیدہ رویہ کے باعث آزاد کشمیر کے منتخب وزیر اعظم ممتاز راٹھور کے ساتھ کیا گیا جب نہ صرف ان کی کابینہ کو برطرف کیا گیا بلکہ خود ان کو بھی جیل میں ڈال دیا گیا[316]۔ جیسا کہ روز نے جائز طور پر تبصرہ کیا ہے:

> اب مظفر آباد بھی اسلام آباد کی مداخلت سے اتنا ہی آزاد نہیں ہے جتنا سری نگر نئی دہلی کی مداخلت سے[317]۔ اس رجحان کا تسلسل بالآخر آزاد کشمیریوں اور پاکستانی ریاست کے تصادم پر منتج ہوگا[318]۔ بطور خاص میر پور جیسے علاقے کا وفاقی حکومت کی امتیازی معاشی پالیسی پر ردِ عمل۔

مثال کے طور پر جب منگلا ڈیم کراچی کو بجلی سپلائی کرنے اور پنجاب کے نہری نظام کے لیے محفوظ ذخیرۂ آب کا کام دیتا ہے تو یہ میر پور کے لیے سیلابوں اور ماحولیاتی عدم توازن کا سبب بنتا ہے۔ میر پور کے لوگ بجلی کی شدید کمی کا بھی شکار رہتے ہیں۔ 1998 کے دوران آزاد کشمیر میں اسلام آباد مخالف جذبات محسوس کیے گئے جس کے بعد ISI کی طرف سے آزاد کشمیر کے کئی سرکردہ لیڈر اغوا کیے گئے۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی مداخلت کی درخواستیں بھی کی گئیں[319]۔ کشمیر جمہوری محاذ نوعیت کے گروپ مذاکرات کے ذریعے مسئلۂ کشمیر کے حل پر زور دیتے ہوئے اور بتدریج اپنی معیشت کا انحصار دوقومی نظریے کو رد کرتے ہوئے اسلام آباد پر کم سے کم کرتے جا رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کے ضلع پونچھ کے آفتاب حسین کا تجربہ شاید لوگوں کو بھولا نہ ہو۔ 1991 میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے صوبائی اسمبلی کا نومی نیشن فارم بھرتے ہوئے آفتاب احمد نے یہ جملے حذف کر دیے: (نظریۂ پاکستان، ریاست کا پاکستان کے ساتھ

الحاق اور پاکستان کی سلامتی) اور اس کے بجائے (جموں اور کشمیر کی آزادی) لکھ دیے' اور اس کے فارم رد ہو گئے 320۔ پچھلے چند سالوں کے دوران اس قسم کے واقعات تصدیق کرتے ہیں کہ آزاد کشمیر میں آزادی کے جذبات فروغ پا رہے ہیں 321۔ آزاد کشمیر کے باشندوں کو آپس میں بھی کشاکش کا سامنا ہے جس کی وجہ سے ان کے آپس میں بھی تصادم ہوتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر 27 اپریل 1998 نامعلوم مسلح شخص نے مظفر آباد 322 سے 275 کلومیٹر دور ایک گاؤں میں 22 آدمیوں کو قتل کر دیا' گو اس واردات میں پاکستان نے ہندوستان کے ملوث ہونے کا الزام لگایا ہے 323۔ یہ بات اس طرح سے بھی کہی جاسکتی ہے کہ آزاد کشمیر پاکستانی فوجی بیوروکریسی کے ہاتھوں اسی طرح متاثر ہے جس طرح وادی کشمیر بھارت کے جمہوری دور میں متاثر رہا ہے 324۔ جموں اور کشمیر میں کم از کم جمہوری سیاست کے لوازم تو موجود ہیں خواہ وہ بہت سے موقعوں پر بروئے کار نہ لائے جاتے ہوں۔ خواہ جموں اور کشمیر میں انتخابات ہمیشہ صاف ستھرے نہ ہوتے ہوں' مگر قومی اور بین الاقوامی سطح کے مبصروں نے 1977 کے پارلیمانی انتخابات ہر پیرائے میں صاف ستھرے قرار دیے ہیں۔ کیا آزاد کشمیر میں ایسے معیار کے انتخابات کا تصور ممکن ہے؟ جبکہ جموں کشمیر کے گذشتہ انتخابات کے دوران کسی قابلِ ذکر دھاندلی کی کوئی رپورٹ نہیں ہے۔ اس الیکشن میں ووٹروں کا ٹرن آوٹ بھی معقول رہا۔ دیگر یہ کہ جموں کشمیر کی پارلیمانی سیاست میں ہندوستانی حکومت پر تنقید بھی کی جاتی ہے جو آزاد کشمیر میں ناقابلِ تصور ہے۔

7- کشمیر کی موجودہ پیچیدگی اور ہندوستان:

ہندوستان کا کشمیریت کو اسلامی رنگ دینے اور طاقت کے بل پر وفاداریاں بدلنے کی کوششوں کے خلاف *Economic & Political Weekly* کے مطابق ہندوستان کے حق میں ریاست کے پلیٹ فارم سے چلائی جانے والی ہندوستانیت کی تحریک ہے جو ہند اور ہندو قومیت کی بالاتری کے مصداق ہے 325۔ یہ تحریک کشمیری مسلمانوں میں سماجی کمتری کے احساس کو جنم دینے کا باعث بنی۔ ہندوستانیت کی یہ تحریک بعض اوقات سرکاری پریس ریلیز میں زبان کی یکسانیت کے لیے ایسی احمقانہ حرکات کو جنم دیتی تھی' جیسی کہ آل انڈیا ریڈیو کے

نیوز سروس ڈویژن کے 12 جنوری 1990 کے ایک پریس ریلیز میں یاددہانی کے مطابق:

متعلقہ زبانوں بشمول ہندی' اردو' اور کشمیری کے خبریں پڑھنے والے مترجم' انڈیا کے لیے بھارت کا لفظ استعمال کریں' صدر کے لیے راشٹر پتی' نائب صدر کے لیے آپ راشٹر پتی اور وزیراعظم کے لیے پردھان منتری استعمال کریں۔

دوسری طرف ہندوستانی حکومت جموں اور کشمیر میں امنِ عامہ کے نفاذ کے لیے سخت اقدامات کرنے لگی۔ 1993 کے وسط تک صوبے میں 175,000 فوجی اور 30,000 پیراملٹری افسران تعینات کیے جا چکے تھے[327]۔ جموں اور کشمیر کے سالانہ اخراجات کا 60% سیکورٹی کی مد میں خرچ ہوتا ہے[328]۔ صوبے کے عوام مستقل طور پر خانہ تلاشی' گرفتاریوں اور نہ ختم ہونے والے کرفیو راج میں رہنے پر مجبور ہو گئے[329]۔ خانہ تلاشی کے دوران زیادتی' وحشت اور بربریت کے مظاہرے بھی عام طور پر ہونے لگے۔ ستم کے شکار ایک فرد کے مطابق:

سیکورٹی فورس کے اہلکار میرے چاولوں میں تیل ملا دیتے' قہوہ میں پسی ہوئی مرچیں ڈال دیتے' پورے گھر کو اجاڑ کر رکھ دیتے[330]۔

سیکورٹی اہلکاروں کے لامحدود اختیارات یاد کرنے والے دو ہندوستانی صحافیوں کی یادداشتیں:

اسلحہ بردار جوان ہوشیاری کے ساتھ اپنی پناہ گاہ سے نکلتا ہوا راستے کے درمیان جمع ہو جانے والے تماش بینوں پر غرایا: اوئے چتلو! خاموش ہو جاؤ اور اپنی بکواس بند کرو بلند آہنگ چہ میگوئیوں کو بند کرنے کے لیے ایک یہی تحکمانہ آواز کافی تھی۔

کسی جوان کی غلطی سے گیس سلنڈر پھٹنا' یا ٹائر پھٹنے کی آواز سے جنگجوؤں کی فائرنگ کے دھوکے میں حفاظتی انتظامات کرتے رہنے سے کشمیری مسلمانوں کی نفسیات پر نہایت مضر اثرات مرتب ہوئے ہیں[332]۔ پیراملٹری فورسز کی مسلم دشمنی اور جانبداری[333] مجاہدوں کی پاکستان سے وفاداریاں استوار کرنے میں مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ مولوی محمد فاروق جیسے فرشتہ صفت انسان اور ڈاکٹر فاروق حیدر جیسے قابل ڈاکٹر اور باعزت کشمیری کا قتل

واضح طور پر ہندوستانی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی ہدایت کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے۔ مولوی محمد فاروق کے جنازے میں 50 سے زائد سوگواروں کو گولیوں سے بھون ڈالنے کی وجہ سے کشمیری مسلمانوں کے ایک بہت بڑے حصے میں ہندوستان پر سے اعتماد بالکل ختم ہو گیا[334]۔

تحقیقاتی رپورٹوں کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سیکورٹی فورسز کے بے رحمانہ سلوک کی وجہ سے کتنے ہی معصوم شہری جنگجوؤں میں بدل گئے ہیں[335]۔ 1990 کا 'جموں کشمیر مسلح افواج کے خصوصی اختیارات کا آرڈیننس' ان کو ہر قسم کے احتساب کے خوف سے بے نیازی فراہم کرنے کا سبب بن گیا ہے[336]۔ آپریشن ٹائیگر اور آپریشن شیوا بطور خاص ہندوستانی فوجوں کے سفاک ترین آپریشن تھے[337]۔ کہا جاتا ہے کہ ایک موقعے پر ہندوستان نے پاکستانی دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے اسرائیلی مدد حاصل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا[338]۔ ذمہ دار افسروں کے تخمینے کے مطابق 1993 تک باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے 7000 جانیں ضائع ہو چکی تھیں' اور جانبازوں کے دعووں کے مطابق یہ تعداد 25,000 تک پہنچتی ہے[339]۔ 1990 اور 1995 کے دوران کشمیر میں دہشت گردی کے واقعات کے ایک اور سروے کے مطابق 12,000 شہری ہلاک ہوئے[340]۔ جنوری سے اگست 1995 کے دوران بھارتی فوج کی فائرنگ کے 2,170 واقعات ریکارڈ کیے گئے۔ اسی مدت کے دوران 650 شہری اور 160 فوجی اور 80 مجاہدین لائن آف کنٹرول پر ہندوستان کی حدود میں داخل ہوتے وقت ہلاک ہوئے[341]۔ انسانی حقوق کی بہت سی تنظیمیں انڈین گورنمنٹ پر کشمیر کے معاملے میں واضح پالیسی نہ رکھنے کا الزام لگاتی ہیں۔ کم و بیش 30,000 کشمیری علیحدگی پسندوں کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ ہندوستانی جیلوں میں قید ہیں اور حقوق انسانی کی تنظیمیں مسلسل ہندوستانی حکومت پر کشمیریوں کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے الزامات لگا رہی ہیں[342]۔ ہندوستانی کیمپوں میں گرفتار شدگان پر تشدد کیا جاتا ہے' قانونی مدد حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے اور عام طور پر ایسے لوگوں کو گمشدہ قرار دیا جاتا ہے۔ انڈین سیکورٹی فورسز کے خلاف دائر کیے جانے والے مقدمات خارج کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کشمیر کے جلیلی اندرابی جیسے معروف قانون دان تک کو نہیں بخشا گیا۔ 1966 میں وردی میں

ملبوس انڈین فوجیوں نے ان کو کار سے کھینچ کر ان پر تشدد کیا اور گولی مار کر ہلاک کر دیا[344]۔ کئی بار انڈین گورنمنٹ کو سری نگر ہائی کورٹ کی طرف سے گرفتار ہونے والے نوجوانوں کی گمشدگی کی جوابدہی کرنی پڑی[345]۔ انڈین پریس کونسل کی ایک پینل رپورٹ میں جموں اور کشمیر میں حقوقِ انسانی کی ملکی سطح پر خلاف ورزیوں کی تفصیل بھی جاری کی جا چکی ہے:

حقوقِ انسانی کی صورت حال باقی ماندہ انڈیا میں بھی محفوظ نہیں ہو سکتی جب تک کہ کشمیر میں ان پر عملدر آمد نہیں ہوتا۔ یہ خلاف ورزیاں تجاوزات ہیں اور ملک کی جمہوری عمارت کے لیے خطرناک بھی۔ مختصر یہ کہ ہندوستان کی دیگر متاثرہ اقلیتوں سے قطع نظر اس معاملے میں کشمیری خود کو مزید گروہوں میں تقسیم کر لیں گے اگر ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی رہے اور ان کی مجموعی نفسیات کو مجروح کیا جاتا رہے[346]۔

جموں کشمیر میں جگ موہن کی گورنری کو اکثر مبصروں نے جارحانہ قرار دیا ہے۔ ان کے دور میں معمولی علیحدگی پسندی کے واقعات کو مکمل بغاوت کی شکل میں بدل دیا جاتا تھا۔ ہندوستانی انتظامیہ کے ایک سینئر افسر اشوک جیٹلی کے بقول:

جو کچھ جگ موہن نے پانچ مہینے میں کر دیا وہ کشمیری مجاہدین پانچ سال میں بھی نہیں کر سکتے تھے[347]۔

معروف ہندوستانی صحافی ایم۔ جے اکبر نے گورنر جگ موہن کو غالباً RAW[348] کے اشارے پر کشمیری ہندوؤں کے وادی سے انخلاء کی ہمت افزائی کے باعث مسئلہ کشمیر کو نسل پرستی کے ایک انتہائی حساس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے[349]۔ بہت سے مبصروں نے نتیجہ نکالا ہے کہ کشمیر کی جنگ میں (عموماً خاموشی کے ساتھ) عورتیں سب سے زیادہ متاثر ہوتی رہی ہیں۔ یا تو وہ فائرنگ کے تبادلوں میں جاں بحق ہوتی رہی ہیں یا عوامی مظاہروں کے دوران کسی گولی کا نشانہ بنتی رہی ہیں' لائن آف کنٹرول پر گرینیڈ کے دھماکوں میں کام آئی ہیں' یا سیکورٹی فورسز' حکومت مخالف جنگجوؤں اور حکومت کے حامی جانبازوں کے ہاتھوں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنتی رہی ہیں[350]۔ جبر کے ایسے واقعات کی تشہیر نہیں کی جاتی جن میں مسلح افراد کے ہاتھوں جنسی تشدد

کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں 351۔ بہر حال اس بات پر دوبارہ زور دینے کی ضرورت ہے کہ مسلح سیکورٹی فورسز کی طرف سے جنسی تشدد کے واقعات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا کیونکہ مسلح جانبازوں کے باقاعدہ منصوبہ بندی سے مسلح افواج پر حملے دانستہ فوجیوں کے ایسی حرکت کے مرتکب ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلح افراد کے سول آبادی پر اپنی حکمرانی نافذ کرنے سے بھی سیاسی آزادی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان کے قومی دھارے کا پریس' کشمیر میں حقوقِ انسانی کی سیکورٹی فورسز یا مسلح افراد کے ہاتھوں پامالی کی صحیح تصویر کشی نہیں کرسکا جس کے ذریعے قوم کی مرکزی سوچ کی عکاسی ہوسکتی 352۔

جموں کشمیر میں ہندوستان کی قومی پالیسی نے کشمیر میں علیحدگی پسندی کے رجحان کو تقویت بہم پہنچائی ہے۔ کشمیری مجاہدین اور ہندوستانی فوجیوں کے مابین تصادم' پولیس اسٹیشنوں کی تباہی اور ان کے نتیجے میں ہتھیار اور گولہ بارود کا نقصان' سرکاری املاک پر حملے اور ہڑتالیں آئے دن رونما ہونے والے واقعات ہیں۔ کسی کسی موقعہ پر ہندوستانی انتظامیہ کے خلاف ہونے والے مارچوں میں 30,000 سے زائد افراد شریک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں کشمیری بلاناغہ گہری برفانی رکاوٹیں عبور کر کے' مشکل پہاڑی میدانوں سے گذرتے ہوئے جوانوں کی نظروں سے چھپ کر آزاد کشمیر کی طرف فرار ہوجاتے ہیں' پاکستان سے ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے لوگ جموں کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جس کی بنا پر دونوں طرف کی سیکورٹی فورسز کے مابین فائرنگ کے تبادلے ہوتے ہیں 353۔ 15 مارچ 1990 کے India Today میں تحریر ہے کہ کس طرح مہندی کی ایک خصوصی تقریب کے بعد جموں کشمیر کے خاندانوں نے اپنے 15 سالہ بیٹے تربیت کے لیے پاکستان بھیجے۔ درج ذیل رپورٹ' غالباً تھوڑے بہت مبالغے کے باوجود صورتحال کو مزید تشویشناک بنادیتی ہے:

> ایک کشمیری گاؤں کے سردار سید انور شاہ کے بیان کے مطابق ہندوستانی فوجیوں نے ان کے گاؤں کو فوجی کیمپ میں تبدیل کردیا۔ اسکولوں کو بند کردیا گیا' مساجد کو تالے ڈال کر جمعہ کی نماز پر بھی پابندی لگادی گئی' میں نے گاؤں کے ہر فرد کو بتادیا کہ میں گاؤں چھوڑ رہا ہوں' جو یہاں

رہنا چاہے وہ اپنی ذمہ داری پر رہ سکتا ہے۔ اب وہ اپنے گاؤں کے 150 افراد کے ساتھ مظفر آباد میں فائر بندی لائن کے پار رہ رہا ہے۔[354]

ایک پاکستانی رپورٹر یقیناً جھوٹ نہیں بول رہا جب وہ کہہ رہا ہے:

1990 کے موسم گرما میں راقم کی ملاقات راولپنڈی میں دو حریت پسندوں سے ہوئی۔ ایک سترہ سال کا اور دوسرا اٹھارہ سال کا تھا' میرے سوال کے جواب میں کہ وہ پاکستان کیوں آئے ہیں' پہلے نے کہا کہ میرے دو بڑے بھائی تھے' سب سے بڑے بھائی کو ہندوستانی فوجیوں نے قتل کر دیا اور دوسرے کو اغوا کر لیا جس کے بارے میں ہمیں آج تک کچھ پتہ نہیں...... چونکہ اس کا کالج بند تھا اس لیے وہ اپنے والدین سے اجازت لے کر سرحد پار چلا آیا تا کہ اگر وہ تربیت اور کچھ ہتھیار لے کر واپس جا سکا تو وہ چوہوں کی طرح مرنے کے بجائے دشمن سے لڑتے ہوئے ایک ہیرو کی طرح جان دے سکے۔ دوسرے نوجوان نے کہا کہ اس کے والد ایک انڈین فوجی کی گولی سے ہلاک ہوئے'......اس کی بیوہ ماں نے اس کو کہا: بیٹے مرنے یا پکڑے جانے کا انتظار کیوں کرتے ہو؟ ...... پاکستان جاؤ! اگر تم تربیت اور ہتھیار لے کر آنے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے کہ شہادت سے پہلے تم ان ظالم ہندوستانی فوجیوں کو ہلاک کر سکو[355]۔

آزاد کشمیر کے چیف سیکریٹری راحت اللہ خان کے مطابق صرف مئی 1990 کے ایک مہینے کے دوران مقبوضہ کشمیر سے تقریباً 5000 مہاجر یہاں آئے۔ ان میں اکثریت 18 سے 30 سالہ نوجوانوں کی تھی جن میں بینک منیجر' طالب علم اور باصلاحیت آرٹسٹ بھی شامل تھے[357]۔

نئی دہلی کی اس آتشیں پالیسی نے غیر جانبدار کشمیریوں کے بڑے بڑے گروپوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ نئی دہلی سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ریاستی جبر

سے فرار۔ کشمیر سرکار کے ایک افسر نے اس عمومی رویئے کے بارے میں بتایا:

جنوری 1990 تک میں مسلح جدوجہد کرنے والوں کے خلاف تھا' آج میں ان کی حمایت کرتا ہوں[358]۔

ہندوستان کے خلاف کشمیریوں کی بداعتمادی کو سابق ہندوستانی وزیر اعظم نرسمہا راؤ کی درخواست پر مولانا انصاری کے وادی کشمیر میں انتخابات کے لیے سازگار فضا پیدا کرنے کی درخواست کے جواب نے کسی حد تک زائل کیا تھا۔ ایسی حالت میں کہ وادی کا ہر گھر متاثر ہے سیاسی حالات کی بحالی کے موضوع پر بات کرنے کا خیال نہایت احمقانہ ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ اپنے مفادات کی خاطر ہندوستان کے ساتھ تعلقات رکھنے پر مجبور تھے ان کو بھی نشانہ بنانے سے گریز نہیں کیا گیا[359]۔ ان کے ہم آواز پاکستان کی حامی مسلم کانفرنس پارٹی کے لیڈر عبدالغنی نے جموں کشمیر میں شفاف انتخابات کے تصور کو رد کرتے ہوئے کہا:

ہندوستانیوں نے کشمیر میں موجود تمام بند ڈھا دیے ہیں اور اب وہ ایسی جگہوں پر بند بنانا چاہتے ہیں جہاں کسی دریا کا کوئی وجود نہیں ہے[360]۔

6 دسمبر 1992 کو ہندو مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں بابری مسجد کے انہدام[361] اور شیوسینا کے بال ٹھاکرے کی ایسی دھمکیاں کہ جو ہندوستان کے وفادار نہیں وہ کشمیر چھوڑ دیں' نے کشمیری مسلمانوں کے اعصاب پر جنونی ہندوؤں کی بالادستی کا خوف مسلط کر دیا ہے۔

15 جنوری 1990 کے *New York Times* کی ایک رپورٹ کے مطابق:

ہندوستان کے مقبوضہ کشمیر جانے والے وہاں کی عام بات چیت میں ایک بات بطور خاص محسوس کرتے ہیں: مسلح جدوجہد کرنے والوں کے لیے احترام' حکومت کے لیے غصہ اور ہندوستان سے نجات کی خواہش۔

یہی جذبات وہاں کی خواتین میں بھی یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔

Newsweek اپنے 5 فروری 1990 کو ختم ہونے والے ہفتے کے شمارے میں لکھتا ہے:

وہاں کے چپے چپے پر ایک ہی ناقابلِ بیان پیغام لکھا ہوا ملتا ہے:

ہندوستانی خنزیرو! واپس جاؤ۔

کشمیری ایک ایسی تحریک میں مشغول ہو گئے ہیں جس کو فلسطینی تحریک انتفادہ کے

مماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ غیر ملکی صحافیوں کو اکثر لگتا ہے کہ وہ لوگ غیر معمولی طور پر اپنے فرض سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کے ایک سابق وزیر داخلہ مفتی محمد سعید تسلیم کرتے ہیں:

> موجودہ حالات کا کوئی متبادل نہ پا کر وہاں کے عوام اپنی امیدیں مجاہدوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ انتظامیہ اور دیگر سرکاری ادارے یکسر مفلوج ہو چکے ہیں[362]۔

کچھ محققین کشمیریت کو اسلامائز کرنے کے عمل میں کسی قسم کے ردِ عمل کا عنصر تسلیم نہیں کرتے[363]۔ مگر وادی میں قدامت پسند نظریات کے فروغ میں اسلامی بنیاد پرستوں کے کردار سے نظریں چرانا ممکن نہیں۔ کشمیر میں مجاہدین کے نظریاتی بندھن طالبان کے نظریات سے جڑے نظر آتے ہیں۔ وہ سختی کے ساتھ اسلام کے عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں جس میں ہلکی تفریحات بشمول موسیقی اور ٹیلی ویژن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مغربی لباس ان کے لیے منع ہے۔ مجاہدین ڈاڑھی نہیں منڈاتے' روایتی تھیلے نما شلوار اور لمبی قمیض پہنتے ہیں اور اپنی تصویر اتروانا پسند نہیں کرتے[364]۔ The Times کے صحافی Christopher Thomas نے وادی میں انتہا پسند تنظیموں کے طفیل اسلامی بنیاد پرستی کے گہرے اثرات کا ذکر کیا ہے:

> کم و بیش تمام عورتیں برقعے میں ملبوس تھیں۔ وڈیو کی دکانوں پر صرف پاکستانی فلموں کے وڈیو دستیاب تھے۔ دوکانداروں نے عجلت میں اپنے تمام سائن بورڈ اردو میں لکھوا لیے تھے۔ سنیما ہال کو اخلاقی انحطاط کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اس لیے بند کر دیے گئے تھے۔ شراب خانوں پر غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے اب صرف چائے فروخت ہو رہی تھی[365]۔

1990 کی ابتدا سے مجاہدین نے ہر اس چیز کے بائیکاٹ کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہوئی ہے جس کا تعلق ہندوستان سے سمجھا جاتا ہو[366]۔ ہندوستان کا یومِ جمہوریہ' یومِ آزادی اور نہرو کا یومِ پیدائش سب یومِ سیاہ کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ شیخ عبداللہ کا یوم وفات 8 ستمبر کو یومِ نجات سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف ان موقعوں پر پاکستانی اور جموں کشمیر محاذ آزادی کے پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ ایک موقعہ پر حریت پسندوں نے اپنی گھڑیاں پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق کرنے کی کوشش بھی تھی[367]۔ وہ لوگ انڈیا کے ٹی وی چینل

دوردرشن کے مقابلے میں بی بی سی اور پاکستان ٹیلی ویژن کی نشریات پر انحصار کرتے ہیں[368]۔ India Today نے اپنی 31 مئی 1993 کی اشاعت میں علیحدگی پسندوں کی طرف سے کچھ علاقوں کو آزاد علاقہ قرار دیے جانے کی رپورٹ شائع کی ہے جن میں بارہ مولا' سری نگر اور اننت ناگ کے صوبے شامل ہیں۔ ان کو اتنا محفوظ اور محصور بنا دیا گیا کہ ہندوستانی فوج تک ان علاقوں میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اننت ناگ کے کچھ علاقوں کو چھوٹا پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ 1990 کے ابتدائی ہنگامہ خیز دنوں میں کشمیری مسلح جنگجو آزادی سے مہلک ہتھیار اٹھائے صحافیوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور ان کے لیڈر مساجد میں جمعہ کی نماز کے اجتماعات سے خطاب کرتے رہے[369]۔ کشمیر کے مسلمان وکلا کا ایک طبقہ اور بیشتر سرکاری ملازمین برسرِ عام ان مسلح جنگجوؤں کی معاونت کرتے رہے[370]۔ 22 اپریل 1993 کو کشمیری پولیس نے بھی پیراملٹری فورس کی تحویل میں اپنے ساتھیوں کی ہلاکت پر احتجاجاً ہڑتال میں حصہ لیا۔ چھ دن بعد تک ہندوستانی فوج ان باغی پولیس والوں کو غیر مسلح کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ مارچ 1995 کا چرار شریف کا واقعہ اور اس کے فوراً بعد الفاران کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں یرغمال غیر ملکیوں کو چھڑانے میں حکومت کی ناکامی جموں اور کشمیر میں انتظامی صورتحال کا منہ بولتا ثبوت ہیں[372]۔ یہ حقیقت کہ 1993 سے 1995 کے مابین گورنر کے وی کرشنا راؤ کے چار مشیر برطرف کیے گئے اور دو چیف سیکریٹریوں کو تبدیل کیا گیا' جس سے کشمیر میں انتظامی کمزوریوں کا پتہ چلتا ہے[373]۔ ان سب باتوں سے دہری حقیقت کا پتہ چلتا ہے: پہلی یہ کہ علیحدگی پسند شورشوں پر ہندوستانی حکومت کی ناکامی اور دوسری کشمیری مسلح نوجوانوں میں اندرونی اور بیرونی عناصر کے مابین عدم شناخت۔ 1990 کی ابتدا سے کشمیر ایک منقسم گھر کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ وادی کی مسلمان آبادی ہندوستان سے اپنی وفاداری تبدیل کرکے اپنی علیحدہ شناخت کراتی رہتی ہے' اور ہندو اکثریتی علاقے کے عوام اپنی بقا کے لیے نئی دہلی کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں[374]۔

8-اختتامیہ:

زیرِ نظر مطالعے کا اختتام اس نظریے پر ہوتا ہے کہ جموں اور کشمیر میں موجودہ مخالفانہ

فضا کی بنیاد ہندوستانی قومیت اور کشمیری نسل پرستی کے مابین لاتعلقی پر مبنی ہے' سمیت گنگولی کے الفاظ میں:

کشمیریوں کی نسلی اور لسانی شناخت [375]۔ اس ناکامی کا شاخسانہ ہے جو قومی نظریہ اور جمہوریت کے دوہرے عمل میں تضادات کے باوجود اس کی افادیت کو اجاگر کرنے کی کوشش میں ہوئی [376]۔ کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کے فوراً بعد جواہر لال نہرو نے کشمیریوں کی نسلی شناخت کی شدت کا اندازہ کرلیا تھا' جو شیخ عبداللہ کے ساتھ ان کے 24 جولائی 1952 کے ایک متفقہ بیان سے مترشح ہوتا ہے [377]۔ مگر وہ ہندوستانی قومیت کی تشکیل کے وقت اس احساس کو قومی سیاسی زندگی میں سمونے میں کامیاب نہیں ہوسکے جو کہ محض اتحاد پر زور دینے پر بضد تھی [378]۔ ہندوستان کی حاکم اشرافیہ کے نزدیک کشمیر ایک غیبی تحفہ تھی جو کسی تنقید کی گنجائش کے بغیر سیکولر مفادات کے تحفظ اور داخلی سلامتی کی نفسیات کی تسلی کے لیے ان کو عطا ہوئی تھی۔ جے پرکاش نرائن نے کئی سال پہلے اس نظریے کے کھوکھلے پن کو بھانپ لیا تھا اور تنبیہ کی تھی:

> اگر بالفرض ہم کشمیر کے مسلمانوں کو جبراً ہندوستان میں روکنے کی کوشش کرتے تو کیا یہ ہمارے سیکولرازم کے لیے کوئی اچھی مثال ہوسکتی تھی؟

یہ سوال بذاتِ خود بے عقلی کا مظہر ہے [379]۔ جو کچھ وقت کا تقاضہ تھا وہ ہندوستان کی طرف سے کشمیریت کا احترام کرنا تھا۔ مگر نئی دہلی نے کشمیریوں کے کسی اختلاف رائے کو ہمیشہ امن و امان کے مسئلہ کا رنگ دیا۔ ایک معروف ہندوستانی صحافی کے مطابق:

> کشمیر سے نئی دہلی کی دلچسپی اور تعلق کا مظاہرہ محض زیادہ سے زیادہ مسلح افواج بھیجنے تک محدود رہا۔ ہندوستان میں جمہوریت کی بقا جارحیت کے ذریعے ممکن نہیں۔ کشمیر ہمارے شعور کو آواز دے رہا ہے [380]۔

ایک طویل عرصے تک کشمیریوں کا اہم ترین تقاضہ علیحدگی نہیں تھا...... بلکہ معیشت میں نئی دہلی سے اپنے حصہ کا تعین اور اس کا حصول تھا [381]۔ بدقسمتی سے ہندوستان اس مطالبے کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہا اور اس کے بجائے کشمیریوں کو لاقانونیت' بے روزگاری اور انتظامیہ میں کھلی بدعنوانیوں کا تحفہ دیا [382]۔ نتیجے کے طور پر ایم جے اکبر جیسے ایک کشمیری کو درجِ ذیل تبصرہ کرنا پڑا:

آج کل وہ ایک اچھا سوال کرتا ہے' اس بات سے وہ انکار نہیں کرتا کہ وہ انڈیا کے ساتھ 1947 میں شامل ہوا' اور جو کچھ وہ پوچھنا چاہتا ہے وہ یہ کہ آیا یہ وہی 1947 والا ہندوستان ہے جس کے ساتھ وہ شامل ہوا تھا؟ وہ جاننا چاہتا ہے کہ مہاتما گاندھی کے وہ نظریات ......جن کو سری نگر کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان سے محض پندرہ دن پیشتر خوش آمدید کہا تھا وہ نئی دہلی میں حاکم عورتوں اور مردوں کے نزدیک آج بھی کچھ معنی رکھتے ہیں یا نہیں؟ کشمیریوں سے ان نظریات کے دفاع میں پاکستان کی طرف سے حملہ آور بنیاد پرستوں سے لڑنے کی توقع تو رکھی جاسکتی ہے لیکن دہلی پر حملہ آوروں سے نہیں جہاں سیکولر اور جمہوری عقائد فنا ہو چکے ہیں[383]۔

پہلے بیان کیے گئے وطن پرستی کے ان تاریخی حقائق کے پس منظر میں کشمیری نسل پرستی نمایاں اسلامی تصورات کے آمیزے کے ساتھ انڈیا کے بجائے پاکستان سے وفاداری پر مبنی سماجی قوم پرستی میں تبدیل ہوگئی۔ پاکستان کا حکمران طبقہ کشمیر کھو بیٹھنے کے خطرے سے بے نیاز فوری طور پر اس تاریخی موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہوگیا۔ کشمیر بین الاقوامی سیاست کا ایک بدترین المیہ بن کر انڈیا اور پاکستان کی حریف طاقتوں کے ہاتھوں ایک کھلونا بن گیا۔ اس عمل کے بدقسمت متاثرین کشمیر کے عوام ہیں۔

کشمیر کے مسئلے کا اس بند گلی سے نکلنے کا کیا راستہ ہے؟ پاک و ہند کی جنگ بہر حال اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ نئی دہلی اور اسلام آباد دونوں اس حماقت پر آنے والے ناقابلِ برداشت اخراجات اور اس کے نتائج سے بخوبی واقف ہیں[384]۔ اکثر مبصرین دونوں پڑوسی فوجوں کی جانب سے ایٹمی ہتھیار استعمال کیے جانے کا خطرہ بھی محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح تاخیر سے سہی لیکن کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی قانونی حیثیت کا سوال اٹھایا جانا بھی غیر حقیقت پسندانہ نہیں ہوگا[385]۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں میں ایک معقول رائے عامہ کشمیر میں موجودہ لائن آف کنٹرول کو مستقل بین الاقوامی سرحد تسلیم کیے جانے کی حامی ہے۔ جنوری 1966 میں تاشقند معاہدے کے موقعہ پر ہندوستان کے وزیر اعظم لال بہادر

شاستری سے توقع تھی کہ وہ کوہن کے مشورے کے مطابق لائن آف کنٹرول کو ہندوستان پاکستان کی مستقل بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلیں گے' مگر پاکستان کے صدر ایوب نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔لیکن 1972 میں شملہ مذاکرات کے دوران پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس تجویز کی طرف رجحان ظاہر کیا۔ ہندوستان میں جموں اور کشمیر کے وزیراعلیٰ فاروق عبداللہ اس نکتۂ نظر کے دل سے حامی ہیں۔نئی دہلی البتہ ابھی اس خیال سے متفق نہیں ہے۔مگر سابق سیکریٹری خارجہ جے این ڈکشٹ جیسے بعض ہندوستانی سفارتکار اس تجویز کو انڈو پاک دونوں کی علاقائی حدود کی سالمیت کی ضمانت قرار دیتے ہیں[386]۔

ہندوستان کے سرحدی محافظوں کے سابق ڈائریکٹر جنرل پرکاش سنگھ کا خیال ہے:

> کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ کشمیر میں لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرنا ہے[387]۔

ترجیحی طور پر لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لینے سے دونوں ملکوں کے مابین بہتر تعلقات قائم کرنے کی راہ ہموار ہوگی' جس کے نتیجے میں سرحد کے دونوں جانب کے عوام کے مابین باہمی رابطوں کے امکانات پیدا ہونگے۔اگر ایک بار سرحدی تنازعات میں کمی آ جائے تو اس بات کے امکانات روشن ہو جائیں گے کہ کشمیریوں کی نسلی امتیاز کی روش دونوں صوبوں میں آنے والی وسیع تر سماجی معیشت کو ان کے اپنے قومی سیاسی ڈھانچے میں کشمیری قومیت کے سائے میں پھلنے پھولنے کا موقعہ نصیب ہو جائے[388]۔اس تناظر میں ایک معروف ہندوستانی صحافی کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

> اختلاف رائے کو انتہاپسندی کی طرف موڑ دینا ہندوستان کے روشن خیال قومی مفادات کے منافی ہے کیونکہ ایک باعثِ شرم کشمیر ہندوستان کے کسی کام کا نہیں۔معاشی امکانات اور آئینی تحفظات کے علاوہ کشمیری حمیت اور وقار کی بحالی کے لیے نئے طریقے سوچنے ہوں گے۔تشدد اور غائب دماغی نہ صرف حکومت کے لیے مہلک ہے بلکہ حریت پسندوں کے لیے بھی۔دونوں جانب سے اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ تشدد مطلوبہ نتائج سے دور لے جانے کا باعث بننے کے علاوہ کچھ

فائدہ نہیں دے گا[389]۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی دہلی اس حقیقت کو تسلیم کرے کہ کثیر نسلی معاشرے میں ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے طفیل نسلی تضادات کم کرنے میں مدد ملے نا کہ ان کو بڑھانے کی حکمت عملی جاری رکھی جائے۔ لہٰذا ان کو کم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ TADA اور جموں کشمیر عوامی تحفظ جیسے بے رحم قانون یا ایسے گروپ بنانے سے گریز کیا جائے جو بظاہر دہشت گردی کے خلاف ہوں لیکن درپردہ دہشت گردی میں اضافہ کا سبب بنتے ہوں جیسے اخوانِ جموں و کشمیر وغیرہ[390]۔ اور نہ BJP کی طرف سے منائی جانے والی ہندو قومیت تسلیم کیے جانے کا مطالبہ اور شام پرشاد مکرجی کی برسی جیسے واقعات کی ہمت افزائی کی جائے، جس میں ہندوستان کے آئین کی دفعہ 370 کے خلاف احتجاج اور عوامی آگہی مہم کی آڑ میں تشدد جنم لیتا ہے[391]۔ نہ BJP کے صدر کشابا ہو ٹھاکر کی اس نوعیت کی دھمکیاں کہ وہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے قبضے سے چھڑا کر دم لیں گے،[392] مسئلے کے حل میں کسی قسم کی مدد کرسکیں گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نسلی امتیاز کا مسئلہ قوموں کے باہمی تعلقات کی راہ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے[393] اور کشمیر کا مسئلہ ان سے الگ نہیں ہے۔ ایک طرف مختلف نسلوں کے درمیان بقائے باہمی اور دوطرفہ مفادات متعین کرنے کے لیے ممکنہ کوششیں اور دوسری طرف قانون سازی دونوں مفادِ عامہ کے لیے ضروری ہیں[394]۔ کشمیر کے نسلی مسئلے کا صحیح تعین اور انسانی بنیادوں پر اس کے حل کے لیے درست اندازِ نظر کی ضرورت ہے، محض امن وامان کے لیے قانون سازی کے ذریعے اس کا حل ممکن نہیں[395]۔ عائشہ جلال کے الفاظ میں:

علاقائی اختیارات کے حقائق کی روشنی میں حقِ خوداختیاری کا تعین ہی اصل مسئلہ ہے[396]۔

کوہن کے تجزیے کے مطابق کشمیریوں کے ان لطیف احساسات کو انڈیا یا پاکستان کے ٹوٹنے کا سبب نہیں بنایا جاسکتا[397]۔

آئین کی دفعہ 370 کا اس کی صحیح روح کے ساتھ نفاذ، مسلح افواج پر اپنے اختیارات سے تجاوز کے الزام کی تحقیقات، مقامی انتظامیہ کو عوامی توقعات پر پورا اترنا، انتخابی طریقہ کار کا ازسرِنو جائزہ، معاشی ترقی کے نئے منصوبے اور حریت پسندوں سے سیاسی

مذاکرات...... یہ سب کشمیریوں کو یقین دہانی کرا سکتے ہیں کہ ہندوستانی سیاست ضروری نہیں کہ ان کی جمہوری توقعات کی راہ میں رکاوٹ ہو[398]۔ حالیہ نیشنل کانفرس کی حکومت کے قیام کے ساتھ ترقی اور انتظامیہ کے سلسلے سے نئی توقعات قائم ہوئی ہیں جن کو ٹوٹنا نہیں چاہیے؛ جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے:

> دہلی کے پروپیگنڈے کے برعکس، کشمیری عوام امن پسند اور محب وطن ہیں۔ وہ جمہوری اقدار کو گلے لگانے کے لیے آگے بڑھے تھے لیکن ان کو بندوقوں کے سامنے کر دیا گیا۔ یہ وہی عوام ہیں جنہوں نے سیاستدانوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتا ہے۔ یہ وہی عوام ہیں جنہوں نے ہندوستان کی فوجوں اور پاکستان کے حمایت یافتہ مسلح افراد کے مابین فائرنگ کے درمیان گولیاں کھائی ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو بے روزگار ہیں اور بھوکے سوتے ہیں۔ جموں اور کشمیر کے لوگ دشمن نہیں ہیں۔ یہ وہ مظلوم ہیں جن پر ظلم کیا گیا اور وہ ظلم اب بھی جاری ہے[399]۔

ادھر دہلی کے جنوبی بلاک کے حکمرانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ کشمیریوں کے معیشت کے مطالبات پر اور ملک کے دوسرے حصوں سے اٹھنے والی آوازوں کے مابین فرق سمجھنے کی کوشش کریں کہ کشمیری اپنے لیے کسی خصوصی مراعات کے طالب نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے ان حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں جو ان سے چھین لیے گئے ہیں۔ بہت سی سیاسی پارٹیوں کے موقف کے برعکس 1984 کا خزان چند بمقابلہ ریاست جموں و کشمیر کے تنازعے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ واضح طور پر جموں کشمیر کی حیثیت کا ہندوستانی مملکت کے آئینی فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے متعین کر چکا ہے[400]۔ فیصلے میں واضح کیا گیا ہے کہ کچھ معاملات میں کچھ خصوصی مراعات مہاراشٹر، گجرات، ناگالینڈ، آسام، منی پور، آندھرا پردیش، سکم، میزورام، اروناچل پردیش اور گوا کی ریاستوں کے لیے منظور کیے گئے ہیں۔ اسی لیے ہندوستان کی بائیں بازو کی سیاسی پارٹیاں خصوصاً CPI (M) تکرار کے ساتھ جموں اور کشمیر کے لیے ہندوستان کی وفاقی سیاست کے دائرے میں رہتے ہوئے آزاد معیشت کا مطالبہ کر رہی ہیں[401]۔ سابق

وزیر داخلہ مفتی محمد سعید نے بھی بنیادی طور پر کشمیر کے مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جب وہ کہتے ہیں:

> تمام کشمیری پاکستان کے حامی نہیں ہیں' وہ ہندوستان کے ساتھ وابستہ رہنا چاہتے ہیں' ہمیں ایسے لوگوں کو شناخت کرنا ہوگا' انہیں انتظامیہ میں شریک کرنا ہوگا تا کہ وہ ریاست کے ہندوستان کے ساتھ رشتوں کو مظبوط کرنے میں معاون ہوں[402]۔

اس سلسلے میں فاروق عبداللہ کے دور حکومت میں منظور کردہ خود مختار معیشت کی قرار داد سنجیدہ غور وفکر کی متقاضی ہے[403]۔ اس قسم کی آئینی اصلاحات کو ان کے حامی عناصر جموں اور کشمیر کی گمبھیر صورت حال کو کمزوری اور کشاکش کے بجائے تسلی بخش علاج قرار دیتے ہیں[404]۔

خوش قسمتی سے ہم کشمیر کی سیاست میں کچھ صحتمند علامات دیکھ رہے ہیں۔ بطور مثال: 1995 میں ایک غیر ملکی کو یرغمال بنا کر قتل کرنے کے واقعے پر الفاران نے آل پارٹیز حریت کانفرنس کی طرف سے شدید مذمت کی اور اس واقعے کو انسانیت کا 'انسانی اقدار کا' اور انسانی آزادی کا قتل' قرار دیا۔ 16 اگست 1995 کو وادی کشمیر میں اس سفا کی کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے عام ہڑتال بھی کی گئی۔ مسلح جنگجوؤں کے حامی بعض سیاسی لیڈروں نے بھی اتفاق کیا کہ عام شہریوں کے اغوا' اور دہشت گردی کی دوسری وارداتوں کی وجہ سے جموں اور کشمیر میں مسلح جنگجوؤں کی حمایت میں کمی واقع ہوئی ہے[405]۔ 20 جون 1994 کو 50,000 مظاہرین نے اننت ناگ کے عسکریت پسندوں کے ہاتھوں میر واعظ قاضی نثار احمد کے قتل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے پاکستان اور حزب کے خلاف نعرے بازی کی۔ 1995 کے موسم بہار میں چرار شریف کے متبرک مزار کے تقدس کی پامالی کے خلاف بھی جموں اور کشمیر میں بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ حال ہی میں خود حزب المجاہدین نے رائفل بردار نوجوانوں کے معصوم لوگوں کو حراساں کرنے' مقامی افسروں کو اغوا کرنے اور دانشوروں کو دھمکیاں دینے اور سرکاری کاموں میں مداخلت کرنے پر شدید مذمت کی ہے[406]۔ جموں کشمیر محاذ آزادی خود بھی تقسیم کا شکار ہے' پاکستانی دھڑے کی قیادت امان اللہ خان اور ہندوستانی دھڑے کی

یاسین ملک کررہے ہیں 407۔ مئی 1996 اور 1998 کے انتخابات میں حریت کانفرنس کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کے باوجود ووٹروں کے بڑی تعداد میں ووٹ دینے میں دلچسپی لینا اس بات کی علامت ہے کہ وہاں کے عوام کو ریاست کو معمول کے مطابق چلانے میں پوری دلچسپی ہے۔ 1995 کے آخر تک بارہ مولا جیسے علاقے میں جہاں اپنے وقت کے بدترین نسلی فسادات رونما ہو چکے ہیں' ہندو مسلم اخوت واتحاد کے مظاہر دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے 408۔ آج وادی کے اندر پاکستانی حمایت کے جذبات اتنے نہیں جتنے انتظامیہ کے خلاف ہیں 409۔ اپریل 1999 میں آل پارٹیز حریت کانفرنس کے کٹڑ پاکستانی حامی عبدالغنی نے اپنے پرانے موقف کو ترک کرتے ہوئے جموں کشمیر کے سرکردہ لیڈروں کو کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق مسائل کے دائمی حل کے لیے مذاکرات کی دعوت دی 410۔ حتیٰ کہ جماعتِ اسلامی بھی کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے اپنے پرانے موقف کے برخلاف کشمیر کی آزادی کی بات کرنے لگی ہے 411۔ یہ کیفیت بھی اہم ہے کہ پاکستان کشمیر کے مسئلے پر برادر اسلامی ملکوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ حال ہی میں ایک امریکن وفد نے جموں اور کشمیر کے دورے کے بعد Status-quo برقرار رکھنے کی ضرورت پر دیا ہے۔ اس وفد نے ریفرنڈم کی تجویز رد کرتے ہوئے جموں کشمیر کی آزاد معیشت کے لیے ہندوستان کی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے فروغ دینے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ اس وفد نے تجویز کیا:

> کشمیر کے معاملات کی پیچیدگیاں تقاضہ کرسکتی ہیں کہ وہاں کی معیشت کی بہتری کے لیے نئے اور نتیجہ خیز تجربات کیے جائیں......ان تجربات میں ...... ریاست یا ذیلی ریاست کے لیے زیادہ سے زیادہ سیاسی اختیارات کا جائزہ لیا جانا بھی شامل ہو! 412

کوہن کے خیال میں پاکستان اور ہندوستان میں کشمیر کا مسئلہ اپنی شکل تبدیل کر چکا ہے:

> ہم جیسے جیسے دہلی یا اسلام آباد سے آگے کی طرف بڑھتے جاتے ہیں' ہم کشمیر کے بارے میں لوگوں کے جذبات میں کوئی خاص گرمجوشی نہیں

پاتے۔ مدراس، کلکتہ، حیدرآباد (دکن) میں اس کوئی دہلی کا درد سر سمجھا جاتا ہے؛ کراچی، کوئٹہ، پشاور اور حیدرآباد (سندھ) میں اسلام آباد اور پنجاب سے تعلقات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے[413]۔

آج کشمیر میں پراکسی وار کی پالیسی سے پاکستان ائرفورس کے سابق سربراہ اصغر خان تک اپنے ملک کی پالیسی سے متفق نہیں۔ انہوں نے بیرونِ پاکستان کے کچھ لوگوں سے کہا:

ان کا ملک کشمیر کے معاملے میں کوئی جنگ برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم کشمیر میں جہاد کے نتیجے میں فتح مند ہونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ پاکستان کشمیر کو جہاد کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا! کشمیر کے جو لوگ جہاد کی باتیں کرتے ہیں وہ یا تو اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں یا مکمل طور پر بے وقوف ہیں اور احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ پاکستانی سیاستدان مسئلہ کشمیر پر عوام کے جذبات بھڑکا کر اس کو اپنے مذموم عزائم کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان حالات میں کوئی کشمیری پاکستان کے ساتھ اتحاد پر آمادہ نہیں ہوگا اور یہ میری دلی خواہش ہے کہ پاکستان کو وہاں کے معاملات میں مداخلت ترک کر کے مسئلے کو وہاں کے عوام کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے[414]۔

اسی رو میں تحریکِ استقلال کے سربراہ نے خبردار کیا ہے کہ جب تک موجودہ نواز شریف حکومت افغانستان اور کشمیر کے معاملات میں بے جا مداخلت اور دوررازکار منصوبوں سے باز نہیں آئے گی تب تک پاکستان مشکل اور پریشان کن حالات کی طرف گامزن رہے گا[415]۔ پاکستان ائرفورس کے ایک اور سربراہ نور خان نے اسلام آباد سے کہا ہے کہ وہ کشمیر کو اپنی شہ رگ سمجھنے کی ضد چھوڑ کر کشمیریوں کو اپنی خواہشات کے مطابق اس مسئلے کو حل کرنے دے[416]۔ یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ گذشتہ پارلیمانی انتخابات میں وہاں کے سیاسی لیڈروں نے مسئلہ کشمیر کو بنیادی اہمیت دینے سے گریز کیا ہے۔ ایک حالیہ تحقیق کے ذریعے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پنجابی، پختون اور مہاجروں کی ایک بڑی اکثریت کشمیر کے مسئلے پر حکومت کی حمایت کرے گی، سندھی اور بلوچ دانشور آزاد، سیکولر، فوجی مداخلت سے پاک اور

غیر جانب دار کشمیر کو ترجیح دیں گے [417] ۔گو کہ نوجوان پاکستانی محققین کشمیر پر ہندوستان کے کردار کو سخت ناپسند کرتے ہیں......لیکن کشمیر سے فوج کے انخلا کو معاشی وسائل کی بہتری اور فراواں بہم رسانی کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں [418] ۔اسی طرح مئی 1990 میں دہلی کے انڈین انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالاجی میں دانشوروں کے ایک احتجاجی اجتماع میں دونوں ملکوں کی حکومتوں میں جنگی طرزِ فکر کی مذمت کی گئی [419] ۔موجودہ ایٹمی دباؤ کے باوجود پاکستانی اور ہندوستانی محققوں کے درمیان مذاکرات......محدود ہونے کے باوجود......جاری ہیں' اور ہوسکتا ہے کہ یہ مذاکرات دونوں ملکوں کے مابین روایتی رکاوٹیں دور کرنے کا باعث بن جائیں۔اگر دونوں ملکوں میں ایٹمی پھیلاؤ کے خلاف واویلا مچایا جارہا ہوتو کوئی وجہ نہیں کہ مسئلہ کشمیر پر اتفاق رائے سے کوئی باہمی فیصلہ نہ کیا جاسکے۔ 21 فروری 1999 کے اعلانِ لاہور اور اس کے فوری بعد ہندوستان کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے بس کے ذریعے لاہور کے تاریخی دورہ کے اختتام پر کشمیر سمیت دونوں ملکوں کے مابین تمام باہمی تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کرنے کا پابند کیا گیا ہے [420] ۔مئی 1990 کو واشنگٹن میں پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے بھی ہندوستان سے تعلقات کی راہ میں کشمیر کو رکاوٹ سمجھنے کی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ کشمیر کے مسئلے پر ان کا غیر لچکدار رویہ پنجاب کے حلقۂ انتخاب اور فوج کی خواہشات کا مرہونِ منت تھا۔ بینظیر نے ہندوستان کے ساتھ پہلے باہمی دلچسپی کے امور اور دوسرے معاشی اور تجارتی مسائل پر گفتگو کی تجویز سے گریز کرنے کے اپنے فیصلے پر ندامت کا اظہار کیا [421] ۔ بے نظیر بھٹو نے حال ہی میں اعتماد کی بحالی کے لیے درجِ ذیل تجاویز دی ہیں جو کشمیر کے لیے کیمپ ڈیوڈ نوعیت کے معاہدے کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہیں:

(a) کشمیر کے دونوں حصے آپس کی آمد ورفت کے لیے کھلے رہنے چاہئیں۔

(b) دونوں حصوں سے فوجیں واپس بلالی جائیں اور کسی بین الاقوامی یا اتفاق رائے سے انڈو پاک کی باہمی امن قائم رکھنے کی تنظیموں کے مسلسل گشت کا بندوبست کیا جائے۔

(c) کشمیر کے دونوں حصوں کی مجالسِ قانون ساز کے اجلاس علیحدہ علیحدہ اور بعض مخصوص موقعوں پر اکٹھے بھی ہونے چاہئیں۔

(d) دونوں جانب کے عوام کو آزادانہ اور خلافِ معمول میل جول کی آزادی۔

(e) NAFTA اور یورپی معاشرے کی طرز پر جنوبی ایشیا آزاد تجارتی خطے کے قیام کی طرف پیش رفت' تعلیمی اور ٹیکنالوجی تبادلے کرائے اور کوٹے مقرر کیے جائیں[422]۔

کارگل سیکٹر میں انتہائی بے سکونی کے دور میں جبکہ دونوں ممالک جنگ کی حالت میں آ گئے تھے' تب بھی انڈیا اور پاکستان کے سرکردہ افراد ایسوسی ایشن آف پیپلز آف ایشیا اور پاکستان انڈیا فورم برائے جمہوریت اور امن کے پلیٹ فارموں سے دہلی اور اسلام آباد پر عوامی مفاد میں سرحد کے دونوں جانب پرامن حالات قائم رکھنے کی ضرورت پر زور دیتے رہے ہیں۔ وہ لوگ کنٹرول لائن کے دونوں جانب کے علاقوں کو مسلح افواج سے خالی کرنے کی تجویز بھی دیتے رہے ہیں[423]۔ پاکستان کے معروف کالم نگار افراسیاب خٹک نے 19 جون 1999 کے *Frontier Post* میں تاسف کا اظہار کیا ہے کہ دونوں ممالک میں جہاں لوگوں کی غربت' جہالت' بھوک اور بیماریوں کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت ہے وہاں تباہ کن جنگوں پر وسائل ضائع کر کے خود اپنی تباہی کے انتظام کیوں کیے جائیں؟[424]۔ ایک اور پاکستانی صحافی فرحت اللہ بابر اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ دونوں ممالک کے حکمرانوں نے عوام کے حقیقی مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے کارگل کے واقعہ کو وطن سے محبت کے جذبات میں اضافے کے لیے استعمال کیا[425]۔ اس تناظر میں کشمیر کے نسلی معاملات کے بارے میں شاید کوہن کی رائے پر غور کرنا مفید ثابت ہوسکتا ہے:

> کشمیر کے دو مسلم علاقوں کی رسمی فیڈریشن اپنے متعلقہ ملکوں کے ساتھ اشیاء کے فروغ پذیر تبادلوں اور دونوں طرف کے عوام کے مابین رابطے یقیناً دونوں ملکوں کے درمیان جہاں کی سرحدیں غیر متعین ہیں' ایک خوشگوار سرحد کا کام دے سکتے ہیں' اور اسلامی طرزِ زندگی اور سیکولر طرزِ زندگی کے درمیان کی متضاد سرحدیں خود بخود دھندلی پڑ سکتی ہیں[426]۔

کشمیر کے مسئلے کو ہم سیاست کے وسیع تناظر میں نسلی شناخت کے جنوبی ایشیا کے دوسرے نسلی طبقات مثلاً پاکستان کے بلوچ' پختون اور سندھی' ہندوستان کے شمال مشرقی قبائلی

گروپ، سری لنکا کے تامل اور بنگلہ دیش کے چکمہ قبائل کے مطالبات اور ممکنہ حل کی روشنی میں زیرِ غور لا سکتے ہیں[427]۔

بہرحال اکثر مبصرین سمجھتے ہیں کہ سری نگر کے پرہجوم بازار، بڑھی ہوئی فوجی انتظامیہ اور انتخابات میں لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت کو جموں اور کشمیر میں ہندوستان مخالف جذبات معدوم ہونے پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تازہ سروے کے مطابق ہندوستان کی مخالفت دلوں میں پوشیدہ ہے اور کشمیر کے کسی کونے سے بھی ختم نہیں ہو سکی ہے[428]۔ کہا جاتا ہے کہ حقِ خود ارادیت کے مطالبے میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، اس کے اہداف فی الحال نظروں سے اوجھل ہیں اور اپنے اظہار کے موقعہ کے متلاشی ہیں[429]۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ کشمیر میں علیحدگی پسندی یا بالفاظِ دیگر بغاوت کے یہ واقعات ہندوستان کی سالمیت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہندوستان نے ایسے کئی دھماکہ خیز واقعات کا کامیابی کے ساتھ دفاع کیا ہے۔ حقیقت میں ہندوستان میں ہر قسم کی رکاوٹوں کے باوجود جمہوریت کی بقا ایڈورڈ راس کے فارمولے کے مطابق:

> جو معاشرہ درجن بھر اختلافی پارٹیوں کے ذریعے رواں ہو، جہاں ہر جماعت کے نظریات ایک دوسرے سے متصادم ہوں، اس معاشرے کے دہشت گردی کے ذریعے منتشر ہونے کے امکانات ایسے معاشرے سے نسبتاً کم ہیں جہاں صرف ایک نظریہ کی کارفرمائی ہو[430]۔

ایسے میں اینیسلے ٹی ایمبری کا گہرے مشاہدے پر مبنی یہ تبصرہ کتنا برمحل ہے:

> تقسیم کے نتیجے میں تنہا رہ جانے والے گروپ اصل میں ہندوستان کے اجتماعی معاشرے کی آپس میں جڑی ہوئی اکائیاں ہیں[431]۔

مگر ہندوستان کی سیاسی پالیسی میں جموں اور کشمیر کے عوام کے جمہوری تحفظات اور نسلی شناخت سے وابستہ فطری جذبات کے احترام کے لیے لچک ناگزیر ہے۔ ہندوستان کی سیاست کے بارے میں یہاں کے مارکسٹ نظریے کے حامل ایک مبصر کے الفاظ میں:

ایسا سوچنا غلط ہوگا کہ جموں اور کشمیر میں سب کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ موجودہ حالات کو بھی ایک مثبت موڑ دیا جا سکتا ہے' البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے ثمرات حاصل کرنے میں وقت لگے گا[432]۔



حوالہ جات

1. *US & World Report*, 19 November 1990, p.52.
2. S. Ganguly, *The Crisis in Kashmir : Portents of War, Hopes of Peace* (Cambridge : 1997), p.xiv.
3. *ibid.*
4. S. Widmalm, *Democracy and Violent Separatism in India : Kashmir in a Comparative Perspective* (Uppsala University : 1997).
5. *Ibid.*; A Kohli, Democracy and Discontent : India's Growing Crisis of Governability (NY : 1990)
6. S. Bose, *The Challenge in Kashmir : Democracy, Self-Determination and a Just Peace* (New Delhi : 1997).
7. A. Jalal, 'A Terrible Beauty is Torn - Kashmir Scars', *The New Republic*, 23 July 1990, No.4, Vol.203, pp.17-20.
8. B. Buzan, *People, States and Fear : The National Security Problem in international relations* (Sussex : 1983); E.E. Azar and C-Moon, 'Toward an Alternative Conceptualization' in Edward E. Azar and C-Moon eds. *National Security in the Third World . The Management of Internal and External Threats* (Aldershot : 1988). Scholars like K. Holsti argues that sources of European wars since 1945 have also tended to be 'predominantly internal'. See his *The States System and War* (Maharajah Sayajirao University, Baroda; 1989). Also see R. Chatterjee 'Ethnicity and Conflict in South Asia : A Study of Two Cases' in K. Bajpai et al eds. *Essays in Honour of A.P. Rana* (New Delhi : 1995) for an interesting use of this analytical framework to analyze the Indo-Pak war of 1965 and India's role in Sri Lanka.

9. M. Ayoob, 'Regional Security and the Indian Ocean Littoral states : Lessons and Extrapolations' in R. H. Brucee ed-. *Perpectives on International Relations in the Indian Ocean Region* (Hong Kong : 1987).
10. This situation is markedly different from what we see in the developed and industrialized West where with few exceptions ethnic conflicts do not necessarily 'pose a credible challenge to the integrity of the states'. See M. O. Heisler, 'Ethnic and Ethnic Relations in the Modern West' in J. Montville ed. *Conflict and Peacemaking in Multiethnic Societies* (Lexington : 1990). Other scholars have viewed the problem in the context of the internationalization of ethnic conflict. See R. R. Premdas, 'The Internationalization of Ethnic Conflict : Some Theoretical Explorations' in K.M. De Silva and R.J. May eds. *Internationalization of Ethnic Conflict* (NY : 1992). Premdas identifies the following links in the process of internationalization of an ethnic conflict : ethinic affinity link of diaspora groups; political power links associated with ideological support; economic link arising from common and endangered financial interests; ethnic linkages based on interest shown by governments and NGOs monitoring human rights violations.
11. In this context J. A. Vincent makes a comparison between the resistance movements in Valle d'Aosta of Italy with that in Kashmir. See his 'Differentiation and resistance : ethnicity in Valle d'Aosta and Kashmir', *Ethnic and Racial Studies*, Vol 5, No.3, July 1982.
12. See A. Varshney, 'Three Compromised Nationalisms : Why Kashmir Has Been a Problem', in Raju G C. Thomas ed. *Perspectives On Kashmir : The Roots of Conflict in South Asia* (Boulder : 1992), pp. 208-9.
13. Hari Singh belonged to the Rajput Dogra subcaste.
14. When the movement was first launched in 1931 the coordinating body was called Muslim Conference. In 1939 it was christened as the National Conference. For an analysis of the mass upsurge of 1931 in Kashmir see U.K. Zutshi, *Emergence of Political Awakening in Kashmir* (Delhi : 1986).
15. Scholars like A Lamb would stress the partisan role played by Mountbatten in ensuring Kashmir's accession to India. See his *Birth Of A Tragedy : Kashmir 1947* (Hertingfordbury : 1994) and *Kashmir - A Disputed Legacy 1846-1990* (Oxford : 1992).
16. For a first-hand account of Indian military operations in 1947/8 see *Defending Kashmir* (Publications Division, Ministry of Information and Broadcasting, Government of India, Delhi : 1949); Lt. Gen E. A Vas (Rtd), *Without Baggage : A Personal Account of the Jammu and Kashmir Operations October 1947-January 1949* (Dehradoon : 1987).
17. Henceforth, Kashmir will stand for Jammu and Kashmir. For an analysis of the first phase of the Kashmir dispute see R. P. Cronin and B. L. LePoer, *The Kashmir Dispute : Historical background to the Current Struggle* (Congressional Research Service, Library of Congress, Washington DC, 19 July 1991); Wayne Ayers Wilcox, *Pakistan : The Consolidation of a Nation* (NY : 1963); J. Das Gupta, *Indo-Pakistan Relations* (Amsterdam : 1958); S. Gupta, *Kashmir : A Study in Indo-Pakistan relations* (Bombay : 1967)
18. Traditionally the USA and China had supported the Pak position on Kashmir. While the erstwhile USSR had consistently stood by India. But currently both the USA and China are tending to be less favourable towards Islamabad. See *Afghanistan and Kashmir : Report of a Joint American-Russian Study Mission* (Asia Society, NY : 1993). In recent years the USA has tended not be involved in the Kashmir dispute, although individual officials like Robin Raphael, once an influential US Assistant Secretary of State, went out of her way in 1993 to question the legality of Jammu and Kashmir's Accession to India.

19. See Abdullah's speech before the Security Council, 5 February 1948, cited in A Varshney, "Three Compromised Nationalisms'.
20. J.N. Dixit, *My South Block Years : Memoirs Of A Foreign Secretary* (New Delhi : 1996). p 330.
21. This is based on the 1981 Census.
22. It is believed that Kashur does not belong to Indo-Aryan family of languages but has a Dardic base See *Lingusitic Survey of India*, Vol. VIII, part-II (Calcutta : 1910).
23. B Puri, 'Kashmiriyat : the Vitality of Kashmiri Identity', *Contemporary South Asia*, 1995 4(1), pp.55-63.
24. For instance, the practice of relic worship in Hazratbal shrine where the prophet's hair is believed to be preserved is connected to Buddhist influence. See O'Malley ed. *Modern India and the West* (1941).
25. Particular mention needs to be made of the contribution of such writers as Laleswari (popularly called Lal Ded), Habba Khatun and Shah Hamdan. For this eclectic Kashmiri culture see S. Dhar, *Jammu and Kashmir* (New Delhi ; 1977) and V.D. Chopra, *Genesis of Indo-Pakistan Conflict* (New Delhi : 1990), pp.172-3.
26. G.M.D. Sufi, *Kashmir*, Vol.I, (1974), p.19.
27. R. Choudhuri Tremblay, 'Kashmir : the Valley's Political Dynamics' *Contemporary South Asia*, 1985 4(1), pp.79-101.
28. *Ibid.*
29. See J A. Vincent, 'Differentiation'.
30. B Puri, 'Kashmiriyat'.
31. B Puri, *Kashmir Towards Insurgency* (Tracts For Times 4, New Delhi : 1995 ed.), p.9.
32. As late as 1990 the historian Goapl Krishna was ventilating similar feelings when he remarked ; 'For our civilization, Kashmir is important – it is in Kashmir, that the seeds of – Hinduism and Buddhism were sown. Don't tell us about self-determination – there are larger issues involved. There is no way I will give up Kashmir, even if a generation of people has to be sacrificed', cited in *The Herald* July 1990 .
33. Cited in V Choudhary ed. *Dr. Rajendra Prasad : Correspondence And Select Documents*, Vol.15 (New Delhi : 1991), pp.361-2.
34. The RSS is a militant Hindu organization that stands for a Hindu nation in India.
35. Cited in P.N. Bazaz, *The History of Struggle for Freedom in Kashmir* (Ministry of Education, Government of Pakistan, Islamabad : 1976), p.695.
36. Bharatiya Jana Sangh Central Working Committee's resolution of 20 April 1957, Bharatiya Jana Sangh Party Documents. 1951-72, Vol.3, Resolution on Defence and External Affairs (New Delhi : 1973) /hereafter BJSPD, pp.46-7.
37. Central Working Committee resolution of 25 August 1964, BJSPD, pp.108-112.
38. B.R. Madhok, *Jammu Kashmir and Ladakh : Problem and Solution* (Delhi : 1987).
39. For a graphic description of this episode see 'Flight of Fancy' *The Economist*, 1 February 1992, pp.38-9.
40. *The Organiser* 21 September 1964.
41. Cited in *The Herald* July 1990, p.21.
42. A.M. Zaidi. *Congress Presidential Addresses*, Vol.5 (New Delhi : 1989) p 183. The Congress Election Manifesto in the First General Election ventilated this spirit when it maintained : 'We owe a duty to the people of the State (Kashmir) and we have to discharge it fully'. see *India - At a Glance* (New Delhi : 1953), p.112.
43. See Nehru's address to the Indian Parliament on 17 September 1953, quoted in *Rise of Communism in Kashmir* (Kashmir Democratic Union, Delhi : 1952). p.15.
44. P.N. Bazaz, *Kashmir in Crucible* (New Delhi : 1967), pp.208-9. For Nehru's personal attachment with Kashmir see *Independence and After* (Ministry of Information and Broadcasting, New Delhi : 1949), p.95.

45. Cited in P.N. Bazaz, *The History*, p.695.
46. *Lok Sabha Debates*, Vol.I, Part 2, 1957, Col.678.
47. *The Statesman* 1 and 20 September 1953; *The Times of India* 19 September 1953; *The Hindustan Times* 7 September 1953
48. See Sundaraiya's statement of 6 June 1952, cited in *Rise of Communism*, p.15. Also see CPI member Mrs. Renu Chakravarti's speech in the Lok Sabha on 20 March 1957, *Lok Sabha Debates*, Vol.I, Part 2, 1957, Cols.121-2.
49. The CPI had supported the creation of Pakistan on the ground of the right of self-determination of Muslims.
50. Cited in B. Puri, *Jammu and Kashmir : Triumph and Tragedy of Indian Federalism* (New Delhi : 1981), p.112.
51. S. Gupta, *Kashmir : A Study in India-Pakistan Relations* (Bombay : 1966), p.450.
52. Cited in *The Herald* July 1990, p.20.
53. Quoted in M. Ahmar, 'Security Perceptions in the Indo-Pakistan Relationship', *Pakistan Horizon Quarterly*, Vol.XXXVII, No.1, 1984.
54. Quoted in *ibid.*
55. G.M. Nandurkar ed. *Sardar Patel in Tune with the Millions* Birth Centenary Vol.II (Ahmedabad : 1975), p.193.
56. M. Brecher, *The Struggle for Kashmir* (NY : 1953), pp.53-54.
57. G. M. Nandurkar ed. *Sardar's Letters–Mostly Unknown* (Post-Centenary Volume I, Part Two, (Ahmedabad : 1980), p.176.
58. G.M. Nandurkar ed. Sardar Patel in Tune with the Millions p.73.
59. S.L. Poplai ed. *India 1947-50, Vol One, Internal Affairs* (Oxford : 1959) p.371. Also see A. De Mhaffe, *Road to Kashmir* (Lahore), p.168.
60. *Caravan* (New Delhi) February 1950, Kashmir Issue, No.41, p.67.
61. *White Poper on the Jammu and Kashmir Dispute* (Ministry of Foregin Affairs, Government of Pakistan, January 1977), p.4.5.
62. Events have, however, shown that the Indian ruling class perception of an expansionist China is largely misplaced.
63. M.C. Chagla, *Kashmir 1947-1965* (Government of India, New Delhi : 1965), p.103. Also see *Kashmir : Text of Speeches by M. C. Chagla, Union Minister of Education and Leader of the Indian Delegation in the Security Council on February 5 & 10 1964* (Information Service of India, New Delhi, No Date), p.36.
64. That was how the Party Manifesto of National Conference was entitled at the time of the 1951 election.
65. The Tenants (Stay of Ejectment) Ordnance, 1947; The Tenancy (Amendment) Act, 1948; The Realization of Debts (Temporary Stay) Ordnance, 1949; The Distressed Debtors' Relief Act, 1949; The Restitution of Mortgaged Properties Act, 1949. see A.P Jain, *Kashmir : What Really Happened* (Bombay : 1972).
66. J. Korbel, *Danger in Kashmir* (Princeton :1966) p.212.
67. *ibid.*, p.216,.
68. The Sheikh himself later realized this paradox when he recalled : 'Our plan affected Hindu and Muslim zamindars equally but ... our measures were then labelled as anti-Hindu'. See *The Testament of Sheikh Abdullah*, (Dehra Doon : 1974), p.37
69. Balraj Madhok, the leader of the Bhaatiya Jana Sangh, reveals this in *Kashmir Centre of New Alignments* (New Delhi : 1963). A cry was raised that Kashmir was being pushed to 'the road of radical left wing totalitarian dictatorship'.
70. *ibid.*, p.38.
71. See A. Varshney, 'Three Compromised Nationalisms'.
72. Quoted in *ibid.*, p.213.
73. Cited in B. Puri, *Kashmir Towards Insurgency, p.30.*

74. K. Singh, *Heir Apparent : An Autobiography* (Delhi : 1982); D.N. Raina, *Unhappy Kashmir : The Hidden Story* (New Delhi ; 1990), p.154; A. Varshney, "Three Compromised Nationalisms".
75. D. N Raina, 'Unhappy Kashmir', pp.155-6.
76. S. Gopal, *Jawaharlal Nehru : A Biography 1947-56*, Vol 2, (Delhi : 1979), p.117.
77. B.N. Mullik, *My years with Nehru* (Delhi : 1971), p.29
78. K. Singh, *Autobiography*, p.159. The New Delhi Agreement was the Agreement that Sheikh Abdullah concluded with Nehru in July 1952. On the strength of this Agreement Abdullah became the Prime Minister of Jammu and Kashmir. The Agreement also laid down the basic framework of future relations between Srinagar and Delhi.
79. Bakshi would exploit every opportunity to stress the irrevocability of Kashmir's Accession to India and contend that 'the only problem facing the State was to liberate that part of the country which was in the occupation of Pakistan". See P.N Bazaz, *The Shape of Things in Kashmir* (New Delhi : 1965), p.16.
80. Vallabhbhai Patel, for instance, had remarked : '... to the bewilderment and sorrows of the Nation, Panditji had Mickawberian love and faith for the man (Abdullah)...". Cited in Patel's Foreward to *The Tragedy of Kashmir* (New Delhi : 1975). This book is an example of anti-Sheikh tirade within the Congress rank.
81. Quoted in J. Korbel, *Danger*, p.247.
82. See Nehru's speech in Lok Sabha on 29 March 1956 where he justified his retreat from the Plebiscite offer due to 'changed circumstances'. He pointed out that the UN resolution on Plebiscite could not be implemented because Pakistan refused to withdraw its troops from the 'occupied Kashmir', the Jammu and Kashmir Assembly had accepted the Indian Constitution, and Pakistan by signing the Western military pact had brought the Cold War to the subcontinent.
83. R. Brines, *The Indo-Pakistan Conflict* (London : 1969) and S. M. Burke *Pakistan's Foreign Policy : A Historical Analysis* (London : 1973).
84. Cited in V.D. Chopra, *Genesis*, p.228.
85. See S.M. Burke, *Pakistan's Foreign Policy*, p.319.
87. By Presidential Rule is meant direct rule over a province by the central government of Delhi.
88. Any citizen could be imprisoned for five years without any show cause; the press was heavily censored; public rallies could be hardly held. See P. N Bazaz, *The Shape*.
89. Balraj Puri substantiates this by an opinion poll conducted on the implications of the dismissal of Sheikh Abdullah. See his *Jammu and Kashmir Triumph and Tragedy*, pp.132-3.
90. *The Testament of Sheikh Abdullah* p.69. Also see p.57 where Abdullah himself considers his first arrest in 1953 as the most unforgettable experience'. In an emotional speech before entering the prison he remarked : '... everyone ... must die some day and must experience separation from his near and dear ones... I have full faith that our aims and objectives will be brought nearer fulfillment through this sacrifice'.
91. See G. Rizvi, 'India Pakistan and the Kashmir Problem 1947-1972' in R G.C. Thomas ed. *Perspectives on Kashmir*. Rizvi also believes that Nehru's commitment to the Plebiscite was genuine. But he argues that the 'dispute was complicated by ... domestic politics in both Pakistan and India, and ... by the extension of the Cold War rivalry in South Asia". See his 'Nehru and the Indo-Pakistan rivalry over Kashmir 1947-64', *Contemporary South Asia* 1995, 4(1), pp.17-37.
92. *The Testament*, p.79.
93. Cited in S. Gopal, *Jawaharlal Nehru : a Biography*, Vol.III (Delhi : 1985 ed), pp.264-2.

94. G. Rizvi, 'India', p.67. Also see M. Ayub Khan, *Friends Not Masters : A Political Autobiography* (Oxford : 1967) for his extreme recalcitrance against India on the Kashmir issue.
95. G. Rizvi, 'India', p.69.
96. See L. Ziring, 'The Rann of Kutch Arbitration' in M. Hasan ed. *Pakistan in a Changing World ; Essays in Honour of K. Sarwar Hasan* (Karachi : 1978). The Indian authorities claimed that it had unearthed documents which proved that a training camp for infiltrators had been set up under Lt-Gen Akhtar Hussian Malik at Murree in West Pakistan. See M. C. Chagla, *Kashmir 1947-1965*, p.59.
97. *The Hindusthan Times* 2.4.66; *White Paper on the Jammu and Kashmir Dispute*, p.115.
98. Only in 1979 the Articles 11 and 12 of the Indian Constitution guaranteeing such rights were exterded to Jammu & Kashmir.
99. *The Testament of Sheikh Abdullah*, p.70.
100. Cited in the *Indian Express* 31 March 1972.
101. Cited in *Kashmir Special Status*, (All J & K National Conference Srinagar).
102. *Ibid*, p.218.
103. M J Akbar, *Tihe Siege Within : Challenges to a Nation's Unity* (London : 1985), p.275.
104. This refers to Sheikh Abdullah's aim to prevent Kashmir from becoming a colony of either New Delhi or Islamabad. See M. Faizili ed. *Kashmir Predilection* (Srinagar : 1988) and R. N. Kaul, *Sheikh Mohammad Abdullah : A Political Phoenix* (Delhi : 1985).
105. R. Punjabi, 'Kashmir ; The Bruised Identity', in R G.C. Thomas ed. *Perspectives on Kashmir*, p.145.
106. No less a person than Sushil Silvano, a veteran police officer who had been Jawaharlal's Chief Security Officer and had raised the Border Security Force admitted : 'The mistake that Indira Gandhi made in opting for communal politics in the State led to a steady decline in the faith of Kashmiris in us', *Current*, January 6-12 1990.
107. Farooq Abdullah, *My Dismissal* (Delhi : 1985) pp.23-4. Farooq alleges that Mrs. Gandhi even used the issue of the Bill to buttress Hindu support for her Party during the 1983 legislative elections.
108. B. Puri, 'Jammu and Kashmir : Congress(I)'s Short-Sighted Game', *Economic and Political Weekly* / hereafter EPW/3 December 1983, Vol XVIII, No.49.
109. See M. Weiner, *The Indian Paradox : Essays in Indian Politics* (New Delhi ; 1989) chapter 3: Lloyd and Susanne Rudolph. *In Pursuit of Lakshmi : The Political Economy of the Indian State* (Chicago : 1987) chapter 4.
110. Farooq Abdullah. *My Dismissal*.
111. See S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, pp.42-43.
112. G.M. Shah was nicknamed 'Curfew Chief Minister' since 72 of his first 90 days in office saw the valley under curfew.
113. See S. Akhtar, 'Uprising in Indian-held Jammu and Kashmir, *Regional Studies*, Vol.IX, No.2 1991.
114. J.A. Vincent, 'Differentiation'.
115. A.H. Suhrawardy, *Kashmir : The Incredible Freedom-Fight* (Lahore 1991), p.51; see *Census of India 1981*.
116. *The Hindu* 7 November 1990. Also see George Fernandes, 'India's Policies in Kashmir : An Assessment and Discourse' in R G.C. Thomas ed. *Perspectives on Kashmir*. Unfortunately, the same George Fernandes, currently India's Defence Minister in the Vajpayee Government, now tends to ventilate pro-Pundit views.
117 See B. Puri, 'Why Jammu goes restive', *The Tribune*, 10 December 1990.
118. *The Hindusthan Times* 25 April 1990. According to one estimate the Muslim share of employment in nationalized banks in Jammu and Kashmir is only 1.5%, EPW

31 March 1990, pp.6040-61. Also see *India's Kashmir War : A Report* (Committee For Initiative on Kashmir, New Delhi : March 1990).

119. A.G. Noorani, "The Betrayal of Kashmir : Pakistan's Duplicity and indian's Complicity', in R. G.C. Thomas ed. *Perspectives on Kashmir*.

120. *India's Kashmir War.*

121. J. Clad and S. Ali, *Far Eastern Economic Review*, 26 April 1990, pp.10-11.

122. S. Akhtar, 'Uprising' Also see Mir Qasim, *My Life and Times* (New Delhi : 1993) for the emergence of a Muslim educated group in the Valley.

123. See DN, 'Kashmir and India', *EPW* '24 August 1991, XXV, 34, p.1961.

124. Many of the vital infrastructural projects suffered from inordinate delays. The most glaring example was the vital Dulhasti power project.

125. In 1968 90% of the people in the state depended on land for earning their livings Rural/urban ratio of population was 83:17. See *Report of the Jammu and Kashmir Commission of Inquiry* (Government of Jammu and Kashmir, 1968), p.19. The situation today is not that different.

126. M.J. Akbar, *Kashmir : Behind the Vale* (New Delhi : 1991)

127. DN, 'Kashmir and India'.

128. A. Maqsood, 'New Delhi and Kashmir : Integration or Alienation?, *The Kashmir Dossier* Feburary 1991, p.11. Also cited in DN, 'Kashmir and India',

129. A.P. Jain, 'Kashmir : What Really Happened'.

130. *ibid.*

131. Cited in A.A. Azmi, *Kashmir : An Unparalled Curfew* (Karachi : 1990) p.71.

132. B. Puri, *Kashmir Towards Insurgency*, p.57.

133. R. Punjabi, 'Kashmir' p.142. Also see A. Maqsood, 'New Delhi and Kashmir'.

134. S. Ali, 'Trouble in Kashmir' *Far Eastern Economic Review*, 18 May 1989.

135. Rs. 370 crores was the anticipated budget deficit and out of it Rs.300 crores were for interest payments to Delhi. See A. Maqsood, 'New Delhi and Kashmir'.

136. A.J. Ganai, *Kashmir and National Conference Politics 1975-1981* (Srinagar : 1984), p.103.

137. A. Maqsood, 'New Delhi and Kashmir'; DN, 'Kashmir and India', pp.1959-61.

138. "The demographic problem in Kashmir is not of ageing population but of a very young population expanding at a rapid rate". J.A. Vincent, 'Differentiation', p 322.

139. S. Ali, 'Trouble in Kashmir'.

140. Cited in *The Herald* July 1990.

141. B.L. Kak, *Kashmir : The Untold Story of Men and Masters* (Jammu: 1974). p.5

142. G.B. Malik, 'Genesis of Kashmir Trouble', *The Statesman* 29 March 1990.

143. D.E. Lockwood and B.L. LePoer, *Kashmir : Conflict and Crisis*, (Congressional Research Service, Library of Congress, Washington DC, 8 August 1991).

144. Cited in A.G. Noorani, "The Betrayal".

145. For example Bose remarks : "Poverty, corruption and unemployment in the subcontinent are not unique". See S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, p.19.

146. See *India's Kashmir War*, p.29.

147. Cited in *ibid.*, p.26.

148. Cited in *Surya India* January 1990

149. This is what a militant told the investigators who prepared *Indian's Kashmir War*

150. Sher-i-Kashmir Sheikh Mohammad Abdullah, *Interviews & Speeches After his Release on 2 Jan 1968, Series 2*, pp.12-3.

151. S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, p.44.

152. It needs to be remembered that the Islamic fundamentalist forces had polled about 32% of the votes cast in the 1987 elections and the MUF won 4 seats, losing in three constituencies by a narrow margin. See B. Puri, 'Fundamentalism in Kashmir : Fragmentation in Jammu', *EPW* in 30 May 1987, XXII, 22, pp 835-

7.In fact, it was in 1987 in the prison that Yasin Malik, Ashfaq Wasi and others floated the idea of the Jammu and Kashmir Liberation Front.

153. The Indian Constitution has three Lists : the Union List which covers subjects on which alone the Federal Government can alone legislate; the State List that contains matters which the provincial governments can administer; and the Concurrent list on which both the central of provincial governments can legislate, although in the event of a clash between a central and state legislation the former prevails over the latter.

154. Sher-i-Kashmir Sheikh Mohammad Abdullah, *Interviews and Speeches After his Release on 2 January 1968, Series 2.*, pp.12-13.

155. *The Indian Express* 20 March 1993.

156. S. Akhtar. 'Uprising'

157. Brig (Retd) M. Shafi Khan, *Focus on Kashmir Sept 1989 - Feb, 1990* (Islamabad : 1989), p.3.

158. *Ibid*., P. Bhatia, 'The Kashmir Muslims' Psyche', *Amrita Bazar Patrika*(hereafter *ABP*)3 September 1986; also see *The Telegraph* 15 August 1985. See *The Newsweek* (21-28 August 1989) for a vivid description of the celebration of Pakistan Independence Day in Srinagar.

159. Brig(Retd) M. Shafi Khan, *Focus*, p.2.

160. *The Muslim* 29 May 1993.

161. R. Punjabi. 'Kashmir', p.142.

162. See A. Cowshish's submission, *The Telegraph* 24 September 1986.

163. See D. Lockwood and B.L. Lepoer. *Kashmir : Conflict and Crisis.*

164. Cited in *Peace Initiatives* Vol.III, No.V, Sept-Oct 1997, p.7.

165. A. Jalal, 'A Terrible Beauty is Torn'

166. This is the estimate of the Indian government, *The Hindu*, 3 December 1990.

167. *ABP* 7 February 1985.

168. *ibid*.

169. *Foreign Broadcast Information Service* / Hereafter *FBIS*/NES-93-016-27 Jan 1993, pp.59-60.

170. T. Amin and N. Bajwa. *Kashmir Report*, (Institute of Policy Studies, Islamabad : June 1990). On 24 April 1993 an Indian aircraft was hijacked from New Delhi to Srinagar. Delhi claimed that the Hizbul group was behind the plot.

171. *The Telegraph* 20 April 1998.

172. S. Ganguly. *The Crisis in Kashmir*, p 2.

173. S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, pp.72-73.

174. See *The Telegraph* 7 August 1995 for a report of one such meetings.

175. See 'Hizb Confirmation', *The Kashmir Times* 14 September 1990.

176 Indian sources have published a map identifying JKLF training camps inside Pakistan. See V.D. Chopra, *Genesis*, p.237. Western sources, too, admit that the JKJLF receives support from Pakistan in the same way as other militant groups do. See, for instance, *US News & World Report*, 11 June 1990.

177. S. Akhtar, 'Uprising'.

178. *The Economist*, 9 June 1990, p.33. 'These young men are utilized to commit a variety of terrorist acts, including abduction of important officials or relatives of government functionaries. In 1990 the daughter of the Union Home Minister, himself a Muslim, was kidnapped and her release traded for freedom of jailed militants.

179. *Newsweek*, 30 April 1990.

180. Cited in D.N. Raina, 'Unhappy Kashmir', p. 196.

181. *The Indian Express* 20 September 1989.

182. S. Akhtar, 'Uprising'.

183. See V.D. Chopra, *Genesis*, Appendix-IV.
184. Khalistanis are the group which are fighting for an Independent Punjab that would be called Khalistan.
185. This is what the Pak Prime Minister Nawaz Sharif explicitly stated. See *The Economist*, 15 February 1992, p.36.
186. *The Indian Express* 7 February 1990.
187. The *Indian Express* 23 February 1990.
188. *The Economist* 15 February 1992, p.36.
189. *FBIS*-NES-90-088, 7 May 1990.
190. *Agence France Presse*, 5 February 1993.
191. H.R. Khan, 'The Kashmir Intifada', *Pakistan Horizon*, Vol.23, No.2, April 1990
192. *ibid.*
193. *ibid.*
194. See *The Nation* 11 April 1988.
195. *FBIS*-NES-90-018, 26 January 1990.
196. Cited in H.R. Khan, 'The Kashmir'.
197. *India's Kashmir War*. Tehran is, however, exhibiting considerable restraint under the post-Khomeini regime.
198. *The Statesman* 9 September 1992. An Afghan Mujahiddin Akbar Bhai aged 26 told the correspondent of this newspaper that in one year he had killed more than one hundred Indian soldiers. Also see *The Times* 30 January 1990 for a report on the connections between the Afghan Mujahiddins and Islamic militants in Kashmir. In an interview to the *Eyewitness* of June 1992 the Spokesman of the new Afghan government openly lent support to the anti-Indian uprising in Kashmir. He remarked that for fourteen years Mujahiddins had been looked after by Pakistan and now it was their duty to repay the debt by supporting the Pak sponsored Kashmiri and Punjabi separatists. Also see *The Telegraph* 8 August 1993 and *The Statesman* 22 July 1994. L.K. Advani, the Union Home Minister in the Vajpayee cabinet, also admitted in the Lok Sabha the presence of mercenaries from Sudan, Egypt, Lebanon, Bahrain, Chechnya and Bosnia, apart from Pakistan and Afghanistan. See *Outlook* 7 June 1999, p.28.
199. *Newsweek*, 30 April 1990.
200. Such a plan was unearthed in May 1993 when some of these militants in Jammu and Kashmir sought to go to Jeddah. The Indian government refused them the permission to leave the country. *The Telegraph* 7 May 1993; Also see *The British Broadcasting Corporation Report*, 11 May 1993.
201. *Peace Initiatives* Vol.III, No.V, Sept-Oct 1997.
202. *Ibid*
203. *Ananda Bazar Patrika* 1 June 1999.
204. Aunohita Mojumdar, 'A lost road map in J&K' *The Statesman* 23 September 1999.
205. In recent times Fidayeen or death squad of local militants are mostly carrying on insurgency operations in Jammu and Kashmir.
206. U. Phadnis, 'Ethnic Dynamics in South Asian States', *South Asia Journal*, January–March 1990.
207. A. Jalal, 'A Terrible Beauty is Torn'.
208 *The Dawn* 31 October 1947.
209. A. Beg, *Captive Kashmir* (Lahore : 1957)
210. See the statement by M.A. Gurmani, the Pakistani Minister of Kashmir Affairs, *Pakistan Times* 14 January 1949.
211. *Al Barq*, 14 May 1944, see the report on the speech delivered by Jinnah at Srinagar, cited in S. Kaul, *Freedom Struggle in Jammu and Kashmir*, (Delhi : 1990), p.138.

212. *White Paper on the Jammu and Kashmir Dispute*, p.16.
213. M. Brecher, *The Struggle For Kashmir*, p.52.
214. S.L. Poplai ed *India 1947-50*, p.395.
215. Sardar M. Ibrahim Khan, *The Kashmir Saga* (Lahore : 1965), p.176.
216. Quoted in M. Brecher, *The Struggle for Kashmir*, p.47.
217. D. Lilienthal, 'Another Korea in the Making', *Colliers* (New York) 4 August 1951, p.57.
218. A. Khan, *Raiders in Kashmir*, (Islamabad : 1970), p.10.
219. See M. Brecher, *The Struggle for Kashmir*,.
220. Cited in *ibid.*, p.49.
221. Sirdar Shaukat Hayat Khan, *The Nation that Lost its Soul : Memoirs of Sirdar Shaukat Hyat Khan* (Lahore : 1995).
222. They would argue that the very concept of Pakistan included Kashmir as its integral part, the letter K standing for Kashmir. See Maj-General A. Khan, *Raiders.*
223 *ibid*
224. ibid., p.13 224. Besides, the Commander of the future Azad forces was himself a Pakistani officer. See A. Jalal, *The State of Martial Rule : The Origins of Pakistan's Political Economy of Defence* (Cambridge : 1990), p.59.
225. N. Rahman, A.G. Soofi, *ABC of Kashmir's Bid for Freedom*, (Azad Jammu and Kashmir Government, Muzaffarabad : 1956), p.15.
226. ibid., pp.4-5. Some scholars argue that the tribals who had traditionally been a source of disorder in the region were deliberately made to divert 'their interest and activity to Kashmir'. See R. Symonds *The Making of Pakistan* (London: 1950), p.121.
227. See *Intelligence Reports Concerning the Tribal Repercussions to the Events in the Punjab, Kashmir and India* (Press, Lahore : 1948)
228. 'Even if it amounted to suicide the Azad Kashmir people will go to the help of their oppressed brothers', cited in P.N. Bazaz, *The History for Freedom in Kashmir* (Islamabad : 1976), pp.701-2.
229. S. Munshi, 'Their feudal lords' *The Telegraph* 28 June 1999.
230. *The Dawn* 9 October 1963; *The Statesman* (Calcutta) 2 February 1964
231. See Bhutto's speech before the Security Council on 3 February 1964 cited in *Bhutto : A South Asian View* (Information Division, Embassy of Pakistan, Washington DC : no date), p.41.
232. See Bhutto's address to the Pakistan Islamic Council for International Affairs, cited in the *Pakistan Observer* 22 June 1963. *Also The Patriot* 21 February 1969; *The Mashiq*, cited in *The Patriot* (Delhi) 19 March 1970. Humayun Rashid Chaudhuri, once head of the Pak Chancery in New Delhi, but who later defected to Bangladesh in 1971, even testified to a move by Pakistans military junta to attack Kashmir for balancing the loss of the country's eastern half. See *The Hindusthan Times* 8 October 1971.
233. Cited in *White Paper on the Jammu and Kashmir Dispute*, p.127.
234. ibid., pp.128-9.
235. V.D. Chopra, *Genesis*, p.104; A. Jalal, *The State of Martial Rule*, especially Chapter 7.
236. *The Indian Express* 12 February 1990.
237. H.R. Khan, 'The Kashmir Intifada', *Pakistan Horizon*, Vol. 23, No. 2, April 1990.
238. *Middle East Newsweek*, 18 February 1993.
239. K. Callard had foretold this in 1957 in his *Pakistan : A Political Study* (Unwin, London . 1957) p.309. Later on President Zia admitted this when he remarked : "For 35 yeras Kashmir has got wrapped in its internal politics. I cannot unwrap

it even if I had the intentions". Cited in S. U. Kodikara, 'Strategic Dimensions of South Asian Politics : Emerging Trends' in *Perspectives on International Relation in the Indian Ocean region*, p.24.

240. Cited in S. U. Kodikara, 'Stategic Dimensions of South Asian Politics'.

241. Quoted in J. Clad and S. Ali, 'Will Words Lead to War?', *Far Eastern Economic Review*, 26 April 1990, pp.10-11. As the PM of Pakistan Bhutto had assured the Kashmiri people that 'they have the support of 100 million people of Pakistan'. *FBIS*-NES-90-029 12 February 1990.

242. *Newsweek*, 30 April 1990, pp.33.

243. *Time*, 4 June 1990.

244. *FBIS*-NES-90-024, 5 February 1990.

245. *The News* 11 December 1998.

246. *Pakistan Parliamentary Debates 1957*. Vol.I. p. 1086.

247. Quioted in *Times of India* 23 September 1989.

248. Brig(Retd) M. S. Khan, *Focus*, pp.19-20.

249. S. P. Cohen, 'Kashmir : The Roads Ahead' in S. P. Cohen ed. *South Asia After the Cold War : International Perspectives* (ACDIS Conference Proceedings, University of Illinois at Urbana-Champaign, 1992).

250. See for example how the Report of Genocide Inquiry Commission presented to Azad Kashmir Government, was cited in *The Dawn* 8 August 1968. Newspapers such as *Jung*, *Anjam*, *Imroze*, *Nawa-e-Waqt*, *Nida-e-Millat* would spare no opportunity to raise the *jehad* cry for Kashmir. The state-run radio would also periodically broadcast the national pledge to liberate Kashmir from India's colonial rule.

251. *The Dawn* 17 August 1953

252. On 23 March 1940 the Muslim League formally passed the Pakistan Resolution to demand a separate homeland for the Indian Muslims.

253. *FBIS*-NES-90-063, 2 April 1990.

254. *FBIS*-NES-90-024, 5 January 1990, pp.57-8; *FBIS*-NES-90-016, 24 January 1990; *FBIS*-NES-90-226, 29 January 1990; *FBIS*-NES-90-025, 6 February 1990, pp.70-71; *FBIS*-NES-90-079, 24 April 1990, p.58, *FBIS*-NES-90-080, 25 April 1990.

255. *FBIS*-NES-90-055, 21 March 1990.

256. *FBIS*-NES-92-207, 26 October 1992, p.49.

257. *FBIS*-NES-93- 024 8 February 1993, pp.72-73.

258. Such scenes in Pakistan were reciprocated with anti-Pakistan demonstrations in different parts of India, especially at the initiative of the Youth Congress, the youth wing of the Indian National Congress (I) party. See *Ananda Bazar Patrika* 6 February 1994.

259. B.L. Kak, '*Kashmir : The Untold Story*', pp.70-9.

260. In 1947, 1965 and 1971.

261. R.G. Wrising, 'Kashmir Conflict : the new phase' in C.H. Kennedy ed *Pakistan 1992* (Boulder : 1993); Also see *Pakistan Abetting Terrorism in Jammu and Kashmir* (Govt. of India publication. No date and no place of publication mentioned) and *The Tribune* 4 February 1993.

262. Cited in D. N. Rama, 'Unhappy Kashmir', p.197.

263. *FBIS*-NES-92-240, 14 December 1992, p.44; *FBIS*-NES-92-045, 6 March 1992, p.61.

264. *Peace Initiatives*, Vol III, No.V. Sept-Oct 1997

265. *FBIS*-NES-91-230, 29 November 1991, p.6; *FBIS*-NES-92-072, 14 April 1992, p.31, *FBIS*-NES-92-147, 30 July 1992, p.34; *FBIS*-NES-92-178, 14 September 1992, p.44.

266. See *The Hindustan Times* 6 July 1969 and 3 June 1970, *The Northern India Patrika* 8 July 1969; *The Times of India* 10 April 1988.

267. Y. Lancel, 'Terror in the Valley', *The Telegraph* 6 November 1986; K Subrahmanyam, 'Kashmir', *Strategic Analysis*, Vol.III, No.2, May 1990; L. E. Rose,

'Indian Foreign Relations : Reassessing Basic Policies' in M. M. Boulton and P. Oldenburg eds. *India Briefing, 1990* (Boulder : 1970), p.73.
268. *Times of India* 31 May 1999.
269. *The Asian Age* 4 June 1999.
270. *Ibid.*
271. See the submission by S. Mustafa, *The Asian Age* 26 June 1999.
272. *Ibid.*
273. *Ibid.*
274. *Ibid.*
275. The *Times of India* 31 May 1999.
276. Cited in E. Desmond, 'The Insurgency in Kashmir', *Contemporary South Asia* 199, 4 (1).
277. *ibid.*
278. *ibid* p.8
279. Cited in *Peace Initiaitors*, Vol III, V, Sept-Oct 1997, p.10
280. See the deposition, for example, by Zulfiqar Ali Shah, *FBIS*-NES-93-044, 9 March 1993, p.62.
281. This was revealed by Hazi Adeel, the deputy leader of the Provincial Assembly of Pakistan's North-East Frontier Province. Cited in *ibid.*, p.19.
282. This was confided by an aide of Pak-based Khalistan Commando Force Chief Paramjit Singh Panjwar. See *The Statesman* 21 April 1998.
283. *FBIS*-NES-93-016, 27 January 1993, p.53. It is not uncommon to hear incidents of Indian security forces foiling attempts by Pak army to push Kashmiri militants across the border, *FBIS*-NES-92-154, 10 August 1992, p.47.
284. The Indian government faced the situation tactfully. It ordered a siege of the mosque and forced the militants to surrender. Among the Kashmiri militant groups engaged in the occupation of the mosque were JKLF, Ikhwan-ul-Muslameen, Al-Jehad, Allah Tigers, Jamayat-ul-Mujahideen and Hizbul Mujahideen.
285. *The Telegraph* 7 August 1995.
286. *The Telegraph* 25 October 1995, see the submission by O.N. Dhar.
287. All India Radio General Overseas Service in English cited in *International Intelligence Report*, 3 March 1993.
288. *FBIS*-NES-91-236, 9 December 1991, p.68.
289. See the statement by M. Jacob, the Minister of State for Home Affairs, *The Statesman* 18 August 1992.
290. P. Bhatia, 'The Kashmiri Muslims' Psyche', *ABP*, 3 September 1986
291. *EPW*, 11 August 1990, XXV, 32, p.1738. See the Letter to the Editor by Sukla Sen.
292. E. Desmond, 'The Insurgency in Kashmir.
293. *The Economist* 13 July 1991, p.35.
294. *Peace Initiatives*, Vol.III, No.V, Sept-Oct 1997, pp.8-9.
295. According to one report the Jamaat-i-Islam raised in 1994 alone 25 million rupees (approximately one million dollars) for the militant cause in Kashmir.
296. *The Telegraph* 17 May 1993.
297. Cited in *Peace Initiatives*, Vol III, No V, Sept-Oct 1997, p.5.
298. *The Telegraph* 17 January 1994. An ISI officer Brig. Mohammed Salim is said to have been in charge of the training camps.
299. Cited in P. Gossman, 'An International Human Rights Perspective' in Robert G. Wirsing ed. *Kashmir : Resolving Regional Conflict : A Symposium* (Meerut : 1996) p.153.
300. K. Nayar, 'Polls in Kashmir', *The Hindusthan Times* 31 January 1998. Nayar also referes to another similar group called the Lashkar-i-Taiba (army of the pure).

301. *Ibid.*, 30 May 1990.
302. Cited in The *Times of India* 24 June 1990.
303. Quoted from *The Times* in *Ananda Bazar Patrika* 1 June 1990.
304. The *Times of India* 31 May 1990.
305. The *Asian Age*, 4 June 1990.
306. *Ananda Bazar Patrika* 1 June 1990.
307. Cited in The *Outlook* 7 June 1990, p.29. *The Washington Post* has also squarely blamed Pakistan for triggering off the current crisis. See The *Times of India* 29 June 1990.
308. Report of *The Observer* cited in The *Times of India* 31 May 1990.
309. The membership of the Council is also designed to maintain the supremacy of Islamabad. It is presided over by the Prime Minister himself and includes five members of the Pakistan Assembly nominated by the Pakistani Prime Minister, the Federal Minister of Kashmir Affairs, the Prime Minister of Azad Kashmir and six Azad Kashmiris elected on a proportional basis. See L. Rose, 'The Politics of Azad Kashmir' in R. G.C. Thomas, *Perspectives on Kashmir*. In the words of a perceptible commentator : "No genuine elections have been held (in Azad Kashmir), and the judicial system is rudimentary". See S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, p.65.
310. L. D. Hayes, 'The Impact of US Policy on Kashmir Conflict', *International Studies*, No.2; S. Ali, 'Line of Control', *Far Eastern Economic Review*, 10 May 1990.
311. P. Singh, 'An Indian Perspective II' in Robert G. Wrising ed. *Kashmir : Resolving Regional Conflict : A Symposium*, p.101.
312. *Azad Jammu and Kashmir Legislative Assembly Election Ordnance* 1970, Section-5, para-2, p.vii.
313. *Azad Jammu and Kashmir Interim Constitution Act 1974*, Section-4, para-7, p.2. cited in P. Singh, 'An Indian Perspective II'.
314. P. Singh, 'An Indian Perspective', pp.102-3.
315. *The Economist*, 13 July 1991, p.35. Leo Rose, however, refers to 'much less understood' disagreements between Islamabad and Muzaffarabad and argues that the Azad politicians are "no more enchanted with ... Islamabad than are Sindhis, Baluchis and Pathans ..." See his 'The Politics of Azad Kashmir', p.245. But this alleged tension between Azad Kashmir and the Government of Pakistan needs substantial simmering before it can become a factor to be reckoned with in Pakistani politics.
316. *The Economist*, 13 July 1991. Rathore belongs to Pakistan Peoples' Party which was opposed to the party then in power in Islamabad.
317. L. Rose 'The Politics of Azad Kashmir'. p.244
318. Some scholars contend that Azad Kashmir itself is not socially homogenous. The Mirpuris, for example, are culturally more akin to the Potohan population in Pakistan proper than with Kashmiris of the Valley or Dogras of Jammu. Yet, they have become enthusiastic supporters of Kashmiri entity because of their "strong ... disillusionment about the way in which Pakistan has treated them". See R. Ballard, 'Kashmir Crisis : View from Mirpur', *EPW*, 2-9 March 1991, XXVII, 90 and 91, pp.513-517.
319. *The Statesman* 8 March 1998.
320. P. Singh, 'An Indian Perspective II'.
321. S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, p.70.
322. *The Telegraph* 28 April 1998.
323. *Ibid.*, 3 May 1998.
324. This view has been expressed amongst others by S. Bose, *The Challenge in Kashmir*.

325. *EPW*, 3 March 1990, XXV, 9, p.423.
326. *The Statesman* 19 January 1990. Also cited in *ibid.*
327. *Inter Press Service*, 18 May 1993. According to a recent American report the number of Indian security personnel in Jammu and Kashmir has risen to 400,000, R. P. Cronin and B. L. LePoer, *South Asia : U.S. Interests and Policy Issues* (Congressional Research Service, The Library of Congress, Washington DC : 12 February 1993), p.18. In May 1993 *India Today* estimated the presence of at least 300 paramilitary companies in Jammu and Kashmir.
328 S. Ganguly, *The Crisis in Kashmir*, p.2.
329. This term is borrowed from *EPW* 13 January 1990, XXV, 2, p.64. There have been allegations of Human Rights violations by Indian security forces in Kashmir. Prisoners in Kashmir are allegedly tortured by electric shocks and sodomy and apparently 3,000 habeas corpus petitions on behalf of the incarcerated have been filed, but with no result. See *US News & World Report*, 19 November 1990; *Agence France Presse*, 8 May 1993, Report by Barbara Crossette *New York Times* 8 November 1992; S. Akhtar, 'Human Rights Violations in JK', *Regional Studies*, Vol.XI, No.2, Spring 1993; and reports of Indian voluntary organizations like the The People's Union for Civil Liberties, The Citizens for Democracy, The Radical Humanist Association and The Manav Ekta Abhuya. Asia Watch and Physicians, for Human Rights have also charged the Indian forces in Kashmir with abduction, custodial deaths, summary executions of detainees and using rape as a 'war tactic' Even accredited journalists have not escaped from the harassments of Indian security forces. *EPW* 9 June 1990, XXV, 3, p.1228 In Sopore at one time all 22 members of the Bar Association had been imprisoned. *EPW* 15 Sept 1990, XXV,37, p.2023. is also reported to have denied permission to international Human Rights Groups to visit Kashmir, *FBIS*-NES-93-070 14 April 1993. The Indian government, however, denies allegations of Human Rights violations. But it has reportedly denied permission to international Human Rights groups to visit Kashmir, FBIS-NES-93-070 14 April 1993.
330. *The Telegraph*, 'Look' 13 August 1995.
331. *The Telegraph* 13 August 1995; A.G. Noorani, 'A Pattern of Outrages in Kashmir', *The Statesman Weekly* 8 May 1993.'
332 *ibid.*
333. *FBIS*-NES-93-002, , 5 January 1993, p.58 For instance, mention may be made of the complications caused by the Indian army's alleged desecration of the library of the Hazratbal mosque on 21 February 1992. See *FBIS*-NES-92-037, 25 February 1992, p.50.
334 Popular belief in India's complicity in Farooq's assassination was evident from such cries during the funeral procession as 'Who killed Muhammad Farooq? Jagmohan' (the Governor of Jammu & Kashmir)!. See *Time*, 4 June 1990, p.62.
335. See the interview by Abdul Kabir Sheikh, *Surya India* January 1990. Also see *India's Kashmir War*. *Kashmir Bleeds : Report on the Kashmir Situation* (Srinagar: 1990); *Kashmir Under Siege* (1990); *Human Rights in India : Kashmir Under Siege* (NY & Washington 1997), *Kashmir : A Land Ruled by the Gun* (Delhi : 1991).
336 *EPW* 7 July 1990. XXV, 27, p.1428
337. For example, on 4 July 1992 10,000 people from six localities in Srinagar were forced to come out of their homes in the dead of night and then subjected to an identification parade. See A.G. Noorani, 'A Pattern'.
338. In a statement the Israeli Foreign Minister Shimon Peres supported India on the Kashmir issue and declared 'We support fully and completely the territorial integrity of India'. *Agence France Presse*, 18 May 1993.

339. *India Today* 5 May 1993; *The Reuter Library Report*. 10 April 1993 puts the figure at 10,000; R.Z. Khan, 'The Kashmir question and struggle for identity', paper presented at a seminar on Kashmir, University of Sweden, 11 & 12 April 1992 cited in I. Ahmed, *State, Nation and Ethnicity in Contemporary South Asia* (London & NY : 1996), p.157.
340. The *Asian Age* 8 October 1995.
341. *The Telegraph* 'Insight' 12 November 1995.
342. S. Hasan, et al. *Kashmir Imprisoned : A Report* (Delhi : 1990); *Lawless Roads : A Report on TADA*, 1985-1993 (New Delhi : 1993); *India : Torture, Rape and Deaths in Custody* (Amnesty International : 1991); *Kashmir Under Siege* (Asia Watch, NY : 1991); *Kashmir : Heaven on Fire* (British Parliamentary Human Rights Group (London : 1992); *United States Department of State Country Report on Human Conditions in India* (Washington DC : 1992). The US Department of State Country Reports on Human Rights Practice for 1992 cited the following figures for Kashmir :
    1990 - 1214 civilians, 189 security forces and 890 militants killed.
    1991 - 900 civilians, 1305 militants and 155 secuurity forces killed.
    1992 - 1106 civilians and 982 militants killed.
343. P. Gossman, 'An International Human Rights Perspective' Gossman cites the evidence of Jammu and Kashmir Bar Assocation that of several thousand habeas corpus petitions pending before the High Court as of June 1994, "the courts have responded to fewer than one percent."
344. Quoted from *The Sunday Times* by Public Opinion Trends Analyses and News Services, Pakistan Series, 18 December 1998, p.4070.
345. *The Nation* 12 December 1998.
346. *Crisis and Credibility* (Press Council of India : New Delhi 1993).
347. E. Desmond, 'The insurgency in Kashmir (1989-91)', pp.-56.
348. Research and Analytical Wing. This is the intelligence wing of the Government of India.
349. M.J. Akbar, *Kashmir : Behind the Vale*. Bose in *The Challenge in Kashmir* also subscribes to the allegation that Jagmohan offered various incentives for the Hindu exous which was carried out under strictest press restrictions.
350. R. Manchanda 'Kashmir's wrose-off half', *Himal South Asia*, May 1999.
351. *Ibid.*
352. See Teresa Joseph, 'Kashmir, human rights and the Indian press', *Contemporary South Asia* (2000) 9(1), pp. 41-55.
353. *FBIS*-NES-90-025, 6 February 1990; *FBIS*-NES-90-029, 12 February 1990, *FBIS*-NES-90-031, 14 February 1990. Indian and Pakistani troops were eyeball to eyeball in early May 1990.
354. *Newsweek*, 30 April 1990, p.34.
355. A.H. Suhrawardy, *Kashmir*, p.74.
356. S. Ali, *Line of Control*, pp.18-19.
357. Y. Jamal, 'Terror in the Valley', *The Telegraph* 6 Npvember 1986.
358. See 'India's Kashmir War'.
359. See R. Manchanda, 'Loss of confidence : Both New Delhi and Militants Alienate Kashmiris', *Far Eastern Economic Review*, 3 September 1992, pp.22-3.
360. *The Reuter Library Report*, 15 April 1993.
361. This was the incident in which Babri Masjid – an old mosque – in Ayodhya (Uttar Pradesh) was pulled down at the behest of Hindu sectarian farces on the plea that the site on which the mosque stood was the birth place of the ancient Hindu epic hero Rama.
362. Cited in *The Muslim* 14 January 1990.

363. S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, Chapter 4.
364. *Times of India* 31 May 1990.
365. *The Times* 17 January 1990; Also see *Kashmir : A Land Ruled by the Gun*, for details of how Kashmiri women are made to strictly adhere to Islamic restrictions by militant outfits.
366. S. Viswam and S. Ali, 'Vale of Tears' *Far Eastern Economic Review*, 8 February 1990, pp. 18-19.
367. I. H. Malik, 'The Kashmir Dispute : A Cul-de-Sac in Indo-Pakistan Relations? in R. G.C. Thomas ed. *Perpectives on Kashmir*, p.310.
368. N.Y. Dole, Kashmir : A Deep-rooted Alienation', *EPW* 5-12 May 1990. XXV, 18 & 19, pp.978-9.
369. R. Manchanda, 'Loss of Confidence,
370. See, for instance, the report in *The Statesman* 6 January 1990. *The Hindustan Times* particularly refers to activists of Hizbul Mujahideen working in such crucial Departments as Electricity. The Kashmiri Bar Association was one of the first professional associations to denounce the Indian Govenunent's insensitivity to protestors in Jammu and Kashmir.
371. The Chaar-e-Sharief is a sacred spot venerated by both Muslims & Hindus. Militants sought to blow it up to provoke communal strife in Jammu & Kashmir.
372. General strikes in the Valley were proveked by the arrest of. Hizbul leaders by the Indian army.
373. *The Telegraph* 19 August 1995.
374. At the close of 1989 the militants had started targeting the followers of the Bharatiya Janata Party and no less than a senior Vice President of the state unit of the Party, Tikka Lal Taploo, was gunned down. The non-Muslim population has virtually deserted the Valley. See *India's Kashmir War*. Balraj Puri had anticipated this as early as the 1960s and had advocated the separation of Jammu from Kashmir. See his *Jammu - A Clue to Kashmir Tangle* (Delhi : 1966). But once they became refugees these Hindus tended to be advocates of Hindu revivalist politics. See *EPW* 24 November 1990, xxv,47, pp.2572-3 and N.Y. Dole, 'Kashmir : A Deep-rooted Alienation'.
375. S. Ganguly, 'The Prospects of War and Peace in Kashmir' in Raju G.C. Thomas ed. *Perspectives on Kashmir*.
376. David Welsh argues that this particular reconciliation is extremely difficult. See his 'Domestic Politics and Ethnic Conflict', *Survival* Vol.35, No.1, Spring 1993, pp.63-80.
377. Cited in B. Puri, 'The Challenge of Kashmir', *EPW* 27 January 1990, XXV,4, p.191.
378. For a discussion of how "the lower status accorded to regionalism, localism and religious, ethnic and linguistic specificities' by the Nehruvian integrationist bourgeois modernism has been largely responsible for ethnic politics in contemporary India see Barun De and Suranjan Das, 'Ethnic Revivalism Problems in the Indian Union', in K S. Singh ed. *Ethnicity, Caste and People India and the Soviet Union* (New Delhi : 1992). Many scholars argue this is the paradox of most Third World countries. See C. Thomas, *In Search of Security : The Third World In International Relations* (Hertfordshire : 1987).
379. Jay Prakash Narayan. 'The Need to Re-Think', *The Hindusthan Times* 15 May 1964.
380. See the submission by Nikhil Chakravarty, *The Pioneer*, 28 April 1993.
381. See Sheikh Abdullah's interview to *The Times* 10 March 1972.
382. See the statement by M. Yusuf Tarigami, Secretary of Jammu & Kashmir state unit of the Communist Party of India (Marxist) *FBIS-NES* 900105, 8 June 1990.
383. M.J. Akbar, *India : The Siege Within*, p.228.

384. According to the Indian defence analyst K. Subrahmanyan even a quick conventional conflict would cost $25 billion, i.e., a dozen time more than India's bill for the 1971 war. *US News & World Report*, 11 June 1990.
385. Significantly, even after his undemocratic dismissal in 1984 Farooq Abdullah categorically stated : 'For us accession of Jammu and Kashmir to India is complete, final and irrevocable. We will not allow this to be reopened in any case'. See Farooq Abdullah, *My Dismissal*, p.84.
386. J.N. Dixit, *My South Block Years*, p.337.
387. P. Singh, 'An Indian Perspective II', p.111.
388. Balraj Puri's remarks are worth quoting here : "The concept of an Indian nationalist devoid of all sub-national feelings is not real ... Rigid and aggressive form of nationalism often provokes separtism while a healthy sub-nationalism contributes to integration".' See his 'Kashmir : Who Is Playing with National Interest?', *EPW* 11 February 1984, Vol.19, No.6.
389. *Peace Initiatives* May-June 1997.
390. D. L. Horowitz, 'Ethnic Conflict Management for Policymakers' in J.V. Montville ed. *Conflict* p.115.
391. The BJP undertook this campaign on 23 June 1999. The RSS mouthpiece Panchajanya in its 23 June 1999 issue linked the 'martyrdom' of jawans killed in Kargil. It remarked : "His (Mukherjee's) martydom was but a beginning in a series of sacrifices India has made to thwart the nefarious designs of our enemy. In the ongoing Operation Vijay at Kargil, hundreds of our valiant soldiers have made the supreme sacrifice". On 20 June 1999 the paper even gave the irresponsible call for the use of nuclear bomb on Pakistan to "teach the country a lesson". See the report on this RSS outburst in *The Telegraph* (Cal) 26 June 1999.
392. *The Times of India* (Cal) 27 June and 4 July 1999.
393. D. Horowitz, 'Making Moderation Pay : The Comparative Politics of Ethnic Conflict Management' in J. V. Montville ed. *Conflict*, p.453.
394. D. Horowitz, 'Ethnic Conflict', p.119.
395. See J. V. Montville, 'Epilogue : The Human Factor Revisited' in J. V. Montville ed. *Conflict* for the necessity to emphasize the 'human factor' in any understanding of an ethnic conflict. After all, as *The Indian Express* (20 March 1993) remarks : "India has to ask itself : why has Pakistan been able to recruit so many young men as militants and why do they get considerable popular sympathy? Why have the bulk of the people of Kashmir lost faith in their links with New Delhi? And what must be done to restore lost faith"? The then Indian Prime Minister Rao hinted at a new 'Kashmir package' on 31 October 1992, but nothing concrete followed.
396. A. Jalal, 'A Terrible Beauty is Torn'.
397. S. P. Cohen, 'Kashmir : The Road Ahead'. Kashmiri scholars like Ishaq Khan are firmly convinced that 'there is still an ample scope for the flowering of the idea of being a nationalist in J & K without indeed seeking the independence or division of the state on religious lines' See Mohammad Ishaq Khan, 'Reflections on Kashmiri Nationalism', p.8 (Paper presented in the seminar on 'Towards Understanding the Kashmir Crisis,' Jamia Millia Islamia, New Delhi, 13-14 Nov. 2000).
398. A delegation of Opposition parties like the CPI(M) and Janata Dal suggested this line of thought to the Union Home Minister on 30 June 1992. See A.G. Noorani, 'A Pattern'
399. S. Mustafa, 'Why Kashmir is Still Hurting', *The Asian Age*, 25 September 1999.
400. See K. Bajpai et al., *Jammu and Kashmir : An Agenda for the Future* (Delhi Policy Group : Delhi March 1999). pp.3-4; 30-51.

401. *People's Democracy* 20 March 1994.
402. *The Hindu* 18 January 1990, see the submission by O.N. Dhar.
403. The resolution demanded autonomy for Kashmir by a return to pre-1953 status. But this resolution was rejected by the Union Government. It has not also evoked much favourable reaction amongst the mainstream political parties.
404. *Ibid.*
405. 'A conversation with Yasin Malik', *Peace Initiatives*, Vol.I, No.1, July-August 1995.
406. Cited in B Puri, *Kashmir Towards Insurgency*, p.83. When the present book was in press the Hizbul Mujahideen declared a ceasefire with the Indian state as a prelude to a negotiation with New Delhi. But this ceasefire was unilaterally withdrawn by the Hizbul Mujahideen following opposition from the Hizb leaders based in Pakistan and subtle intervention from Islamabad.
407. *The Telegraph* 30 September 1995.
408. S. Bose, *The Challenge in Kashmir*, p.78.
409. See K.F. Rustamji, 'Do we have to live with terrorism forever?', *Delhi Midday* 23 March 1990. Rustomji reckons that in today's Jammu and Kashmir 25% would be for independence, 20% for Pakistan, 45% for India and 10% undecided. He believes that if a full vote is obtained in the Hindu areas of Jammu, the Buddhist region of Ladakh and the border areas of Poonch and Rajaori the percentage of votes for India would rise to 55%.
410. Quoted in *Frontline* 21 May 1999, p.40.
411. See Jamaat-e-Islami's leader Syed Ali Shah's assertions as cited in *ibid.*, p.41.
412. Cited in K. Nayar, 'Polls in Kashmir'.
413. *Ibid.*
414. *Peace Initiatives*, Vol.III, Sept-Oct 1997, p.IV.
415. *Ibid.*, p.V.
416. *Ibid.*
417. M. Ali Shah, 'The Kashmir Problem : A View from Four Provinces of Pakistan', *Contemporary South Asia*, 1995, 4(1).
418. I. H. Malik, 'The Kashmir Dispute'.
419. *EPW* 2 June 1990, XXV, 22, p.1173.
420. By this Declaration India for the first time implicitly accepted Kashmir as a 'disputed question'.
421. See the report on Benazir's speech on 'Pakistan's Regression to an Authoritarian Past' at the Woodrow Wilson Center, Washington, in *India Abroad News* cited in *The Statesman* 28 May 1999.
422. *The Times of India* 10 June 1999.
423. *Ganashakti* 2 June 1999.
424. Cited in *ibid.*, 4 July 1999.
425. *Ibid.*
426. S. P. Cohen, 'Kashmir : The Road Ahead'.
427. This is what such organizations as the Center For Democratic Societies argue. See Arun Kumar's comment in *The Herald* July 1990, p.21.
428. Anuradha Mazumdar, 'The Overbearing Past', *The Statesman* 5 March 1998.
429. *Ibid.*
430. Cited in D. Welsh, 'Domestic Politics', p.75.
431. A. T. Embree, 'Pluralism and National Integration : The Indian Experience' *Journal of International Affairs*, Vol.27, No.1, 1973, p.47.
432. See the remarks by the General Secretary of the Communist Party (Marxist) Harkishen Singh Surjeet in *Hindusthan Times* 26 December 1989.

حصہ دوم

پاکستان کی قومی حکمت عملی میں سندھ کا مقام

آج کے دور میں سندھ بارود کا ایک ڈھیر ہے۔ وہ لوگ جو کسی اعتبار سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں یا ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو آج اقتدار میں ہیں' ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ ناراض سندھ کے مزاج کو سمجھیں جو ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارے حکمرانوں اور سندھی لیڈروں کی پسند و ناپسند سے بے نیاز کسی دوسرے تباہ کن دھماکے کی صورت اختیار کر جائے[1]۔

سندھ میں دہشت گردی کے واقعات پر جتنی سرد مہری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اتنا کسی اور جگہ نہیں۔ اور سندھ سے زیادہ اسلحہ' منشیات' نسلی تعصب' محرومی اور مایوسی بھی کہیں اور نہیں ملتی۔ سندھ کا نصیب ہی شاید خون سے لکھا گیا ہے' ہر باب خون سے لبریز' قانون کے رکھوالوں کی جانب سے' طاقت کے نشے میں چور طبقات کی طرف سے ایک خونی واقعے کے بعد دوسرے خونی واقعے سے' اور سب سے بڑھ کر بدنصیبی خود فرزندانِ زمین کی آپس کی خوں ریزیوں کی وجہ سے[2]۔

یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے خیالات' سندھی دانشوروں کے ناقابلِ فہم افکار ہیں جو پاکستان کے دوسرے بڑے صوبے سندھ میں نسلی فسادات کا سبب بنتے ہیں۔ اس کا دارالخلافہ کراچی' روزانہ سندھیوں اور غیر سندھیوں کے مابین نسل پرستی پر مبنی دہشت گردی کا شکار رہتا ہے۔ وسیع تناظر میں سندھ کا مسئلہ سندھی قومیت کی عدم شناخت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ بہت پہلے سے مغربی اور امریکی سوشل سائنس کے ماہرین پاکستان کو اس کے بین الاقوامی کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک ہی قسم کی دوسری اسلامی ریاست قرار دے چکے ہیں۔

زیادہ پرانی بات نہیں 1962 میں امریکہ کے ہنری کسنجر نے پاکستان کے دورے کے موقعہ پر بلوچستان کی قومی بغاوت کو سندھ کے واقعات کا تسلسل قرار دینے سے اتفاق نہیں کیا3۔ مگر جیسا کہ کشمیر میں سندھ کا مسئلہ نامکمل قومی شناخت کے عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے' جس کے باعث سندھی اور غیر سندھی آبادی کے درمیان وسیع تر پاکستان کے قومی نظریے کی روشنی میں متوازن پالیسی وضع نہیں کی گئی۔ میں پہلے تاریخی تناظر میں سندھ کے مسئلہ کا جائزہ لوں گا' اس کے بعد سندھی نسل پرستی کی سیاست کے رجحانات پر روشنی ڈالوں گا4۔

1- معاصر سندھی قوم پرستی کی جڑیں:

تقسیمِ برصغیر کے وقت علاقہ کا تیسرا سب سے زیادہ آبادی کا صوبہ سندھ' پاکستان کے جنوب میں واقع ہے' مشرق میں ہندوستان کے علاقہ راجستھان اور جنوب میں گجرات کی سرحدوں سے ملحق ہے۔ اس کی معاشی پیچیدگیاں خاصی دلچسپ ہیں۔ جاگیرداری کا حامل دیہی اور پسماندہ نظام' ملک کے غیر معمولی تجارتی سرگرمیوں کے شہر کراچی کے ساتھ ساتھ برقرار ہے۔ مگر سندھ کی تاریخ کی سب سے اہم بات ایک علیحدہ اور نمایاں شناخت برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مضمر ہے جس کی جڑیں عموماً وادئ سندھ کی تہذیب کے مامن موئن جودڑو سے ملتی ہیں۔ تحقیقی مطالعات کے ذریعے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ کس طرح سندھ کے قبائلی سماج نے جاگیرداری طرز اختیار کر لیا' پھر جب 8 ویں صدی عیسوی میں عربوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو یہاں کی ہندوانہ اور ہندوستانی شناخت کو تبدیل کر دیا5۔ 1599ء میں مغل بادشاہ اکبر نے اپنی قلمرو سندھ تک تو پھیلا لی لیکن ہندوستان کے باقی حصوں کے ساتھ اس کو یکجان کرنے میں بمشکل کامیاب ہو سکا6۔ برطانوی نوآبادیاتی نظام کے خلاف بھی سندھ کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا ہوا' اس وقت کا معروف نعرہ 'مروے سوں' پر سندھ نہ ڈیسوں' تھا۔ گو کہ 1843ء میں سندھ پر یونین جیک لہرا دیا گیا' مگر برطانیہ نے یہاں کی حد سے بڑھی ہوئی قوم پرستی کا اعتراف کیا ہے7۔

ابتدائی طور پر سندھیوں نے بڑے خلوص کے ساتھ ایک مشترکہ دشمن' نوآبادیاتی نظام کے خلاف ہندوستانی قوم پرستی کا ساتھ دیا۔ مگر جب تحریکِ پاکستان کی ابتدا ہوئی تو یہ اس

کے پیچھے چل پڑے۔ پاکستان کے لیے سندھی حمایت کا اصل سبب سندھ اسمبلی کی 1943 کی قرارداد تھی جس میں سندھ کی خودمختاری کی ضمانت دی گئی تھی 8۔ 1940 کی حروں کی بغاوت میں سندھ کی آزادی کے پس پردہ دو بنیادی اسباب تھے: اول پاکستان کی حمایت' اور دوم سندھ اسمبلی کی علیحدہ شناخت 9۔ 15 اگست 1947 کے ایک عبوری معاہدہ کے نتیجے میں سندھ پاکستان کا پانچواں صوبہ بن گیا 10۔ مگر پاکستان کی سیاسی پالیسی میں' معاہدہ کی روح پر عمل درآمد کے راستے میں مرکز کے تصور کی فوقیت' بیوروکریسی میں پنجاب کی بالادستی' اور وقتاً فوقتاً فوج کی آمرانہ مداخلت حارج رہی۔ قومی اتحاد کے لیے اسلامی نظام معیشت کے اطلاق کی حکمران اشرافیہ کی کوششوں کی وجہ سے پاکستان کے اس قومی مسئلے کے حل میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ قدرتی طور پر نسلی امتیاز پاکستان کی سیاست کا لازمی جزو بن کر رہ گیا۔ سندھ کا مسئلہ اسی نسلی سیاست کی پیداوار ہے 11۔ کشمیر اور سندھ کے نسلی امتیازات کے رجحان کی یکسانیت ناقابلِ شناخت نہیں ہیں۔ البتہ ایک فرق ضرور ہے۔ کشمیر پاکستان اور ہندوستان کے مابین ایک متنازعہ علاقہ ہے جبکہ سندھ کے ساتھ یہ قصہ نہیں ہے' مگر سندھ کی نسلی سیاست میں سرحد پار کے رشتوں کا رجحان ضرور پایا جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ درجِ ذیل چار حقائق سندھ میں کارفرما نسلی وابستگی کی شناخت میں مدد دے سکیں: جغرافیائی حیثیت' معاشیات' ثقافت اور سیاست۔ مگر یہ کہ یہ چاروں علیحدہ سے انفرادی عوامل نہیں ہیں' کیونکہ بیشتر موقعوں پر یہ سب آپس میں مدغم بھی ہو جاتے ہیں۔

1.1 تقسیمِ ہند' ہجرت اور سندھی شناخت کو لاحق خطرات:

نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے نتیجے میں دو مملکتیں معرض وجود میں آئیں' ایک ہندوستان جو سیکولر نظریات کی حامل برصغیر کے قلب پر مشتمل ریاست ہے' اور ایک مسلمان اکثریتی آبادی کا ملک پاکستان جس کے دو بازو تھے جن میں سے مغربی بازو اپنے مشرقی بازو سے کم و بیش 1500 کلومیٹر ہندوستانی علاقے کے پار واقع تھا۔ اس تقسیم کے عمل کے نتیجے میں نئی سرحدوں کے پار بڑے پیمانے پر ہجرت وقوع پذیر ہوئی۔ مسلمانوں کے غول بڑے پیمانے پر پاکستان کی طرف کوچ کرنے لگے اور ہندو پناہ کی تلاش میں ہندوستان کی طرف 1951 کی

پاکستانی مردم شماری کے مطابق 7.2 ملین مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کی جبکہ بہت سے ماہرین ارضیات اس تعداد کو 10 ملین بھی کہتے ہیں 12۔ مگر آبادی کے اس تبادلے کے نتیجے میں خود پاکستان پر متضاد اثرات مرتب ہوئے۔ پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں آبادی کے یکساں رہن سہن کی وجہ سے نئے آنے والوں کا باہمی اور باسہولت ادغام ہوگیا' بلوچستان اس کے اثرات سے متاثر نہیں ہوا' مگر صوبہ سندھ آبادی کے دباؤ کی وجہ سے بری طرح متاثر ہوا۔ گوکہ پنجاب گنجائش کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ تھا اور ہندوستان سے آنے والے مہاجرین ......اردو بولنے والے ہندوستانی مسلمان ......ان لوگوں کے علاوہ جو مشرقی پنجاب سے آئے تھے......کی آبادکاری کے یہاں زیادہ امکان تھے' ان کو ابتدائی طور پر سندھ میں آباد کیا گیا13۔ 1950 کی ابتدا میں ہندوستان سے آنے والے مہاجروں کی تعداد پاکستان کی کل آبادی کا 9.8 % تھا مگر سندھ میں ان کا تناسب 11.7% تھا14۔ تقسیم ہند کے بعد سندھ سے ہجرت کرنے والے سندھی ہندوؤں کی تعداد 18 لاکھ تھی۔ اردو بولنے والے 30 لاکھ ہندوستانی مسلمانوں نے سندھ میں پناہ حاصل کی جن میں سے 63.9% نے شہری علاقوں میں سکونت اختیار کی۔ درج ذیل نقشے کی مدد سے ہندوستانی باشندوں (جو مہاجر کہلانے لگے) کا شہری علاقوں میں قیام کا تناسب واضح ہوتا ہے[15]:

شہر	آبادی	مہاجر	مہاجر آبادی کا تناسب
کراچی (کارپوریشن)	10,64,557	6,12,680	57.55%
حیدرآباد	2,41,801	1,59,805	66.08%
سکھر	77,026	41,791	54.08%
میرپورخاص	40,412	27,649	68.42%
نواب شاہ	34,201	18,742	54.79%
لاڑکانہ	33,247	11,767	35.39%

1954 میں ہجرت کرنے والے ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد سندھ میں دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی' جو صوبے کی کل آبادی کا 20% تھا16۔ 1981 میں لسانی بنیادوں پر سندھ کے سب سے بڑے شہر کراچی میں آبادی کا تناسب کچھ اس طرح تھا: اردو 54.3%' پنجابی

13.6%، پشتو 8.7%، سندھی 6.3%، بلوچی 4.4%، ہندکو 1%، دیگر 11.7%[17]۔ حیرت انگیز طور پر پنجاب کی طرف ہجرت کرنے کا سلسلہ 1948 میں ختم ہو چکا تھا مگر شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کا سندھ کی طرف ہجرت کرنے کا سلسلہ اس وقت تک نہیں رکا جب تک دونوں ملکوں کے درمیان آزادانہ سفر کی روک تھام کے لیے ویزا سسٹم نافذ نہیں کر دیا گیا۔

پنجاب میں آباد ہونے والے مہاجروں کے مقابلے میں شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کو سندھ کے سماجی، لسانی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی طور پر تبدیل شدہ ماحول میں خود کو ڈھالنا دشوار ثابت ہوا کیونکہ پنجاب میں مشرقی پنجاب سے آنے والوں کو کسی اعتبار سے مغائرت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اور یہاں ہجرت کرنے والے سندھ کے ثقافتی ورثے کی اہمیت، اس کے نغموں، اس کے رقص، اس کے سسی پنہوں کے قصے، سوہنی مہیوال، اس کے ہوجمالو اور اس کی دھمال کے اثر کو قبول نہیں کر سکے[18]۔ اس کے بجائے سندھ میں ان نئے آنے والوں نے سندھ کی دیہی ثقافت پر اپنی برتر مغلیہ شہری معاشرت اور سماجی سیاسی پہچان قائم کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے خود کو مقامی سندھیوں سے الگ تھلگ رکھ کر مہاجر رہنا پسند کیا اور اپنی اس خصوصیت کی بنا پر ریاست سے خصوصی مراعات کے طالب ہوئے[19]۔ مہاجروں کی اول ضرورت تو یہ تھی کہ وہ خود کو ہجرت کے دیے گئے مصائب سے اپنے آپ کو آزاد کر کے محتاط طریقے سے قومی برادری سے رابطے استوار کر کے اپنے لیے سیاسی مقام بنانے کی کوشش کرتے[20]۔ ایک خاص جغرافیائی محل وقوع نے ان کو مقامی اثرات سے محفوظ اپنا ایک علیحدہ سماجی تشخص قائم کرنے کی طرف راغب کیا[21]۔ تگران کو ایک علیحدہ گروپ کے طور پر اپنی پہچان قائم کرنے کے لیے اپنے اندرونی ڈھانچہ کو بھی مضبوط بنانے کی یکساں ضرورت تھی[22]۔ مثال کے طور پر مہاجروں کی شناخت عموماً پیشہ ورانہ گروپ کی حیثیت سے بن گئی تھی۔ تگران کی اکثریت زراعت سے قطعی نابلد تھی۔ 40% سے زائد لوگ محض کلرک یا سیلز مین تھے، 16.8% لوگ ملازمت پیشہ اور 21.7% کاریگروں پر مشتمل تھے۔ ان میں غیر معمولی تعلیم یافتہ متوسط طبقہ بھی تھا جو اعلیٰ سیاسی مقام حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا تھا[23]۔ مقامی اکثریتی طبقات کے مقابلے میں مہاجروں میں غربت کا مارا ہوا محنت کش طبقہ بہت محدود تعداد میں تھا[24]۔ ایک مبصر کے الفاظ میں:

دوسرے تمام طبقات اہم ترین جاگیردارانہ حیثیت کے حامل تھے لیکن
مہاجر صرف درمیانی طبقے سے تعلق رکھتے تھے 25۔

مہاجروں کے اس درمیانی طبقے نے پاکستان کے دوسرے طبقات کے مقابلے میں انتخابی اور مزاحمتی سیاست میں نسبتاً زیادہ حصہ لیا۔

مہاجروں نے اپنا آبائی وطن چھوڑنے کے بعد 26 اپنی نئی شناخت کے تحفظ کے لیے اردو دان اسلامی پاکستان کے تصور میں بنیاد پرست اسلامی تنظیموں مثلاً جماعتِ اسلامی یا جمعیت العلما پاکستان کے جھنڈے کے نیچے پناہ لی۔ مہاجروں کے اسلامی تصور نے سندھیوں کے صوفی ازم پر مبنی اسلام کے تصور کے ساتھ بھی سختی سے اختلاف کیا۔ تحریکِ پاکستان میں اپنے غیر معمولی کردار 27 کی روشنی میں مہاجر خود کو مشعلِ راہ سمجھنے لگے۔ اتفاق سے شروع کے دونوں گورنر جنرل اور پہلے وزیرِ اعظم مہاجر تھے۔ دوسری طرف مہاجروں کے قبضہ کرنے کی نفسیات 28 کے ہاتھوں سندھی خود کو محرومی کا شکار سمجھنے لگے اور مہاجروں کے مقامی آبادی کے معاشرتی اور ثقافتی ورثہ 29 کے ساتھ ادغام سے انکار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ ایک سندھی قلمکار کے الفاظ میں:

ہندوستان سے آنے والے ہمارے ساتھی سندھ کی سرزمین پر اپنے ساتھ ایک خاص قسم کی اجنبیت لے کر آئے اور اپنی عادتیں اور نظریات یہاں کے لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہوں نے قوانینِ قدرت کو بھی بدلنے کی کوششیں کیں 30۔

سندھ پر آبادی کے دباؤ کی صورت اس وقت مزید پیچیدہ ہو گئی جب مہاجروں کے علاوہ پنجاب اور صوبہ سرحد سے بھی روزگار کی تلاش میں لوگ بڑی تعداد میں یہاں آنے لگے۔ اس کے علاوہ 1971 میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ہزاروں بہاری جو سابقہ مشرقی پاکستان کے باشندے تھے' انہیں بھی سندھ میں آباد کیا گیا 31۔ ایک اندازے کے مطابق صرف کراچی آنے والے مہاجرین کی تعداد سالانہ دو لاکھ تک تھی 32۔ ان ہجرتوں کے در پردہ سندھیوں نے ایک سازش کے خطرات محسوس کیے کہ وہ اپنی ہی سرزمین پر سیاسی' سماجی' اور معاشی اقلیت میں تبدیل کر دیے جائیں گے 33۔ خوف کی یہ نفسیات ماضی کے تجربے کے تحت یقیناً غلط بھی نہیں

تھی۔ 1947 میں سندھ کی آبادی 95% سندھی بولنے والوں پر مشتمل تھی، مگر 1950 تک سندھ کی شہری آبادی میں اردو بولنے والوں کی تعداد نمایاں طور پر بڑھ چکی تھی۔ کراچی اور حیدرآباد میں یہ تناسب بالترتیب 80% اور 66% ہو چکا تھا34۔ 90-1989 میں خود اپنے ہی صوبے میں ان کی تعداد کل آبادی سے نصف بھی نہیں تھی، اور کراچی شہر میں محض 5%35۔ لہٰذا سندھی قوم پرستوں نے وفاق پر الزام لگایا کہ دانستہ طور پر سندھیوں کو ان کے اپنے وطن میں اقلیت میں تبدیل کرنے کی سازش کر کے ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں36۔

1.2 مسئلۂ سندھ کی معاشی وجوہات:

اپنے صوبے میں غیر سندھیوں کی صحت مند معاشی سرگرمیوں کو سندھی اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ پاکستان کی معیشت میں صوبہ سندھ کا حصہ قابلِ قدر ہے۔ ملک کی اوسط مقامی پیداوار 30% کے قریب ہے، اور کراچی مستقل طور پر ملک کے مالیاتی مرکز کا کردار ادا کر رہا ہے مگر سندھیوں کو اس معاشی عمل سے معمولی حصہ بھی نہیں ملتا37۔ مقابلتاً مہاجر زیادہ تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہونے کی وجہ سے سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں کی دوڑ میں سندھیوں سے بہت آگے نکل گئے 38۔ بڑے تجارتی ادارے، ملازمت پیشہ، منتظم، بالائی متوسط طبقہ، اور تربیت یافتہ ہنرمند سب مہاجروں سے تعلق رکھتے تھے، اور جیسا کہ زیدی کے الفاظ میں:

> جدید شہری سرمایہ کاری کا ایک ایسا ساج جو وہ لوگ ہندوستان کے قصبات اور شہروں سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے39۔

حالانکہ یہ لوگ ملک کی کل آبادی کا 3.4% تھے مگر انہوں نے پاکستان کے پنجابی نسل پرست حکمرانوں کے ساتھ ملکر بہت جلد خود کو مستحکم کر لیا40۔ اور شاید یہی صورت ہندوستانی مسلمانوں کے قائد محمد علی جناح اور لیاقت علی کی توقعات کے مطابق بھی تھی 41۔

مہاجروں نے تقسیم ہند کے بعد بہت جلد 21% سرکاری ملازمتیں بھی حاصل کر لیں جس کی وجہ سے ان کو پیشِ نظر پاکستان کے ہر حصے میں بالادستی حاصل ہوگئی۔ 1968 میں بریگیڈئر کے رینک سے اوپر کے 23% فوجی افسران مہاجر تھے 44۔ 1973 میں 30.29% اعلیٰ بیوروکریٹ مہاجر تھے 45۔ 1974 میں سرکاری شعبوں کے اعلیٰ عہدوں پر مہاجر متمکن

تھے 46۔ اس کے برعکس دوسری جانب 2.7% سندھی گزیٹیڈ پوسٹوں پر تھے' 4.3% سیکریٹریٹ میں' اور 3.6% سرکاری اداروں کے اعلیٰ افسران تھے 47۔ 1973 تک کوئی سندھی صوبائی گورنر اور سفارتی افسر مقرر نہیں کیا گیا 48۔ 1955 اور 1977 کے درمیانی وقفے میں 184 ڈپٹی انسپکٹر جنرل اور 150 کمشنر اور ڈپٹی کمشنر آف پولیس میں سے صرف 53 اور 41 مقامی سندھی تھے 49۔ صوبائی صدر مقام کراچی بھی کسی سینئر سندھی پولیس آفیسر سے محروم تھا۔ 70-1969 کے ایک سروے کے مطابق پرائیویٹ سیکٹر کے دس لاکھ ملازمین میں سندھی بمشکل ایک ہزار سے زائد نہیں تھے۔ اسی عرصے کے دوران 10,000 بینک ملازمین میں صرف 250 سندھی تھے۔ وفاقی اور صوبائی ملازمتوں میں علی الترتیب 02%. اور 40% سندھی تھے۔ 1980 کے آخر تک 2000 فعال صنعتی یونٹ میں سے صرف 500 سندھیوں کے کنٹرول میں تھے 51۔ صرف 1987 میں سندھ میں 7000 ڈاکٹر' 5000 انجینئر' 4000 زراعت پیشہ' 2000 سائنس گریجویٹ اور 40000 آرٹس اور سائنس گریجویٹ بے روزگار تھے 52۔ سول سروس میں سندھ کا مخصوص کوٹہ 1988 میں 50% شہری علاقوں کے لیے اور 7.6% دیہی علاقوں کے لیے تھا 53۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جو فقط مہاجروں کو نوازنے کے لیے بنایا گیا تھا کیونکہ وہ ابتدا سے ہی شہری علاقوں میں رہائش پذیر تھے۔ ایک معروف مبصر کے بقول:

> سندھ کے علاوہ کسی اور صوبے میں پچھلے 43 سے 45 سال کے عرصے میں چیف سیکریٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس صوبے سے باہر کا نہیں تھا۔ کسی صوبے میں پچھلے پینتالیس میں سے تیس سال تک کوئی چیف ایگزیکیوٹیو بھی صوبے سے باہر کا نہیں تھا۔ سندھ کی طرح کسی صوبے میں بھی صوبے سے باہر کے لوگوں کو نسلی اور معاشی برتری حاصل نہیں ہے۔ پاکستان کے کسی مخصوص نسلی طبقے کی مسلح افواج میں اتنی کم نمائندگی نہیں ہے جتنی سندھیوں کی 54۔

پاکستان میں جو کچھ ہوا وہ شہری پنجاب اور سندھ کی متحدہ طاقت کے محور کا قیام تھا' جو مسلم لیگ' بیوروکریسی' فوج اور تجارتی طبقہ پر مشتمل تھا 55۔

کشمیر کی طرح سندھ کا معاشی ڈھانچہ بھی نسلی وابستگی سے محفوظ نہیں تھا۔ ہندوؤں کی معمول سے بڑھی ہوئی زمینداری، سود پر رقوم کی فراہمی، اور مسلمان ہاریوں کی طرف سے پیشہ ور سفید کالر طبقہ کی حمایت کی وجہ سے سندھ کی زرعی معیشت بھی یکساں برتاؤ کا شکار تھی۔ تقسیمِ ہند کے وقت سندھ کا 2.5 ملین ایکڑ قابل کاشت زرعی رقبہ ہندوؤں کے قبضے میں تھا56۔ پاکستان کے ساتھ سندھی مسلمانوں کے غیر معمولی جذبۂ ایثار کے پیچھے یہ توقعات تھیں کہ ہندو جاگیرداروں کے خروج کے نتیجے میں ان کی زمینیں ان کے حصے میں آئیں گی۔ لیکن حکومتِ پاکستان نے ہندوؤں کی متروکہ 1,345,000 ایکڑ زمین میں سے 800,000 ایکڑ زمین مہاجروں کو انکی چھوڑی ہوئی زمین کے معاوضہ کے طور پر الاٹ کر دی۔ یہاں تک کہ کوٹری اور گڈو بیراج کی تعمیر کے بعد حاصل ہونے والی نئی قابلِ کاشت زرعی زمین کے 1.0 ملین ایکڑ سے بھی سندھیوں کو محروم رکھا گیا۔ اس کا ایک حصہ سرکاری طور پر غیر سندھی فوجی اور سول حکام کو اور باقی ماندہ نیلام کے ذریعے صاحب حیثیت پنجابی آبادکاروں کو فروخت کر دیا گیا۔ 1958 میں سکھر بیراج کی 642,460 ایکڑ زمین میں سے 153,620 ایکڑ غیر سندھیوں کے پاس تھی اور سندھیوں کو صرف 123,586 ایکڑ پر ہی مطمئن ہونا پڑا57۔ غلام محمد بیراج کے ذریعے قابلِ کاشت ہونے والی 1.48 ملین ایکڑ زمین سے 0.87 ملین ایکڑ زمین مسلح افواج کے غالب حصے کو جو پنجابیوں پر مشتمل تھا اور کوئٹہ اور سرحد کے آبادکاروں کو اور مشرقی پاکستان سے آنے والے مہاجر آبادکاروں کو سونپ دیے گئے 58۔ نئے غیر سندھی زمیندار لازمی طور پر غیر موجود زمیندار تھے، جنہوں نے مہاجر ہاریوں کو کاشتکاری کے لیے ملازم رکھا ہوا تھا۔ 1985 کے ایک سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کی عمدہ قابلِ کاشت اراضی کا صرف 40% سندھی زمینداروں کی ملکیت میں تھا۔ فطری طور پر زراعت کا یہ نیا منظر نامہ سندھیوں کو صوبے میں کارفرما نسلی عدم توازن کے خوف سے برداشت کرنا پڑا59۔ اس کے علاوہ بھی کئی عوامل ہیں، جیسا کہ سکھر میں پنوعاقل جہاں سندھ کے قدیم باشندوں کو اپنی زمینیں نئی چھاؤنی کی تعمیر کے لیے بلا معاوضہ چھوڑنی پڑیں60۔ دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے لیے 1945 کے پنجاب سندھ معاہدے کا احترام ملحوظ خاطر رکھنے کے بجائے سندھیوں کو پریشانیوں میں مبتلا رکھنے کے لیے اس معاہدے کی کھلم کھلا توہین کی گئی۔ اس کے علاوہ 1967 کے منگلا اور 1974 کے تربیلا

ڈیم کے آبپاشی منصوبے بھی سندھیوں کے یقین کے مطابق بڑے پیمانے پر سندھ کے پانی کے کوٹے میں کمی کرنے کی نیت سے قائم کیے گئے تھے 61۔ انہی اسباب کے طفیل سندھیوں نے علاقائی عدم مساوات کے ایک طے شدہ تسلسل کی نشان دہی کی 62۔ حال ہی میں سندھ میں تیل کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ مگر سندھیوں کی ایک بڑی تعداد ابھی سے اس خدشے میں مبتلا ہے کہ سندھ کو ان ذخائر کی منفعت سے بھی محروم رکھا جائے گا۔ اس خوف کی جڑیں پنجاب کے قومی سیکٹر اور سندھ کے روز افزوں ترقی کرتے ہوئے کاروباری طبقات کے تعاون سے جاری مخصوص ترقیاتی عمل میں پوشیدہ ہیں۔

سندھ کو معیشت کی ترقی سے محروم رکھنے کی اس کہانی کا سب سے واضح پہلو جس کے اثرات کا سب سے زیادہ سندھی کمیونٹی سامنا کر رہی ہے وہ پیارو گوٹھ ضلع دادو کا واقعہ ہے۔ سندھ کے روایتی گوٹھوں کی طرح کے اس گوٹھ میں کوئی غیر سندھی آبادی نہیں ہے' اس کے کردار میں ایک شوگر مل کے قیام سے ڈرامائی تبدیلی رونما ہوگئی جب اس میں کام کرنے والے تمام مزدور اور دفتری کام کرنے والے پنجاب اور صوبہ سرحد سے بھرتی کیے گئے۔ یہاں تک کہ یہاں کی نئی مسجد کے لیے پیش امام بھی پنجاب سے لایا گیا 63۔

1.3 سندھ کی ثقافت کو لاحق خطرات اور ان کے نتائج:

سندھیوں کی عددی برتری کے خاتمے اور معاشی وسائل میں ناکافی شرکت نے ان میں تنہا کیے جانے کے خیال کو حکومت کی طرف سے یہاں کے ثقافتی ورثہ کو نظر انداز کیے جانے کے عمل نے مزید تقویت دی۔ روایتی طور پر سندھ کی ثقافت صوفی ازم اور مختلف نظریات سے مرکب باہمی اتحاد و اتفاق کے اصولوں پر مبنی ثقافت رہی ہے جس کے بارے میں وثوق سے کہا جاتا ہے: کہ یہ تاریخ کے مسلسل اور بتدریج اثر انداز ہونے والے مختلف عناصر کا مرکب ہے 64۔ ایک سندھی قوم پرست کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> سندھ ایک قدیم سرزمین ہے۔ دنیا کی بہت سی قدیم تہذیبوں کا گھر' کرۂ ارض کے ورثے میں اس کا اپنا ایک تاریخی مقام ہے' طویل بدھ اور ہندو ادوار کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں یہ مسلم عرب تہذیب کا

> گہوارہ بن گیا اور صدیوں تک تینوں عقائد کے لوگ مثالی امن و آشتی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتے رہے۔ جس طرح بدھ اور ہندو تہذیب ایک دوسرے کے ساتھ پھلتی پھولتی رہی اسی طرح اسلام' بدھ مت اور ہندو مت بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے 65۔

ایک اور سندھی مصنف بھی اسی پیرائے میں بیان کرتا ہے:

> سندھی سماج مسلمان صوفیوں اور کچھ ہندوؤں کے اثرات پر مشتمل تھا۔ ہندوستان کے کسی اور خطے میں اس مرتبے کے ہندوؤں نے اسلام قبول نہیں کیا جتنا کہ وہ آج تک سندھ میں کر رہے ہیں 66۔

سندھی ہندو اور مسلمان دیوالی کا تہوار ایک ساتھ منایا کرتے تھے۔ سندھ میں شیعہ اور سنی حسن اور حسین کی شہادت پر ایک ساتھ سوگ منایا کرتے تھے۔ محرم کے موقعہ پر نکالے جانے والے تعزیوں پر ہندو کھوپرے اور بتاشے چڑھایا کرتے تھے۔ شادی بیاہ کے گیت سندھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترک تھے اور خالص سندھی میں گائے جاتے تھے 67۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہجرت کرنے والے سندھی ہندو آج بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے مسلمان پڑوسی ان کو ترکِ وطن سے کتنی دلسوزی کے ساتھ روکتے رہے 68۔ 1947 میں 4.8 ملین افراد قیمتی ثقافتی ورثے کی حامل سندھی زبان بولتے تھے 69۔ عربوں کی آمد سے بہت پہلے سندھ کا اپنا طرزِ تحریر تھا جو سندھی ادب میں قیمتی اضافے کا باعث بنا 70۔ برطانوی راج میں بھی سندھیوں نے اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم اور عدالتی زبان کی صورت میں برقرار رکھا۔ نہ صرف سندھ کے رہنے والے گجراتی' پارسی' عیسائی' ہندو اور مسلمان سندھی بولتے تھے بلکہ سندھی ادب کی ترقی میں پارسیوں' عیسائیوں اور بوہریوں کا بھی معتدبہ حصہ رہا ہے 71۔ ثقافتی ترقی کی اس معراج نے ...... برطانوی ہند کے کسی دوسرے حصے کے برعکس ...... سندھیوں میں اپنی ثقافتی برتری کے ایک مضبوط احساس کو جنم دیا۔ زبان و ادب پر اس غرور کا اظہار سندھ کے ایک مشہور دانشور سید غلام مصطفیٰ شاہ نے ایسے کیا:

> یہ ایک ایسی زبان ہے جس کے بارے میں اللہ کے نبی کو بھی علم تھا۔ یہ قرآن' رسول کی روایتوں اور تاریخ اسلام سے نزدیک ترین زبان؛

ہے۔ یہی وہ پہلی غیر عربی زبان ہے جس میں قرآن کا ترجمہ کیا گیا۔
اس زبان نے بنیادی طور پر اپنی طاقت' خیالات' عبارات' فرہنگ اور اسلوب قرآن سے اخذ کیے ہیں جو شاہ جو رسالو میں بہت موثر پیرائے میں نظم کیے گئے ہیں۔ شاہ لطیف کی نظم کو فلسفہ' حقیقت نگاری' عقائد اور نظم گوئی کے حسین شاہکار کا امتیاز حاصل ہے۔ شاہ لطیف نے سندھی نظم اور قرآن کو سندھیوں کے لیے ان کی زندگی اور بنیادی عقائد کا ایک حصہ بنا دیا ہے 72۔

بد قسمتی سے پاکستان کے بانیوں نے سندھ کے اس قیمتی ورثے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا اور پاکستان گیر سطح پر اردو کو ذریعہ تعلیم اور رابطے کی زبان کے طور پر ترجیح دی۔ پاکستان بھر میں صرف 7% لوگوں کی بولی جانے والی زبان کو قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا' اور اس فیصلے کے دفاع میں ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے فروری 1948 میں ارشاد فرمایا:

پاکستان ایک مسلم مملکت ہے اور اس کی لسانی شناخت بھی مسلمان ملک کے شایانِ شان ہونی چاہیے...... کسی بھی ملک کے لیے لازمی ہے کہ وہاں ایک ہی زبان رائج ہو' اور پاکستان کے لیے وہ زبان اردو کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی 73۔

لہٰذا پاکستانی شناخت کے لیے اردو ناگزیر ہو گئی۔ مگر 1948 تک سندھ میں اردو کے شایانِ شان کوئی اخبار نہیں تھا۔ 1980 تک سندھ کی آبادی کے صرف 15% افراد کی مادری زبان اردو تھی' مگر پاکستان کی اس نئی مملکت میں سندھی طلبا کے لیے اردو کو لازمی قرار دیا گیا جبکہ یہاں غیر سندھیوں کے لیے سندھی پڑھنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ 1959 میں قومی تعلیمی کمیشن کی سفارشات میں اردو کو رائج کیے جانے کے حق میں زور دیا گیا:

1963 میں چھٹی جماعت سے اردو کو ذریعہ تعلیم کے طور پر رائج کیا جانا چاہیے اور بتدریج اگلی جماعتوں میں رائج کرتے رہنا چاہیے۔ سندھ میں بھی اردو کو وہی حیثیت دینا ضروری ہے جو اس کو پورے مغربی پاکستان میں حاصل ہے 71۔

کراچی کی وفاقی یونیورسٹی نے امتحان میں جوابات دینے کے لیے سندھی زبان کو خارج کر دیا۔ ہائی اسکول کا نصاب اس طرح ترتیب دیا گیا کہ سندھی طلباء کو ذریعۂ تعلیم منتخب کرنے کے لیے انگریزی یا اپنی مادری زبان میں سے کسی ایک کو ترک کرنا لازم ہو گیا۔ کراچی جیسے شہر سے پرانے سندھی میڈیم اسکول بتدریج ختم ہوتے چلے گئے 75۔ وفاقی حکومت نے کراچی یونیورسٹی کو اردو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا' اور حیدر آباد میں واقع سندھ یونیورسٹی کو جس نے سندھی ثقافت کی ترویج میں خصوصی آبیاری کی تھی' نسبتاً کمتر درجہ دیا گیا۔ فروغ اردو کی پالیسی صرف اردو بولنے والے مہاجروں کے مفاد میں تھی جو سندھیوں کو پہلے ہی اپنے سے کمتر اور کم تہذیب یافتہ مسلمان سمجھتے تھے۔

سندھی قومیت کے اولین داعی جی ایم سید نے بلاوجہ یہ اندیشہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وفاقی حکومت کی سندھی مخالف پالیسی کا مقصد ہی یہ تھا:

> سندھی اپنی ہزاروں برس پرانی زبان سے جو ان کے اتحاد کی علامت ہے' محروم کر دیے جائیں اور ہزاروں برس پرانی اپنی جداگانہ حیثیت کو فراموش کر دیں 76۔

قدرتی طور پر سندھیوں نے اردو کی بنیاد پر ثقافتی عمل کی شناخت کی مخالفت کی اور اردو کی تضحیک 'پھردو' کے نام سے کی' جس کی پاکستان کی سرزمین میں کوئی بنیاد نہیں تھی 77۔ غلام مصطفیٰ شاہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ہمیں اردو میں کیا ملتا ہے؟ مستعار لیے ہوئے خیالات' ادھار لیے ہوئے جذبات' چرایا ہوا بچکانہ ادب' چھچھوری اور نری جذباتی نظمیات' ماضی پرستی پر مبنی شاعری' سماجی محرومی اور نشہ آور فحاشی ...... اردو میں حقیقی معاشرتی پاکستان کا کہیں وجود نہیں 78۔

سندھی زبان کی حیثیت اب صرف متوسط طبقے کی دانش اور ثقافتی پہچان کی علامت بن کر رہ گئی۔

پاکستان کے حاکموں کی پہلی کھیپ کے نزدیک سندھی ثقافت کی ادنیٰ حیثیت کا اظہار لیاقت علی خان کے سندھ مسلم لیگ کے صدر سید علی اکبر شاہ کے روبرو اس جملے سے بخوبی

واضح ہو جاتی ہے:

گدھے اور اونٹ ہانکنے کے علاوہ سندھ کی ثقافت کیا ہے؟79۔

سندھی ثقافت کی ایک منصوبہ بندی کے ساتھ مخالفت کرنے کے الزام کی وجہ سے اردو ثقافت کی برتری کا دعویٰ کیا گیا۔ مہاجر نہ تو سندھی وڈیروں کو اور نہ ہاریوں کو اعلیٰ تعلیم اور جدید پیشوں کے لیے موزوں سمجھتے تھے80۔ مطالعات کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح پاکستان کی مرکزی حکومت نے سندھی زبان کو کچلنے کے لیے نہایت بے لچک سنسر کی پابندیاں عائد کی ہوئی تھیں۔ افسران سندھی مصنفوں کو نظر انداز کرتے اور اردو محققین کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ سندھی مطبوعات کے لیے سرکاری اشتہارات بند تھے اور ریڈیو پر سندھی نشریات میں تخفیف کی جاتی تھی۔ ریاست کے زیر انتظام الیکٹرانک میڈیا میں بھی سندھی زبان کے استعمال کو دانستہ دبایا جاتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک کراچی ٹی وی سے ہفتہ میں ایک بار صرف ایک گھنٹہ سندھی پروگرام کے لیے دیا جاتا رہا۔ سندھی فن کاروں اور سندھ کی روایتی دست کاریوں کو ریڈیو اور ٹی وی پر مناسب نمائندگی سے روکا جاتا تھا۔ سندھ کے قومی کرداروں اور عوامی ہیرو گمنام رکھے گئے اور کراچی کی سڑکوں اور شاہراہوں کے نام اردو کے ایسے دانشوروں کے نام پر رکھے گئے جو کبھی پاکستان بھی نہیں آئے81۔ سندھ کے قوم پرست مبصروں کے مطابق اسکول کے نصابوں میں پاکستان کے قومی ثقافتی ورثے کو چوتھائی حصہ دستیاب تھا جبکہ جنوبی ہند کی ثقافتی علامتیں ایک تہائی حصے پر محیط تھیں82۔ تمام سرکاری ریکارڈ' رجسٹر وغیرہ جو اس سے پہلے سندھی میں طبع ہوتے تھے وہ اب میونسپلٹی کی سطح تک اردو میں چھپنے لگے۔ یہاں تک کہ سرکاری عمارتوں' بس اڈوں' ریلوے اسٹیشنوں تک سے سندھی عبارتیں مٹا کر اردو سے تبدیل کر دی گئیں۔ سندھیوں پر ایسی تاریخ پاکستان مسلط کی گئی جو سراسر مہاجروں کے تذکروں سے پر تھی۔ تحریکِ پاکستان کی کامیابی کو ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے منسوب کیا گیا اور سندھ جیسے مسلمان اکثریتی صوبے کے تعاون کو بالکل نظر انداز کیا گیا حالانکہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی حمایت میں سندھ کی طرف سے پہل کی گئی83۔

ایسی کوئی عبارت جو سندھی ثقافت کی نمائندگی کرتی ہو' وہ مرکزی حکومت کی طرف سے پابندی لگائے جانے کے لیے موزوں سمجھی جاتی تھی۔ امر جلیل' ابراہیم جویو' شیخ ایاز' تنویر

عباسی، نجم عباسی، طارق اشرف اور رشید بھٹی جیسے سندھی کے معروف قلمکار نظریہ پاکستان کی مخالفت کے الزام میں برے سلوک کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ 1975 میں ایک موقعہ پر تمام معروف سندھی جرائد کو جبراً چھپنے سے روک دیا گیا۔ سندھی کے ایک نامور تجزیہ نگار فیروز احمد نے خود ان مشکلات کا ذکر کیا ہے جو ان کو اپنے ماہوار رسالے 'ساچ' کو شائع کرنے میں پیش آتی رہیں 84۔ سندھی ثقافت کی شاندار چمک سے خوفزدہ اسلام آباد میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ نظریہ پاکستان کو کمزور کرنے کا باعث بن سکتا ہے، حالانکہ وہ پہلے ہی حماقتوں کی انتہا کو چھو رہا ہے۔ اس کی مثال 1975 کے ایک واقعہ سے بخوبی سامنے آتی ہے: سندھ کی حکومت کو اپنی ایک کانفرنس کا عنوان تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا جس کا عنوان تھا "سندھ: صدیوں کے آئینے میں" اس کی تبدیل شدہ شکل تجویز کی گئی: "پاکستان کا صوبہ سندھ صدیوں کے آئینے میں" اس موقعے پر حصہ لینے والوں کے نام بھی ایف آئی اے کے افسروں سے منظور کرانے پڑے۔ یہاں تک کہ اس وقت کے شیرِ سندھ پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اس کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے دور رہنے کو ترجیح دی۔

کئی محققین مرکزی حکومت کی طرف سے سندھ کی ثقافت کو دانستہ فنا کرنے کی کوششوں کی باتیں بھی کرتے ہیں 85۔ اس میں تو مبالغہ ہوسکتا ہے، لیکن مرکزی حکومت کی طرف سے ایک متحدہ ثقافت لاگو کرنے کی کوشش کو سندھیوں نے حتمی طور پر اپنی امتیازی ثقافتی شناخت پر حملہ قرار دیا۔ سندھیوں نے محسوس کیا کہ ان کی زبان اور ثقافت کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ سندھ میں بھی غیر ضروری قرار دیا جارہا ہے۔ ایک عظیم سندھی مفکر کے بقول:

> چوک، امین آباد، چاندنی چوک جو ملاؤں کا میدان جنگ ہے وہاں کی زبان اردو کا پاکستان میں مستقبل غیر یقینی اور مسائل سے بھرپور ہے۔ پاکستان کے عوام اور جمہوریت اس کے تسلط اور رواج سے ہمیشہ مشکلات میں مبتلا رہیں گے 87۔

نفاذ اردو کی اس پالیسی سے متصادم سندھی اپنی تاریخی قومی پہچان کے دفاع پر مجبور ہوگئے۔ سندھی ثقافت کی روح ایک مشہور نغمے کی ابتدائی لائن سے بخوبی مترشح ہوتی ہے: "سندھ لازوال ہے، سندھ ہمیشہ رہے گا" 88۔ قیامِ پاکستان کے چند دنوں کے اندر سندھ کے

دوکانداروں نے بانی پاکستان محمد علی جناح کی تصاویر اپنی دوکانوں سے ہٹادیں۔"اردو پھردو" کہہ کرمہاجروں کی زبان کی توہین کی گئی اوران کو پان کھانے کی عادت کی وجہ سے سرخ منہ کا نام دیا گیا89۔

1.4 سندھ کے مسئلے کی سیاسی حدود:

بہت سے تاریخی حقائق کی وجہ سے پاکستان میں انڈیا کی طرح مضبوط جمہوری ادارے مستحکم نہیں ہو سکے90۔ پاکستان میں حاکموں نے مضبوط جمہوری اداروں کے بجائے مضبوط سیاسی نظام کے ذریعے کثیر قومی معاشرہ کے اتحاد کی کوششیں کیں۔ایک قابلِ عمل قومی نظریہ کے قیام کے لیے پسماندہ طبقات کو مطمئن کرنا ایک تنی ہوئی رسی پر چلنے کے مترادف تھا' جبکہ پاکستان کے لیے لازم تھا کہ وہاں ایک ایسا بااختیار سیاسی نظریہ متعارف کرایا جاتا جو اسلام اوراردو کی بنیاد پر قائم قومی سیاسی پہچان کا باعث بن سکتا91 جو ہر قسم کی علاقائی' نسلی اور مقامی تحریکوں سے بزور طاقت نمٹنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا92۔جبکہ 1949 کی وفاقی کابینہ میں NWFP کے دونمائندے تھے اور سندھ کا صرف ایک۔1993 میں غیر مما لک میں بہتر سفارتی نمائندوں میں سے صرف چار سندھی تھے۔1994 تک پاکستان کی وزارتِ خارجہ میں کوئی سندھی داخل نہیں ہوسکا93۔ریڈیو پاکستان اور اردو انگریزی کے تمام اخبارات پر مہاجروں کا غلبہ تھا۔1947 کی ابتدا میں ہی جی ایم سید نے خبر دار کر دیا تھا کہ:

> متحدہ پاکستان کے تصور کے ساتھ ایک خطرناک ڈراؤنا خواب وابستہ ہے جس میں سندھ کے عوام کو باہر سے آنے والے لاتعداد اور زیادہ جارح لوگوں کی اس یلغار سے نجات کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑے گی94۔

سید کی پیش بینی سچ ثابت ہوئی۔سندھ کی موجودہ سیاسی ابتری کی وجوہات وفاقی حکومت کی طرف سے بار بار سندھ کی سیاسی شناخت مجروح کرنے کی کوششوں میں پوشیدہ ہے۔

سندھ اور وفاقی حکومت کے تعلقات میں بگاڑ بہت پہلے سے شروع ہوا95۔ مرکزی حکومت نے بلاتکلف سندھ کے قوانین کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف مہاجروں کو

سر چھپانے کی جگہ مہیا کرنے کے لیے خود ساختہ قوانین اور کٹھ پتلی حکومتیں مسلط کیں۔ آزادی کے ابتدائی دو سال تک سندھ کو وفاقی حکومت کی طرف سے صرف 25 ملین کی مالی امداد حاصل ہوئی جبکہ اسی عرصے میں پنجاب کو حاصل ہونے والی امداد اس سے چار گنا زیادہ تھی۔ سندھی شناخت کو ایک اور دھچکا 1948 میں لگا جب کراچی کو وفاقی حکومت کا حصہ بنانے کے لیے سندھ سے الگ کر دیا گیا۔ جی ایم سید نے اس انتظامی اقدام سے سندھ کے نقصان کا ذکر کچھ ایسے کیا ہے:

> سندھ کا مالیاتی اور اثاثہ جاتی نقصان ایک سو کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہے' اس کو اپنی عالیشان اسمبلی بلڈنگ چھوڑنی پڑی' اور بوسیدہ و شکستہ بیرک کو اپنے خرچ پر قابلِ استعمال بنا کر اس میں منتقل ہونا پڑا' اور اس عیاشی کی اجازت ملنے کے بعد حکومتِ پاکستان کو اس کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑا' سندھ چیف کورٹس کی عالیشان عمارت کے آدھے سے زیادہ حصے پر حکومتِ پاکستان کی وزارتِ تجارت ناجائز طریقے سے قابض ہے اور اپنا بجلی کا ماہانہ بل ادا کرنے سے بھی انکاری ہے۔

ایک اندازے کے مطابق کراچی کی حیثیت تبدیل ہونے کی وجہ سے سندھ کو کم و بیش آٹھ سو ملین روپے کا نقصان ہوا مگر وفاق سے اس کا معاوضہ صرف 6 ملین روپے وصول ہوا۔ پاکستان کے ایک مشہور صحافی ایم بی نقوی جو بذاتِ خود کراچی میں مقیم ایک مہاجر ہیں' کہتے ہیں کہ کراچی کی سندھ سے علیحدگی کا فیصلہ کسی اور کی خواہش پر نہیں بلکہ یہ صرف قائدِ اعظم تھے جن کے حکم سے سندھیوں کے دلوں پر یہ ناقابلِ علاج زخم چھوڑا گیا96۔

1955 میں وفاق کی ایک اکائی ہونے کی حیثیت سے بھی سندھ کی بقا کو صدر ایوب خان کی ون یونٹ اسکیم کے ذریعے خطرہ لاحق ہو گیا' جس میں پنجاب' سندھ' بلوچستان اور سرحد کے صوبوں کو یکجا کر کے ایک انتظامی یونٹ بنایا گیا۔ اس اقدام کے ذریعے پنجاب کو فائدہ اور باقی قومیتوں کو سخت نقصان پہنچا جس کی آبادی پاکستان کی کل آبادی کا 56% تھی۔ ڈاکخانوں کو ہدایت کی گئی کہ جن خطوط پر پتے کے ساتھ سندھ لکھا ہو وہ تقسیم نہ کیے جائیں۔ سندھ کے کھاتے میں سے سندھ کے حصے کی اضافی 300 ملین کی رقم منہا کر کے پنجاب کا ایک

بلین روپے کا خسارا اس اعلان کے ساتھ پورا کیا گیا کہ اس سے پورے ملک میں یکساں طور پر قومی تعمیر نو کا کام کیا جائیگا سندھ پر دیہی علاقوں میں پرائمری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے ایک تعلیمی سیس لاگو کر کے بیس لاکھ روپے جمع کیے گئے جو ون یونٹ انتظامیہ نے کسی اور مصرف کے لیے ایک طرف کر لیے 97۔ اسکولوں اور کالجوں کے لیے ایسا نصاب تیار کیا گیا جس کے ذریعے نئ نسل کو اسلامی قومیت اور قومی سیاسی پالیسی کی مرکزیت کا قائل کیا جا سکے 98۔ 1958 سے 1968 تک ایوب خان کا دورِ حکومت ابتدا میں مارشل لا کے تحت اور بعد میں فوج اور واشنگٹن کے درمیان طے شدہ ایک طریقہ کار کے تحت بنیادی جمہوریت کے ایک تجربے کے تحت گذرا جس کے پیشِ نظر ایسی ترقیاتی حکمتِ عملی تھی جو مفروضہ عدم مساوات اور ارتکازِ دولت کے خلاف تھی، مگر اس نے صوبوں سمیت سارے علاقے میں ناہموار ترقیات کے منصوبوں میں بے پناہ مسائل پیدا کیے 99۔ اس کے لیے مثال یوں ہے کہ:

> سندھ میں دیہی اور شہری کی تقسیم اس وقت خلط ملط ہو کر رہ گئی جب حکومت نے کراچی میں شہری علاقوں کی ترقی کے لیے فنڈ جاری کرنے شروع کر دیے۔ عین اسی وقت جب پاکستان زرعی تحقیقی کونسل کا 80% بجٹ پنجاب کی زراعت کے لیے مختص کر دیا گیا۔ سندھ کی روایتی کپاس اور پھلوں کی پیداوار انفراسٹرکچر کی مدد کے بغیر بیحد مشکلات سے دوچار ہوتی رہی 100۔

ایوب کے ہی دور میں سندھیوں کے مفادات کی قیمت پر مہاجروں کے جائیداد کے کلیم ادا کیے گئے 101۔ جنرل نے کراچی میں بے وسیلہ مہاجروں کے لیے 25000 رہائشی یونٹ تیار کیے 102۔

1970 میں قومی وقار کے منافی ون یونٹ کو توڑ دیا گیا اور کراچی ایک بار پھر سندھ کا حصہ بن گیا 103، مگر پنجاب نواز اور مہاجر نواز پالیسیاں جاری رہیں اور سندھ کے مفادات متاثر ہوتے رہے۔ 1947 اور 1990 کے دوران وفاقی حکومت نے پنجاب سے 380 زرعی سائنسدان اعلیٰ تربیت کے لیے بیرونِ ملک بھیجے جبکہ سندھ سے صرف تین۔ 1985 میں محکمہ ارضیاتی سروے جیسے وفاقی دفاتر میں سندھی پنجابی تناسب 5000 اور 23,000 تھا 104۔

ایک منصوبہ بندی کے ذریعے دریاؤں کے رخ پنجاب کی منفعت کے لیے موڑ کر سندھ کے جنگلات اور ماہی پروری کے منصوبوں کو مفلوج کر دیا گیا جس کے نتیجے میں 1.6 ملین سندھی دیہاتی اپنے آبائی پیشے سے 1990-1980 کے دوران محروم رہے۔ 1985 کے ایک واقعے کے ذریعے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کس طرح سندھ کے قانونی حقوق پامال کیے گئے۔ 1972 میں سندھی حکومت نے پنجاب کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے پنجاب کو یہ اختیار حاصل ہوگیا تھا کہ وہ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ کی رضامندی سے چشمہ جہلم لنک کینال سے پانی لے سکتا ہے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ پنجاب حکومت اس نہر سے مسلسل پانی چوری کرتی رہی۔ اس کے علاوہ بھی 1985 میں سندھ میں پانی کی کمیابی کے دور میں پنجاب کے گورنر جنرل اور وفاق کی نمائندہ WAPDA نے سندھ کے احتجاج کے باوجود سندھ کا پانی پنجاب کے لیے کھول دیا۔ سندھ جائے جہنم میں 105۔ پاکستان کے ابتدائی حاکموں سے سندھیوں کا غصہ درجِ ذیل سطور سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے:

> لیاقت علی خان نے پاکستان کی بنیاد ریت پر رکھی۔ اس کے وقفے' خوف اور ڈراؤنے خواب' اس کی مقامی لوگوں سے نفرت کی نفسیات اس کے ہر عمل اور ہر فیصلے سے مترشح تھی۔ بعد کے تمام واقعات' سانحات اور مصائب اس کے مفروضوں اور خوف کے نتیجے میں ظاہر ہوئے 106۔

کچھ تجزیہ نگاروں کا موقف ہے کہ پاکستان میں پنجاب کی بالادستی روایتی طور پر پنجابیوں کے ایک بااثر طبقے کے استحصال کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ اس قسم کی طبقاتی تفریق میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ وہ دوسری قومیتوں کا استحصال کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس قسم کی ناانصافیوں کی وجہ سے خود استحصال زدہ طبقہ فائدے اٹھالیتا ہے 107۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ پنجابی مہاجروں کے ایک چھوٹے سے حاکم گروہ' جس کی وجہ سے قوم کی صحیح سمت میں تعمیر کا خواب پورا نہیں ہوسکا' کو وہائٹ ہاؤس کی طرف سے مکمل حمایت حاصل تھی' جو پاکستان کے آمرانہ دور میں سوویت یونین کے خلاف ایک معقول بنیاد فراہم کرنے کا سبب بنی 108۔ پاکستان کو روس کے خلاف ایک دفاعی حیثیت دینے کے خواہشمند امریکہ نے پاکستان کے حکمران طبقے کو حتمی طور پر پاکستان مخالف اور کمیونسٹ طرز کی پہچان دینے میں ان کا ساتھ دیا 109۔

2-سندھی نسلی قوم پرستی کے خاکے:

پاکستان میں سندھی نسلی قوم پرستوں کو ایسے سیاسی اداکاروں کا نام دیا جا سکتا ہے جو مکمل طور پر سندھ کی اجتماعی شناخت کے خواہاں ہیں۔ان کی شناخت کے چار نمایاں دور ہیں: (a) 1947 سے 1971 میں پاکستان ٹوٹنے تک' (b) 1972 سے 1977 ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی تک' (c) 1977 سے 1988 جنرل ضیاالحق کی موت تک' اور (d) ضیاء کے بعد سے موجودہ وقت تک؛ مندرجہ ذیل حصہ سندھ کی سیاست کے اتار چڑھاؤ سمجھنے میں مدد دیگا:

2.1 ابتدائی ردِ عمل:

ابتدا میں سندھ میں نسلی سیاست کا اظہار اس وقت ہوا جب سندھیوں اور اجتماعی طور پر مہاجر پنجابیوں کے درمیان ہم اور وہ کی تفریق ہونے لگی 110۔اس دور میں کئی سندھی نسل پرست تنظیمیں ظہور میں آئیں لیکن جی ایم سید کی 1967 میں قائم کی گئی جئے سندھ نے نسلی قوم پرستی کا ایک واضح تصور پیش کیا۔ابتدا میں جئے سندھ تحریک کوئی بڑی تنظیم نہیں تھی اور بزمِ صوفیائے سندھ' سندھی ادبی سنگت' سندھ اسٹوڈنٹس کلچرل آرگنائزیشن اور سندھ آزاد اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن سے بائیں بازو کی سندھ ہاری پارٹی کے نظریات کی تائید کرنے تک محدود تھی۔سید کے نزدیک ایک ایسا حقیقی وفاقی پاکستان تھا جو صوبوں کو زیادہ سے خود مختاری دیتا اور جس میں مرکزی حکومت کی ذمہ داریاں دفاع' خارجہ امور اور مالیات تک محدود رہتیں 111۔ سید کا تقاضہ تھا کہ سندھ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا تدارک اس طرح کیا جائے کہ سندھی کو صوبے کی واحد زبان قرار دیا جائے' اور سندھیوں کے لیے پاکستان کی بیوروکریسی اور فوج میں ایک چوتھائی کوٹہ مقرر کیا جائے۔اس عرصہ کے دوران سندھ کی نسلی سیاست نے آئینی حدود میں رہتے ہوئے فیصلہ کن اور معتدل انداز میں ابتدائی ترقی کی۔

2.2 1971 سے 1977 کی سندھی سیاست، مسلح دور کا ابتدائیہ:

1971 میں بنگلہ دیش کے قیام نے پاکستان میں قومی سیاست کی از سرِ نو تعمیر کی

بحث کا آغاز کر دیا۔ سندھ، بلوچستان اور سرحد کے کم ترقی یافتہ صوبے اب آئین میں زیادہ آزادی کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس موقعہ پر پاکستان کے سیاسی میدان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی اپنے دھماکہ خیز نعرہ "اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت ہے، قوت کا سرچشمہ عوام" کے ساتھ منظر پر ابھری۔ بھٹو کے سیاسی پروگرام نے پاکستان کے غیر مطمئن نسلی طبقات میں امید ایک نئی لہر دوڑا دی۔ سندھ کا فرزند ہونے کی وجہ سے بھٹو نے جیئے سندھ تحریک کے مقبول عام نعرے اپنائے[112]، سندھ کے غصے کو حقیقی تسلیم کیا اور پہلے پاکستان کے صدر کی حیثیت سے اور بعد میں وزیر اعظم کی حیثیت سے اس کے تدارک کی کوشش کی غیر سندھیوں کی بڑی بڑی زمینیں ان سے واپس لے کر سندھ کے بے زمین باشندوں میں تقسیم کیں۔ صوبے میں مہاجروں کے تجارتی ادارے سخت نگرانی میں لیے گئے یا قومیا لیے گئے۔ سندھیوں کو حساس اداروں کی ذمہ داریاں دی گئیں اور وفاق سے سندھ کے دیہی علاقوں کی ترقی کے لیے خصوصی امداد دی گئی[113]۔ بھٹو نے وفاقی بیوروکریسی میں ملازمتوں کے لیے علاقائی کوٹہ مقرر کیا: جس میں پنجاب کا کوٹہ 50%، سرحد کے لیے 11.5%، سندھ کے شہری علاقوں کے لیے 7.6%، سندھ دیہی کے لیے 11.4% اور بلوچستان کے لیے یہ کوٹہ 3.5% تھا۔ پہلے سے خاطر خواہ سہولتیں حاصل ہونے کی وجہ سے شہری اور دیہی کوٹہ میں نمایاں فرق ہونے سے یہ تاثر ملا کہ سندھ کو اس کی محرومی کے ثمرات مل رہے ہیں اور مہاجروں میں سندھیوں کو غیر معمولی طور پر نوازے جانے کا احساس پیدا ہوا[114]۔ سیاسی قوت اور مالی وسائل کی دستیابی سے سندھیوں میں اعتماد پیدا ہوا[115]۔ مگر نہیں، یہ صرف سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ایک کوشش تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے صوبائی حقوق کا چمپئن ہونے کا تاثر اس وقت مجروح ہونا شروع ہوا جب انہوں نے آئینی تجربات کرنا شروع کیے۔ 1973 میں پاکستان کو ایک ایسا آئین ملا جو پارلیمانی جمہوریت کی بنیاد پر بنا تھا اور جس میں معقول صوبائی خودمختاری کی ضمانت موجود تھی[116]۔ سیاسی رواداری کے اس نئے جذبے کے ساتھ بھٹو نے سرحد میں حزب اختلاف کی جماعتوں NAP اور بلوچستان میں JUI کے عوامی مینڈیٹ کے احترام میں انکو متعلقہ صوبوں میں حکومت بنانے کی اجازت دے دی[117]۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کی سیاست میں

جمہوریت کا یہ دور نہایت مختصر ثابت ہوا۔ NAP اور JUL کی مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر بھٹو نے حزبِ مخالف کی سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کو غیر ملکی بغاوت کے الزام میں برطرف کر دیا 118۔ آئین میں بھی ترمیم کر کے عدلیہ کے اختیارات کم اور ریاست کے سربراہ کے اختیارات میں وسعت پیدا کر دی گئی۔ بھٹو کے سیاسی حریفوں کو علیحدگی پسندی کے الزامات کے تحت خاموش کر دیا گیا۔ پاکستان ایک بار پھر مرکزی سیاسی پالیسی کا تابع ہو گیا۔

صوبائیت کے لیے ذوالفقار علی بھٹو کی ابتدائی سیاسی سوچ خود ان کے نظریات تبدیل ہونے کے باوجود پاکستان میں روکی نہیں جا سکی۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں علیحدگی پسندی کی تحریکیں رواں دواں ہو گئیں اور ان سرگرمیوں کی بدولت سندھی قوم پرستوں کو بڑھی ہوئی مرکزیت کے خلاف ان کے ساتھ مشترکہ جدوجہد میں شامل ہونے کا موقع مل گیا 119۔ ایسے حالات میں سندھی سیاست قومی شناخت کے مقابلے میں سندھی شناخت میں ڈھل گئی۔ یہ وہ موقع تھا جب ذوالفقار علی بھٹو کے کزن ممتاز علی بھٹو نے جو اس وقت سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے 7 جولائی 1972 کو سندھ کی مجلسِ قانون ساز کے ذریعے سندھی کو سندھ کی سرکاری زبان قرار دینے کے لیے ایک لسانی بل منظور کیا اور سندھ کے سرکاری ملازمین کو تین مہینے کی مدت کے اندر سندھی زبان سیکھنا لازمی قرار دے دیا۔ سندھیوں کی سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں تناسب کم ہونے کا ازالہ کرنے کے لیے کوٹہ سسٹم وضع کیا گیا۔

اس لسانی بل کی بنا پر سندھ کے مہاجر باشندوں میں احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ مہاجر اس قضیے کو سڑکوں پر لے آئے، حیدرآباد اور کراچی کی سڑکیں سندھی اور مہاجر مظاہرین کے مابین لسانی فسادات کا میدان بن گئیں۔ 11 جولائی 1972 کے ڈان میں اس خطرناک صورتحال کی تصویر کشی کی گئی ہے:

> کراچی جو عموماً ایک معروف کاروباری اور صنعتی شہر ہے، بدقسمتی سے آج اس کی سڑکیں اور گلیاں رکاوٹوں اور جلاؤ گھیراؤ کے باعث بند ہو چکی تھیں۔ چند کاریں اور ٹیکسیاں جو ایسے حالات میں بھی ادھر ادھر آ جا رہی تھیں وہ ہوشیاری کے ساتھ سڑک پر پڑی ہوئی رکاوٹوں اور نوجوانوں کے بڑھتے اور چیختے چلاتے جتھوں سے بچ بچا کر آ جا رہی

تھیں وقتاً فوقتاً فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کاروں پر سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے اور ڈرائیوروں نے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔

مہاجر لڑکوں نے انسٹی ٹیوٹ آف سندھالاجی کی باوقار لائبریری کو نذرِ آتش کر دیا120۔

8 جولائی 1972 کو اردو کے اخبار جنگ نے لسانی بل کو رد کرتے ہوئے اسے اردو کا قتل قرار دیا اور اشتعال انگیز مضامین شائع کیے 121۔ صورت حال اگرچہ کراچی والوں کے لیے معمول کی بات تھا' لیکن اس پر مہاجروں کا ردِعمل اتنا سخت تھا کہ اگر کراچی کے مہاجر بزرگ سندھی ٹی وی کی نشریات نہیں دیکھتے تو اپنے بچوں کو اس حرکت پر سخت تنبیہ کرتے 122۔ دوسری طرف جئے سندھ کے کارکن اردو اخبارات نذرِ آتش کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کی تصویروں کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ جئے سندھ کا پیغام دیہی علاقوں تک پہنچانے کے لیے سندھ سجاگ جتھے مقرر کیے گئے 123۔ درجِ ذیل اقتباس لسانی اختلافات پر سندھی طرزِ فکر کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے:

> اگر اردو کو سندھ کی سرکاری زبان قرار دیا جاتا ہے تو اس سے سندھیوں کی حق تلفی ہوگی۔ لیکن اگر اردو کو سندھ کی ثانوی زبان قرار دیا جاتا ہے تو یہ سندھ میں دو قوموں کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور یہ تسلیم کرنے کا مطلب ہوگا کہ سندھ پر سندھیوں کا دعویٰ غلط ہے۔ اور اس طرح اردو بولنے والے مہاجرستان بنانے پر مجبور ہونگے 124۔

بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگوں نے شبہ ظاہر کیا کہ اردو انتہا پسندی کے درپردہ مہاجر صنعت کاروں کا ہاتھ ہے جو اپنی صنعتوں کے مفاد میں سندھ کی ورکنگ کلاس کو منقسم رکھنا چاہتے ہیں 125۔ حکومت نے سندھی مہاجر تصادم میں 2 افراد کی ہلاکت اور 319 کے زخمی ہونے کا اندازہ ظاہر کیا ہے۔ اس افسوس ناک واقعے میں املاک کا نقصان اندازاً 1,671,427 روپے کا ہوا۔

بھٹو کی مداخلت نے صورت حال کو ایک آرڈی ننس کے ذریعے ٹھنڈا کر دیا' سرکاری

ملازموں کو اردو یا سندھی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کی تذلیل کرنے سے روک دیا گیا۔ اور اگلے بارہ سال تک اردو اور سندھی دونوں کو سرکاری زبان کی حیثیت دے دی گئی[127]۔ سندھ کے بہت سے لوگوں نے اس عمل کو مہاجروں سے مصالحت کے طور پر لیا[128]۔ اس موقعہ پر بھٹو نے اپنے بعض سینئر سندھی افسروں کو برطرف کر دیا اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت قوانین کا سہارا لیتے ہوئے سندھیوں کی مزاحمت کا سامنا کیا[129]۔ ان مراحل سے گذرتے ہوئے قدرتی طور پر سندھی قوم پرستوں کی دل شکنی ہوئی جواب تک انتہا پسندی کے راستے پر کافی آگے جا چکے تھے۔

غالباً سندھیوں کی پہلی ہتھیار بند کارروائی کا مظاہرہ جون 1962 میں جی ایم سید کے ایوب خان کے خلاف مزاحمتی تحریک کے دوران اپنی تنظیم کا نام سندھ متحدہ محاذ سے بدل کر جئے سندھ محاذ رکھنے کے وقت ہوا[130]۔ اس موقعہ پر سندھ کی محرومیوں کے ساتھ پاکستان کے سیاسی حالات میں کام جاری رکھنے کو ناممکن بتاتے ہوئے جی ایم سید نے ایک علیحدہ آزاد ملک سندھو دیش کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ سندھو دیش کے لیے جی ایم سید کے بیان کردہ بنیادی نکات درج ذیل ہیں[131]:

(a) سیکولرازم، سوشلزم، جمہوریت اور قوم پرستی کو تسلیم کرنا۔

(b) غیر سندھیوں سے زمینیں لے کر مقامی سندھیوں میں تقسیم کرنا۔

(c) تجارت، کامرس، بینکنگ، انشورنس اور تمام سرکاری ایجنسیاں سندھی بولنے والے اور مستقل سندھ میں آباد لوگوں کے زیر انتظام ہونا۔

(d) سندھ آنے والوں کے لیے امیگریشن کے قانون کا نفاذ اور سندھی معاشرے میں ضم نہ ہونے والوں کی سندھ سے بے دخلی۔

(e) سرکاری ملازمتوں پر صرف سندھیوں کا حق۔

(f) سندھی زبان کو واحد قومی اور سرکاری زبان قرار دینا، اور ان لوگوں کی شہریت منسوخ کرنا جن کو سندھی زبان سے واقفیت نہ ہو۔

(g) ہندو اور سکھوں کی متروکہ جائدادوں سے غیر سندھیوں کو بے دخل کر کے سندھی مسلمانوں یا ان سندھی ہندوؤں کو منتقل کرنا جو اپنے مادر وطن میں واپس آنے کے

خواہشمند ہوں۔

(h) قبائلی سرداری اور پیری پر مکمل پابندی۔

(i) مذہب اور ریاست کی آپس میں قطعی لاتعلقی کی ضمانت۔

(j) ہر قسم کی صنعتکاری کا مکمل قومیانا۔

(k) بھاری صنعتوں کے قیام پر زور۔

(l) زمینی اصلاحات کا نظام مساویانہ بنیادوں پر رائج کرنا۔

(m) عمومی زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ عورتوں کے کردار کے لیے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنا۔

(n) سرکاری سطح پر سندھی ثقافت کی سرپرستی۔

(o) عرب دنیا' روس' افغانستان اور انڈیا کے ساتھ دوستی کا فروغ۔

جی ایم سید غالباً ایک اور بنگلہ دیش کا ڈرامہ دہرانا چاہتے تھے' ان کا کہنا تھا:

> بااختیار اداروں میں تسلیم شدہ سندھیوں کے حقوق کے حصول جدوجہد میں مسلسل ناکامی اس کا بنیادی سبب ہے۔ جب ان کو نظرانداز کیا گیا تو ہم اپنے مطالبات میں اضافہ کرتے گئے۔ ہم نے کہا کہ سندھی ایک جدا قوم ہیں' ہم اس بات پر زور دیتے رہے کہ ہمارا معاشرہ جدا ہے' ہم کو ہمارے جائز حقوق نہیں دیے گئے' اس لیے ہم نے حق خود اختیاری کا مطالبہ کیا' پھر جیے سندھ کے نظریے کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان توڑے بغیر سندھ کا ایک مکمل خودمختار ملک بن کر اقوام متحدہ کا ممبر بننے کے علاوہ کوئی اور حل ممکن نہیں 133۔

میری این ویور کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے جی ایم سید نے کہا کہ مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں' سندھ کو لازماً ایک آزاد اور خودمختار ریاست بننا ہے 134۔ سید نے اپنے پیروؤں کو یاد دلایا کہ ذوالفقار علی بھٹو تک کے دور میں ملک کے ریونیو کا تین چوتھائی حصہ سندھ فراہم کرتا رہا ہے مگر اس کا ایک فیصد بھی صوبہ سندھ کی بہبود پر خرچ نہیں کیا گیا 135۔ جی ایم سید کے نزدیک بھٹو پنجابی مہاجر حاکموں کے پٹھو کے سوا کچھ اور نہیں تھا 136۔ سید کو حیرت تھی کہ:

صدر بھٹو اپنی صدارت بچانے کی خواہش میں سندھ کے دشمنوں سے
ہاتھ ملا بیٹھا' اور مفاداتِ پیوستہ کا حصول جن کا بنیادی مقصد سندھ کا
استحصال جاری رکھنا تھا137۔

1976 میں انہوں نے سندھو دیش کے قیام کے لیے گوریلا جنگ کے امکانات پر بھی سوچ بچار شروع کر دیا تھا۔ جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور سندھ گریجویٹس ایسوسی ایشن کی کوششوں نے سندھی نوجوانوں اور طالب علموں میں ان کی مقبولیت اس قدر بڑھا دی کہ سندھ کے کسی کونے میں ان پر کسی قسم کی تنقید کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس دور میں سندھ کی نئی نسل جی ایم سید کے نظریات کی اسیر ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ نظریات ان کی تصنیفات: Struggle for New Sindh, A Nation in Chains,اور جـئـیـن دنو آھ مـون میں شامل ہیں جس میں انہوں نے مذہبی بنیاد پرستی پر تنقید کی ہے۔ پیغامِ لطیف جس میں شاہ عبداللطیف کے انسانیت پر مبنی قومیت کے فلسفے کا از سرِ نو تعارف کرایا گیا ہے۔ "نئے سندھ کی جدوجہد" میں جی ایم سید کی تقسیم سے قبل کی پارلیمانی جدوجہد کا احاطہ کیا گیا ہے' "اب پاکستان کو ٹوٹنا چاہیے" میں پاکستان اور سندھو دیش کے مابین علیحدگی اور ایک آزاد سندھ کا تصور پیش کیا گیا ہے۔

حقیقتاً جی ایم سید کی تنظیم سندھ کے حقوق کی جدوجہد میں تنہا نہیں تھی۔ مثال کے طور پر رسول بخش پلیجو کی سندھ عوامی تحریک کا بھی سندھ کی ذیلی قومی سیاست میں اہم کردار رہا ہے' مگر اس تنظیم اور جی ایم سید کی جئے سندھ محاذ کے مابین نمایاں فرق اس کی حکمت عملی کا رہا ہے۔ رسول بخش پلیجو کے پیش نظر سیاسی جدوجہد کو سندھ کی معیشت اور زرعی مقاصد کے لیے زرعی اصلاحات کے ساتھ وابستہ رکھنا تھا اور جی ایم سید سیاسی جدوجہد میں کامیابی کے بعد معاشی و معاشرتی تعمیرِ نو کا کام کرنا چاہتے تھے۔ اس موقعہ پر آزادیٔ ہند کی تحریک کے دوران گاندھی اور بائیں بازو کے علمبرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی یقیناً ذہن میں ابھر سکتی ہے۔

2.3 1977-1988: سندھی علیحدگی پسندوں کا مشکل دور:

5 جولائی 1977 کو ایک پنجابی جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں پیپلز پارٹی کی اقتدار

سے علیحدگی اور اس کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی نے سندھ میں نسلی فسادات کی آگ بھڑکا دی معروف سندھی نفسیات کے مطابق فوجی جتھہ سندھ کے خلاف پنجابی مہاجر محاذ کا نام ہے۔ایک معتبر پاکستانی صحافی کے مطابق:

> جب ضیاء نے بھٹو کو اقتدار سے محروم کر کے قید میں ڈالا' اور پھر اس کو پھانسی پر لٹکا دیا تو سندھیوں کی نظروں میں بھٹو پنجابی ناانصافی کی علامت بن گئے 138۔قسمت کی بات ہے کہ وہی بھٹو جو اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں سندھی قوم پرستوں کی شدید ناراضگی کا سبب بن گیا تھا' اب وہی بھٹو پنجابی مہاجر بالادستی سے مزاحمت کی نئی علامت بن گئے۔ضیاء کی کابینہ کے ایک وزیر نے خود تسلیم کیا کہ اس نے ہر سندھی میں بھٹو کا چہرہ دیکھا ہے 139۔

جنرل ضیاء کے سندھ مخالف عزائم نے بھٹو کے پروگرام کے لیے سندھیوں کے دلوں میں ایک نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا جس نے سندھ کی نسل پرست سیاست میں ایک نئی روح پھونک دی۔

حکومتِ سندھ کے اعلیٰ گریڈ کے سندھی افسران یا تو ایک طرف کر دیے گئے یا ان کو نکال کر جماعتِ اسلامی کے وفاداروں کے لیے جو خود مہاجر ہی تھے' جگہ خالی کرائی گئی۔ بیوروکریسی' مسلح افواج اور دیگر سرکاری اداروں میں پنجابی پختونوں کے مفادات کے لیے ترجیحی کوٹے مقرر کیے گئے۔ایک اندازے کے مطابق ضیاء کے دور میں وفاقی بیوروکریسی میں سندھیوں کا تناسب صرف 4% تھا140۔دریں اثنا نئے صنعتی یونٹوں کے لیے صرف پنجابیوں کو نوازا گیا 141۔جبکہ ضیاء دور کی مرکزی حکومت کو 80% ریونیو سندھ سے حاصل ہوتا تھا اور بمشکل 2% وہاں کی ترقیاتی اسکیموں کے لیے جاری کیا جاتا تھا142۔دریائے سندھ پر بنائے جانے والے کالا باغ ڈیم کے فیصلے نے سندھ اور صوبہ سرحد میں نفرت کی لہر دوڑا دی تھی 143۔ منگلا' تربیلا' چشمہ اور راول ڈیم کے آبپاشی منصوبوں میں پہلے ہی نظر انداز کیے ہوئے صوبے میں کالا باغ ڈیم کے بارے میں یہ تشویش ناقابلِ فہم نہیں تھی کہ یہ منصوبہ بھی جنوبی سندھ کی ملین قابلِ کاشت اراضی کو بنجر بنانے اور پنجاب کو بجلی اور اضافی پانی فراہم کرنے کی نیت سے

تیار کیا گیا ہے 144۔ انہی برسوں نے سندھی نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا وہ دور بھی دیکھا جو معاشی سرگرمیوں پر غیر سندھی اجارہ داروں کے ہاتھوں اپنے صوبے کے وسائل کو گروی سمجھتے تھے 145۔

جنرل ضیاء نے بوناپارٹ + سیزر ٹائپ کے اختیارات متعارف کرائے 146۔ انہوں نے پاکستان کے روایتی جاگیرداروں کے طبقے کو اعتماد میں لیکر' بھٹو کے تجویز کردہ زرعی انکم ٹیکس کو ایک طرف ڈالا' اور انفرادی طور پر انتخابات میں حصہ لینے کے لیے نان-پارٹی الیکشن کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ہی قومیائے گئے اداروں کو ترجیحی طور پر واپس کرنے کی پالیسی سے صنعتکاروں میں اعتماد پیدا کیا کہ ان کے مفادات مجروح نہیں ہونگے 147۔ سندھ کے نسلی قوم پرستوں کے لیے اسلامائزیشن کی پالیسی نے اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکے کا کام کیا 148۔ جنرل ضیاء کا نظامِ اسلام کا نظریہ سندھ کے صوفیانہ طرزِ فکر سے قطعی ہم آہنگ نہیں تھا۔ اب سندھیوں نے پنجابی' مہاجر اور پختونوں کو اسلامی امہ کا حصہ سمجھنے کے بجائے مقامی نوآبادیاتی کلچر کا ایجنٹ کہنا شروع کر دیا 150۔ اسلامائزیشن کے ردِ عمل کے طور پر سندھ کی ادبی' ثقافتی اور سماجی تنظیموں نے سندھی زبان' ادب اور معاشرت کی انفرادیت اور برتری پر زور دینا شروع کر دیا 151۔ اسی دور سے متعلق ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> سندھ کے نوجوان اور عام لوگ کبھی کسی غلط بات کو صحیح سمجھنے اور اس کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ سندھ کے عوام اور نوجوان سخت غصے میں اور انتقام پر آمادہ ہیں...... آج ہر سندھی خواہ ملازمت میں ہے یا ملازمت سے' باہر آزمائش میں مبتلا ہے آج سندھ میں احمقانہ تقلید اور دشمن کے ساتھ تعاون کی کوئی گنجائش نہیں ہے 152۔

سندھ کی خواتین بھی سندھی شناخت کی جدوجہد میں شامل ہوگئیں 153۔ 1982 میں اپنی طرز کی پہلی سندھی خواتین کانفرنس بھی منعقد ہوئی۔

سندھی آگہی اور فوج کے درمیان خصوصاً دیہی سندھ کے عوام کی طرف سے عدم تعاون کا دائرہ بھی 1983 میں PPP اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے شروع کیے گئے بحالی جمہوریت اور 1973 کے آئین کے تحت انتخابات کرانے کے مطالبے کے ساتھ

سندھیوں کے پُرخلوص تعاون سے وسعت اختیار کر گیا154۔ بہت سے تجزیہ نگاروں نے سندھیوں کو اس تحریک میں اتنا سرگرم بتایا ہے کہ ان پر کسی روایتی سندھی لیڈر کا کسی قسم کا کنٹرول نہیں رہا تھا155۔شہری علاقوں میں یہ تحریک احتجاجی مظاہروں اور عدالتی بائیکاٹ کی شکل میں جاری رہی جس نے دیہی علاقوں میں نمایاں طور پر اشتعال انگیزی کو ہوا دی156۔سندھ کے دیہی علاقوں میں نسلی اور علاقائی تعصب اور اسلحہ کے استعمال نے قدرتی طور پر فوجی مداخلت کے مزید راستے کھول دیے۔جنرل ضیاء نے 45000 فوجی تعینات کیے جن کے ہاتھوں 300 سے 600 شہری اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے157۔ستمبر 1986 میں سندھ میں سیاسی قیدیوں کی تعداد 10,000 تک پہنچ گئی158۔PPP سے تعلق رکھنے والے اسٹوڈنٹ لیڈر اقبال ہسبانی کو ایک پولیس مقابلے میں ہلاک کر دیا گیا159۔عموماً فوجی کارروائیاں ضیاء الحق کے حامیوں کے تعاون سے کی جاتی تھیں160۔ایم۔ جے اکبر کے الفاظ میں:

چند ہی دنوں میں پورا سندھ جل اٹھا' اندرونِ سندھ کے دیہاتی جہاں بھی مارشل لاء کی علامات دیکھ پاتے ان کے ساتھ بے رحمی سے پیش آتے۔ سیاستدانوں کو پھانسی دے دی جاتی' فوجیوں پر حملے کیے جاتے' علامتی طور پر کتوں کے جسم پر ضیاء لکھ کر انہیں کھلا چھوڑ دیا جاتا۔لوگوں کے اشتعال اور نفرت کا یہ موثر اظہار تھا161۔

فوجیوں کے قائم کیمپوں کو پنجابی کیمپوں کی حیثیت سے نظر میں رکھا جاتا تھا اور ان کو دوررس مفادات کے حصول کے لیے مقامی نوآبادیاتی مورچہ کہا جاتا162۔اسلام آباد کی فوجی کارروائیوں کے خلاف سندھیوں کے غصے کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے معروف صحافی ارشاد احمد حقانی رقمطراز ہیں:

اگر اس موقعہ پر سندھ میں ریفرنڈم کرایا جاتا تو 95.8% سندھی پاکستان سے نکل جانے کو ترجیح دیتے163۔

سندھ میں خالات معمول پر آنے میں چار مہینے لگے' مگر اس دوران سندھی قوم پرست کارروائیاں زیرِ زمین جا چکی تھیں۔اس عرصے میں سندھی قوم پرستوں کا بہت سا لٹریچر منظر عام پر آیا اور کئی ایسے گروپ وجود میں آئے جن کا نکتۂ نظر صوبائی خودمختاری اور سندھ کی

آزادی تھا164۔سندھی ادبی کانفرنس، سندھ سجان سبھا اور سندھی بولی سبھ جیسی تنظیموں نے سرکاری سطح پر سندھی زبان رائج کرنے کے مطالبے کو زندہ رکھا۔ یہاں بچوں کی بیداری تحریک کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو سندھی کے حق میں بینر اٹھائے پھرا کرتے تھے165۔ بے نظیر بھٹو بھی دروغ گوئی نہیں کرتی تھی جب وہ کہتی:

> فوج کو لوگوں کی مزاحمتی شدت کا اندازہ نہیں ہے۔ پورے دیہی سندھ کی سوچ میں انقلاب آ چکا ہے166۔

اس بات کی اہمیت بھی قابلِ غور ہے کہ سندھ کے سرکردہ قوم پرست لیڈر جی۔ایم سید نے MRD کی تحریک سے خود کو اس تاویل کے ساتھ علیحدہ رکھا کہ اس کی تحریک کا بنیادی مقصد اسلام آباد میں بھٹو حکومت کا احیا ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے کہا:

> PPP کا کوئی اصول نہیں ہے جبکہ محاذ کسی بھی قسم کے حالات میں اپنے طریقہ کار میں تبدیلی کا روادار نہیں ہے167۔

کہا جاتا ہے کہ 1970 کے انتخابات میں شکست کے بعد جی۔ایم سید کا پارلیمانی جمہوریت پر سے اعتماد ختم ہو گیا تھا168۔ یہاں تک کہ وہ مارشل لاء کا نفاذ بہتر سمجھتے تھے جس کی وجہ سے علیحدگی پسند تحریک کو پنپنے کا بہتر موقعہ ملتا169۔

MRD سے جی۔ایم سید کی مخالفت میں حمیدہ کھوڑو جیسی ان کی ساتھی شریک نہیں تھی جنہوں نے جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور سندھ گریجویٹ ایسوسی ایشن کے تعاون سے سندھیوں کے متوسط طبقے کی ایک بڑی تعداد کو فوج کے خلاف ساتھ دینے کے لیے تیار کر لیا170۔اس کے علاوہ رسول بخش پلیجو کی عوامی تحریک نے سندھی قوم پرست تنظیموں کے مابین آپس میں تعاون کی فضا ہموار کی۔ جئے سندھ محاذ کے نظریات کے برخلاف اس تحریک نے سندھ میں سیاسی اور سماجی بیداری کا جائزہ لینے کے لیے سوشلسٹ سندھ کے نظریے کو فروغ دیا۔اس کا بنیادی حلقہ ہاری، مزدور اور طلباء پر مشتمل تھا، انہوں نے جی ایم سید کو جاگیردار طبقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر رد کر دیا171۔ 1985 میں ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ کی قائم کردہ ایک اور تنظیم سندھی + بلوچستان + پختون فرنٹ کے نام سے میدان میں آئی جس نے ملک میں کنفیڈرل نظام نافذ کرنے کے لیے تحریک کی ابتدا کی172۔ دیگر تین سندھی قوم پرست

تنظیمیں جمعیت علماء سندھ' سندھ ساگر پارٹی اور جمہوری تحریک ایک سابق کیمونسٹ لیڈر جام ساقی نے قائم کیں لیکن عوامی سطح پر ان کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے۔ سندھی قوم پرستوں نے ورلڈ سندھی کانگریس کے ذریعے ایک بین الاقوامی پلیٹ فارم بھی تیار کیا173۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضیاء الحق نے سندھی قوم پرستوں کی اس تقسیم کو اپنے اختیارات کی کمزوریاں دور کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اس نے MRD کی تحریک کو ناکام بنایا' اسلام آباد مخالف سندھی وڈیروں پر زرعی انکم ٹیکس لاگو کیا' اور قومی وصوبائی دفاتر سے PPP نواز عناصر کی بیخ کنی کی۔ پھر اس نے پاکستان کے اسلامی کردار کے حق میں ریفرنڈم کرایا اور جنوری 1985 میں قومی اسمبلی کے غیر جماعتی انتخابات کرائے۔ سندھ کے لیے اپنی خصوصی توجہ کے اظہار کے لیے ایک معمولی شہرت کے حامل سندھی محمد خان جونیجو کو وزیرِ اعظم منتخب کیا لیکن جلد ہی اس سے نجات بھی حاصل کر لی اور مئی 1988 میں وزارتِ عظمیٰ سے علیحدہ کر دیا۔ اسی سال اگست میں جنرل ضیاء خود ایک ہوائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔

اتفاق کی بات کہ MRD کی تحریک کے دنوں میں اندرونِ سندھ رہزنی اور لوٹ مار کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ نسلی جدوجہد کا سیاسی پھیلاؤ تھا۔ *The Herald* نے جولائی 1986 میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں نواب شاہ' دادو اور لاڑکانہ میں اغواء کے 250 کیس رپورٹ کیے۔ ڈاکوؤں کا شکار ہونے والے اعلیٰ سماجی حیثیت کے زمیندار' سیاستدان' سرکاری ملازمین' جج اور معمولی حیثیت کے دیہاتی سبھی شامل تھے۔ ایک معروف صحافی نے بتایا کہ کیسے:

> کراچی شہر اور اندرونِ سندھ کے نامی گرامی لوگ اغواء کے ڈر سے ہر وقت سہمے ہوئے رہتے' شہری علاقوں کے تاجر' سرکاری افسران' ڈاکٹر' انجینئر' قانون دان' دیگر صنعتکار اور بڑے کاروباری لوگ بھی ان کے لیے ویسی ہی آسامیاں تھیں جیسے بڑے زمیندار174۔

ان ڈاکوؤں کے پس منظر کے بارے میں متضاد آراء تھیں۔ مگر عموماً وہ مایوس سیاسی کارکن اور تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان تھے175۔ ان ڈاکوؤں میں زیادہ تر MRD کے وہ کارکن شامل تھے جو فوجی جارحیت سے بچ کر جنگلوں میں روپوش ہوئے تھے اور نتیجے کے طور پر

ڈاکو بن گئے۔ان ڈاکوؤں کے نام عموماً کشمیر خان' کاری' ماچھی' نادر جسکانی' مٹھو قصائی اور حیدر کھوسو ٹائپ کے تھے۔ جانو آرائیں' عالم چولیانی' حسن چانڈیو' دادن چنو' اور نور جہاں مگسی وغیرہ کے سندھی قوم پرستوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے176۔ جیلوں سے بھاگے ہوئے سیاسی قیدی بھی ان کی طاقت کا ایک معقول حصہ تھے177۔ضیاء الحق کا پاکستان کو افغان جنگ میں امریکہ کی فرنٹ لائن بنانے سے اسلحہ کی بھرمار' اور کراچی میں مسلح مجاہدین اور منشیات کی کھلی آمدورفت نے سندھ میں دہشت گردی کا ماحول برقرار رکھنے میں بڑی معاونت کی178۔ مگر کئی موقعوں پر ان ڈاکوؤں کو دو مقاصد کے حصول کے لیے فوج کا تعاون بھی حاصل ہوتا تھا:

(a) سندھیوں کو سیاسی مظاہروں میں مصروف رکھنے کے لیے تاکہ ان کو مملکت کے خلاف سیاسی احتجاج کا وقت نہ مل سکے؛ اور

(b) سیاسی افراتفری کا ماحول برقرار رکھنے کے لیے تاکہ صوبہ میں وفاقی فوج کی موجودگی کا جواز موجود رہے179۔

> سندھ ہاری کمیٹی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ڈاکوؤں کے خلاف آپریشن کے نام پر معصوم دیہاتیوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا جاتا اور انہیں جھوٹے اور بناوٹی کیسوں میں ملوث کیا جاتا تھا180۔

ہندوستانی مبصر ایم۔بی نقوی نے اسلام آباد سے ڈاکوؤں کے خلاف آپریشن میں فوجیوں کی تعیناتی کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صوبے میں حزب اختلاف کو طاقت سے کچلنے کے لیے یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا181۔ سندھیوں کے نزدیک ڈاکوؤں کے خلاف فوج کا استعمال پنجابیوں اور پٹھانوں کا گٹھ جوڑ تھا182۔ضیاء کے دور میں نسل پرستی کی سیاست کا دوسرا عنصر سندھی اور مہاجروں کے درمیان کھلے تصادم کا تھا۔اس تصادم کو فروغ دینے کے پس پردہ 18 مارچ 1984 کو قائم ہونے والی مہاجروں کی پہلی سیاسی تنظیم مہاجر قومی محاذ کا قیام تھا۔اس سے پیشتر مہاجر یا تو جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے کام کرتے تھے یا مسلم لیگ کے' لیکن اب MQM نے ان کو مربوط سیاسی جدوجہد کے لیے ان کا اپنا پلیٹ فارم مہیا کر دیا تھا۔ MQM کا جماعتی پس منظر آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن سے وابستہ تھا جو

1978 میں مہاجر طلباء کو متوقع تشدد اور دہشت گردی سے محفوظ رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی183۔ یہ مہاجر طلباء لیڈروں کی کاوش تھی جس کے نتیجے میں MQM وجود میں آئی184۔ کچھ سندھی نقادوں کا خیال تھا کہ MQM وفاقی حکومت کے تعاون سے اسلام آباد کے خلاف سندھ میں ایک ممکنہ متحدہ حزبِ اختلاف کے قیام کو نیست و نابود کرنے لیے قائم کی گئی تنظیم تھی185۔ بعض کا خیال یہ بھی تھا کہ MQM کے قیام میں جنرل ضیاء الحق اور امریکن CIA کا مشترکہ ہاتھ تھا جس کے پیشِ نظر پاکستان سے سیاسی عمل کا خاتمہ اور نسلی ترجیحات کو فروغ دینا تھا186۔ MQM اور ISI کے درمیان باہمی رابطوں کے بارے میں اشارات بھی موجود ہیں187۔

الطاف حسین کی کرشماتی شخصیت کی قیادت میں MQM نے مہاجروں کو پاکستان کی پانچویں قومیت قرار دیکر ان کے لیے علیحدہ صوبے کا مطالبہ کردیا جس کا دارالخلافہ کراچی ہو188۔ مہاجروں نے اب اپنا پرانا اسلامی قومیت کا نظریہ تبدیل کر کے مکمل طور پر مہاجر حقوق کی حامل قومیت کا نعرہ اپنالیا189۔ ہمیں اپنا الگ صوبہ چاہئے! ہمارا اپنا وزیرِ اعلیٰ چاہئے! ہماری اپنی حکومت اور اپنی پولیس چاہئے!......ان مطالبات نے مہاجروں کے بنیادی نعرے کی حیثیت حاصل کرلی190۔ MQM کے سیاسی نظریات میں بڑھتی ہوئی نسل پرستی کا خود الطاف حسین نے اظہار کیا:

> ہم ایسی کسی بات کی طرفداری نہیں کریں گے جس میں لفظ مہاجر شامل نہ ہو!191۔

کچھ مبصروں نے MQM کی قیادت کو نسلی اشرافیہ سے الگ قرار دیا اور پارٹی کے اس دعوے کا حوالہ دیا جس میں اس کو غریبوں کی تنظیم کہا جاتا ہے192۔ پھر بھی MQM کو عام طور پر فاشسٹ نظریات کی حامل تنظیم کہا جاتا ہے۔ زیادہ تر متوسط اور زیرِ متوسط طبقات پر مشتمل اس تنظیم میں اختیارات کی تقسیم اور باقاعدگی کا مکمل لحاظ رکھا جاتا ہے193۔ ایک معائنہ کار کے الفاظ میں:

> MQM نے ایک سخت مربوط اور منظم جماعت تشکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ پیری کی طرز پر اس کی قیادت کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے اور

پالیسی معاملات میں کسی کو مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔اندرونی
معاملات پر تنقید برداشت نہیں کی جاتی ایک ایسا رجحان جس کی عکاسی
تنظیم سے باہر کے معاملات میں بھی ہوتی ہے 194'

الطاف حسین کو مکمل اطاعت کے حقدار ایک پیر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے 195۔ لندن میں حالیہ جلاوطنی کے دور میں وہ اپنے حامیوں سے سیٹلائٹ کے ذریعے خطاب کرتے ہیں۔عوامی اختیارات کی دعویدار یہ تنظیم تشدد پسند ہے اور ردوبدل کے ذریعے عوام کو مطمئن رکھتی ہے 196۔

MQM کا انتظامی ڈھانچہ اندازاً دس سے بارہ ہزار تربیت یافتہ رضا کاروں پر مشتمل تین ستونوں پر قائم ہے: مرکز......زون اور سیکٹر۔تمام ممبر خواہ عمومی زندگی میں کسی بھی حیثیت کے حامل ہوں پارٹی کی ہدایات پر مکمل عملدرآمد کے پابند ہیں۔پارٹی کی ممبرشپ بہت جانچ پڑتال کے بعد تفویض کی جاتی ہے اور ممبرشپ حاصل ہونے کے بعد وہ ممبر اپنے خاندانی معاملات حتیٰ کہ بیاہ شادی تک' ہر معاملے میں تنظیمی فیصلے کا پابند ہوتا ہے۔MQM کے مالی معاملات مڈل کلاس مہاجروں کے چندوں اور بڑے کاروباری اداروں کے تعاون سے چلتے ہیں۔یہ اپنی پروپیگنڈا مہم پوسٹر' پمفلٹ اور ریلیوں کی مدد سے چلاتے ہیں۔بلیک ٹائیگر کے نام سے اس تنظیم کا ایک مسلح شعبہ بھی ہے جس کو اکثر لوگ مہاجروں کا ڈیتھ اسکواڈ بھی کہتے ہیں۔MQM کے جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء پاکستان جیسی بنیاد پرست مذہبی تنظیموں کے ساتھ بھی مضبوط رشتے ہیں 197۔کاروباری اداروں' کثیر قومی کمپنیوں اور بڑے کاروباری لوگوں سے چندہ وصول کر کے پارٹی کی خوشحالی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔MQM کو پہلی نمایاں کامیابی 1987 کے بلدیاتی انتخابات میں حاصل ہوئی' جس کے نتیجے میں 28 سالہ فاروق ستار کو کراچی کا سب سے کم عمر میئر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔اس کے بعد اگلے قومی انتخابات میں MQM کو ملک کی تیسری بڑی سیاسی جماعت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

MQM کی تیزی سے ترقی کرتی ہوئی مقبولیت کو عام طور پر متشدد طریقوں کے استعمال سے جوڑا جاتا ہے' لیکن اصل میں یہ بودی تطبیق تقریباً ناقابلِ یقین لگتی ہے 198۔ دوسری جانب MQM کی حاصل کی ہوئی مقبولیت میں اس کے سماجی کاموں کی ایک خاص

اہمیت ہے۔ تنظیمی سطح پر اس نے مہاجروں کی بہت سے مسائل میں عملی مدد کی جیسے تعلیمی اداروں میں داخلے' مالی اداروں سے قرضوں کے حصول میں مدد' بیواؤں کی مالی امداد' ضرورت مندوں کے لیے مکانوں کی تعمیر' نکاسی و فراہمی آب کی سہولیات حتیٰ کہ مستحق لوگوں کی شادیاں بھی کرائیں۔ MQM نے زرعی اصلاحات کے لیے بھی جدوجہد کی' مہاجروں کے پسے ہوئے طبقات کے لیے مفت بازار اور آنکھوں کے ہسپتال بھی قائم کیے 199۔ غرض MQM نے اپنے ممبروں کے لیے ایسے رفاحی کام کیے کہ عملاً سرکاری مشینری کے سروں سے بہت سا قابلِ قدر بوجھ اتر گیا 200۔

گہرے ہوتے ہوئے سندھی مہاجر اختلافات نے کھلے تصادم کا راستہ اختیار کرلیا۔ صرف 30 ستمبر 1988 کو سندھی مہاجر جھگڑے کی وجہ سے 250 لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔۔۔۔ 201۔ اسی سال اکتوبر میں دونوں متحارب گروپوں کے پرتشدد واقعات میں تقریباً 400 کے قریب لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے 202۔ اپریل 1989 میں مہاجر سندھی آتش فشاں نے پہلے حیدرآباد اور اس کے بعد کراچی اور نواب شاہ کو اپنی لپیٹ میں لے کر کم و بیش 50 افراد کی جان لی۔ MQM کے تشدد کا خاص نشانہ مخالف پریس ہوا کرتا تھا۔ اخبار جنگ کے دفتر پر چڑھائی اور توڑ پھوڑ اور بعض صحافیوں پر تشدد کیا گیا۔ مہاجر نظریات کے مطابق مشکوک باغیوں کو اغواء کرکے ان پر تشدد کیا جاتا تھا۔ اس وقت کے ایک گواہ کا کہنا ہے:

> پچھلے مہینے میں ہونے والے تشدد کے واقعات نے حامیوں کے اوپر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ سندھی اور اردو بولنے والے طبقات کے معتدل مزاج لوگ بددل ہو گئے ہیں اور پہلے سے موجود مسلح نسلی سیاست کرنے والی تنظیموں کے انتہاپسند پریشر گروپوں میں شاؤنزم کی ایک نئی لہر مزید پریشر گروپوں کی تخلیق کا سبب بنتی دکھائی دے رہی ہے 203۔

صوبائی پولیس کے مہاجر دشمن رویئے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مہاجر لیڈروں نے سندھ میں مارشل لاء کا مطالبہ کردیا۔ "مارشل لاء لگاؤ.....ہمیں بچاؤ" کے

نعروں کے ساتھ جنرل ضیاء کی تصویریں لگائی گئیں۔ *The Herald* نے جون 1990 صفحہ 38 پر اس نئی تشویشناک صورت حال پر لکھا:

متحارب گروپوں میں جدید اسلحہ کا استعمال' راکٹ لانچر اور قتل کرنے کے بے رحمانہ طریقے اختیار کیے گئے: مختلف جسمانی اعضاء کاٹ دینا' پھانسی پر لٹکا دینا' زندہ گاڑ دینا وغیرہ۔ قتل کرنے کا ایک اور انتہائی بہیمانہ طریقہ بھی زیر استعمال تھا: لوگوں کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ کسی تخریب کاری میں ملوث ہوتے تھے' یا یونہی راستے میں آ گئے تھے' بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ سندھی تھے یا مہاجر تھے۔

2.4 ضیاء کے بعد کے دور کی پیچیدگیاں:

11 اگست 1988 کو جنرل ضیاء کی ہوائی حادثہ میں ہلاکت کے بعد PPP صوبائی اور قومی اسمبلی کے انتخابات میں کامیاب ہوکر دوبارہ برسرِ اقتدار آئی۔ سندھ میں البتہ مجلسِ قانون ساز کے انتخابات میں نسلی اور لسانی امتیاز برقرار رہا۔ PPP کے سندھی ووٹ اور MQM کے کراچی اور حیدرآباد کے مہاجر ووٹ برقرار رہے۔ بے نظیر نے واضح طور پر سندھی نکتۂ نظر کو بھرپور سہارا دیا تھا۔ وہ خود مہاجروں کو درج ذیل الفاظ میں غدار' اور ایجنٹ کہہ چکی تھی:

ان کی آنکھوں میں وہ آنسو نہیں جو تمہاری آنکھوں میں ہیں' ان کی رگوں میں وہ خون نہیں جو تمھاری رگوں میں دوڑ رہا ہے اور ان کے دلوں میں پاکستان کے لیے وہ محبت نہیں جو تمہارے دلوں میں ہے 204۔

اب اس نے اہم سرکاری عہدوں پر سندھیوں کو تعینات کیا اور نمایاں مہاجر افسروں کو پسِ پشت ڈال دیا 205۔

لیکن فوجی افسر شاہی کی عقابی آنکھوں اور نواز شریف کی قیادت میں IJI کے مضبوط حزبِ اختلاف کی موجودگی میں بے نظیر بھٹو کی حکومت اسلام آباد میں ملک کے سیاسی ڈھانچہ کی تعمیرِ نو کا خطرہ مول نہیں لے سکی 206۔ لیکن بے بینظیر اپنا اقتدار بچانے کے لیے قومی اسمبلی

میں MQM کے ساتھ ایک اتحاد بنانے کی مجبوری کی وجہ سے سندھی سیاست دانوں کی نظروں میں اپنا اعتماد کھو بیٹھی۔ البتہ یہ اتحاد زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکا کیونکہ بے نظیر مہاجروں کے بعض مطالبات مثلاً بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے باقی ماندہ مہاجروں کی پاکستان واپسی' اور سول سروس میں مہاجروں کے لیے کوٹہ مختص کرنا' پورے نہیں کر سکتی تھی207۔ اسی دوران MQM نے اندرونِ سندھ آباد پنجابی اور پختونوں کے لیے کھل کر ہمدردی کا اظہار کر دیا۔ PPP اور MQM کے مابین بڑھی ہوئی کشیدگی کے دور میں MQM مئی 1989 میں سندھ حکومت سے علیحدہ ہو گئی۔ اس واقعہ کو بڑے پیمانے پر نسلی سیاست کی بنیاد پر صوبے کی دو انتظامی حصوں میں تقسیم کا تکلیف دہ اشارہ سمجھا گیا 208۔ اکثر مبصروں نے اس کو MQM-IJI کا اتحاد مضبوط کرنے کے فوجی پلان کا ایک حصہ قرار دیا209۔

PPP-MQM اتحاد کے خاتمے کے ساتھ ہی سندھ میں ایک بار پھر سندھی مہاجر ٹکراؤ کا سلسلہ چل نکلا۔ سندھی مہاجر فسادات کی کئی شکلیں تھیں:

> کبھی ٹریفک کا کوئی حادثہ دونوں حریفوں میں تصادم کا بہانہ بن جاتا' کبھی ایک فریق کی طرف سے فائرنگ کے جواب میں دوسرا فریق بھی جواباً فائرنگ کرتا۔ شاہ فیصل کالونی میں ہونے والا کوئی واقعہ لیاقت آباد میں کشیدگی کا سبب بن جاتا اور بنارس چوک پر ہونے والا کوئی معمولی نوعیت کا جھگڑا اجمیر نگری یا اورنگی ٹاؤن کے ردِعمل کا شاخسانہ بن جاتا۔ کالج اور یونیورسٹی سے بھی یکساں ردِعمل سامنے آتا' فائرنگ اور دہشت گردی کے شوقین طلباء کو کھلی چھٹی مل گئی تھی210۔

کراچی اور حیدرآباد خاص طور سے نسل پرستی کے گڑھ بن گئے' نسلی تعلق رکھنے والے گنجان علاقے اور کچی آبادیاں بطور خاص تشدد کے مراکز میں تبدیل ہو گئے 211۔ مئی 1990 میں مرکزی حکومت کی طرف سے سندھی قوم پرست لیڈر قادر مگسی کی گرفتاری پر حیدرآباد میں فسادات کے نتیجے میں 130 جانیں ضائع ہوئیں۔212 سندھیوں نے جواباً مہاجروں پر حملے شروع کر دیے۔ مہاجروں کے لیے سندھ کی شاہراہوں پر سفر کرنا خطرناک ہو گیا۔ 27 مئی 1990 کو حیدرآباد میں مہاجر عورتوں اور بچوں کا پانی کی معطل شدہ سپلائی کی بحالی

کے لیے ایک پر امن مظاہرہ سندھ پولیس کے ذریعے بے رحمی کے ساتھ کچل دیا گیا۔اس کے ردِعمل میں کراچی میں رہنے والے سندھیوں پر دہشت گردی شروع ہوگئی۔ایک گواہ نے بیان کیا:

پُر ہجوم منڈیاں ویران ہوگئیں' پکا قلعہ جیسے مہاجر علاقوں میں سندھیوں کے مکانات خالی ہو گئے' سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے علاقوں میں شہری علاقوں کے یا حیدرآباد کے مضافات کے بے گھر لوگوں کے کیمپوں کی تعداد کے بارے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لیے زیادہ سے زیادہ کے مقابلے میں مصروف ہو گئے۔شہر کے تمام داخلی راستوں اور چوراہوں پر پولیس اور فوج کی چیک پوسٹوں پر ہر آنے جانے والی گاڑیوں کو روک کر اسلحہ کے لیے ان کی تلاشی لی جاتی' روزمرہ کی زندگی میں نت نئی سرگوشیاں اور افواہیں گردش کرنے لگیں۔کشیدگی کی فضا اور خطرہ ہر وقت سروں پر منڈلاتا' علاقوں کے مکین وہ وقت جب رونقیں عروج پر ہوتی تھیں اور بازار رات کو دیر تک کھلے رہتے تھے' ایسے یاد کرتے جیسے وہ ماضی بعید کے واقعات ہوں۔آج بس اتفاقاً کوئی آوارہ کتا یا کوئی فوجی گاڑی رات ہونے کے بعد گشت کرتی ہوئی دکھائی دے جاتی ہے213۔

درجِ ذیل اقتباس کراچی میں اسی قسم کے واقعات کی یاد دلاتا ہے:

ایک عشرے سے بھی کم عرصے میں کراچی جیسا ایک پُرہجوم' بارونق' ترقی کرتا ہوا شہر تشدد اور جرائم کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ایک شام کلفٹن پارک میں اپنے والدین کے ساتھ کھیلتی ہوئی ایک چھ سالہ بچی کو نامعلوم سمت سے آئی ہوئی ایک گولی سیکنڈوں میں خاندان کو ناقابلِ تلافی نقصان میں مبتلا کر دیتی ہے۔گولی اس چھوٹی بچی کو لگتی ہے اور وہ شہر کے خون کے پیاسے باشندوں کی آپس کی لڑائی میں ہلاک شدگان کی گنتی میں ایک کا اضافہ کر دیتی ہے۔نو سال کا ایک بچہ اغوا ہو جاتا ہے۔اس کے والدین تاوان ادا نہیں کر سکتے۔وہ بچہ کئی ہفتے بعد بظاہر

کسی نقصان کے بغیر گھر لوٹ آتا ہے۔ مگر اس کی پسلیوں کے نیچے ایک کالا سا نشان ہے۔ ایک ڈاکٹر نے معائنے کے بعد بتایا کہ اس کا ایک گردہ نہیں ہے...... تاوان وصول کر لیا گیا۔

ڈیفنس سوسائٹی میں ایک سست رفتار جمعہ کی سہ پہر دو کم عمر بچیاں اپنے اسکول کا کام کرنے میں مصروف ہیں' ان کے والدین بالائی منزل پر آرام کر رہے ہیں۔ داخلی دروازہ ایک دھماکے سے کھلتا ہے اور تین مسلح افراد داخل ہوتے ہیں۔ ایک بچی کی چیخ پر ان میں سے ایک اس پر رائفل کے زور دار بٹ مارتا ہے' بچی بیہوش ہو کر گر جاتی ہے۔ دوسری بچی کو دو حملہ آور اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے دبوچ کر اس کے کپڑے نوچ کر پھینک دیتے ہیں۔ وقت اس بچی کے حق میں ساز گار تھا۔ اس کا باپ بچی کے چلانے کی آواز سن کر ہوشیار ہو جاتا ہے اور بندوق لے کر غصے کی حالت میں نیچے آتا ہے۔ حملہ آور بھاگ جاتے ہیں۔

ایک شام آٹھ عورتیں آپس میں گفتگو کر رہی ہیں۔ موضوع زیرِ گفتگو جرائم اور دہشت ہے' ہر عورت کے پاس رہزنی' دہشت گردی' اور آبرو ریزی کی اپنی الگ داستانیں ہیں ...... اگر کچھ خود اس کے ساتھ پیش نہیں آیا تو اس کی بہن کے ساتھ' اس کی پڑوسن کے ساتھ یا اس کی کسی سہیلی کے ساتھ ضرور پیش آ چکا ہے 214۔

سندھ میں نسلی محاذ آرائی اس سطح پر پہنچ گئی کہ پارلیمنٹ کے منتخب ارکان دوسرے گروپ کے علاقے کے عوام کے لیے کچھ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ سندھ میں آپس کے تصادم کی وجہ سے آبادی منتشر ہو کر رہ گئی' اس سلسلے کی کوئی معتبر مصدقہ معلومات گو موجود نہیں ہیں' مگر ذیل کی رپورٹ بہت کچھ بیان کر دیتی ہے:

حیدر آباد میں یا اندرونِ سندھ تشدد کا ہر واقعہ ہجرت کے عمل میں تیزی پیدا کر دیتا۔ اردو بولنے والے خاندان لاڑکانہ' دادو' ٹھٹھہ' بدین اور

سندھ کے دوسرے حصوں سے نکل گئے' اور سندھیوں کی ایک بڑی
تعداد لطیف آباد اور حیدر آباد کے مختلف حصوں سے محفوظ پناہ گاہوں کی
تلاش میں نکل پڑی215۔

متعصبانہ اختلافات سے جرائم کی رفتار میں بھی بہت اضافہ ہو گیا۔ کراچی میں اغواء برائے تاوان کی وارداتیں 1985 میں 2 کے مقابلے میں 1990 میں 91 تک جا پہنچیں' قتل کی وارداتیں 220 سے 585' اور کاریں چھیننے اور چوری کرنے کے واقعات 1553 سے بڑھ کر 8091 تک ہو گئے216۔ خود جی۔ ایم سید نے سندھی قوم پرست تحریک کے جرائم میں ملوث ہونے کے حوالے دیے ہیں217۔

اگست 1990 میں PPP کی حکومت کو قانون شکنی کے الزامات کے تحت برطرف کر دیا گیا۔

اکتوبر 1990 میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات کو بڑے پیمانے پر IJI کی دھاندلی کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ پاکستان ایک بار پھر IJI کی وزارت کے تحت پنجاب کی سیاسی حکمتِ عملی کا تابع ہو گیا۔ مسلح افواج کی حامی اور واضح طور پر مذہب پرستی کی سیاست پر آمادہ IJI نے سندھ میں بھی MQM کے ساتھ مل کر حکومت بنائی' حالانکہ PPP قانون ساز اسمبلی کی واحد اکثریتی پارٹی کے طور پر سامنے آئی تھی۔ اس نئے دور میں سندھ کے اندر پنجابی سیکورٹی ایجنسیوں کو سندھی قوم پرستی اور سرکاری اسامیوں پر سندھی افسروں کی تعیناتی کے سدِ باب کے لیے بہت فروغ دیا گیا۔ مگر 1992 میں الطاف حسین کی فوجیوں کی اجازت کے بغیر سندھ کے معاملات آزادانہ چلانے کی ہدایت کے سبب اس اتحادی حکومت کا خاتمہ ہو گیا218۔ MQM کی سڑکوں کی سیاست اس وقت اپنے عروج پر تھی جب ایک فوجی افسر میجر کلیم احمد کو اغوا کر کے ان کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے 19 جون 1992 کو سندھ میں آپریشن کلین اپ شروع کیا گیا۔ اس آپریشن میں کم و بیش 30,000 فوجی اور نیم فوجی دستے تعینات کیے گئے جنہوں نے شہریوں کے احتجاج کو بغاوت کا نام دے کر ان کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا۔ MQM کے کئی سرکردہ لیڈر مطلوب مجرم قرار دیے گئے' بہت سے دوسرے کارکن گرفتاریوں سے بچنے کے لیے زیرِ زمین چلے گئے۔ خود MQM کے

قائد الطاف حسین کو کئی غیر معمولی مقدمات میں ملوث قرار دیا گیا جس کے باعث وہ لندن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔فوج نے MQM کے 22 عقوبت خانے اور کراچی' حیدر آباد اور کچھ ساحلی علاقوں پر مشتمل مجوزہ اردو دیش کا نقشہ دریافت کرنے کا بھی دعویٰ کیا219۔

اسی دوران 17 جنوری 1992 کو جئے سندھ کے سربراہ جی۔ایم سید کی 89 ویں سالگرہ منانے کے لیے بابائے قوم کے مزار کو نظر انداز کر کے کراچی کے تاریخی نشتر پارک میں منانے سے سندھی قوم پرستوں کے جذبات کو مزید بھڑکایا گیا۔ جئے سندھ کے تقریباً 7,000 کارکن کلہاڑی کے نشان والے سرخ رنگ کے جھنڈے لہراتے ہوئے ریلی میں شریک ہوئے۔اس سالگرہ کے موقعے پر پاکستان کے نقشے کا کیک کاٹا گیا جس میں سے سندھ کو بڑی مہارت کے ساتھ کٹنے سے محفوظ رکھا گیا۔اس دوران یہ نغمے گائے جاتے رہے: سندھو دیش تجھ پر ہم اپنا سر جھکاتے ہیں...... تیری مٹی سر میں لگاتے ہیں220...... اور جی۔ایم سید رہبر ہے...... سندھو دیش مقدر ہے221۔

اس موقعہ پر جئے سندھ کی دو سندھی خواتین نے شیخ ایاز کا لکھا ہوا سندھو دیش کا قومی ترانہ بھی گایا222۔حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے جی۔ایم سید اپنے ہدف سے بہت آگے نکل کر خود مختار بلوچستان' پختونستان اور سرائیکی دیش کی باتیں کرنے لگے' جس کے مطابق موجودہ پاکستان سکڑ کر صوبہ پنجاب کے رقبے کا نصف سے بھی کم رہ جاتا ہے223۔اس نے مسلم لیگ کی مذمت کرتے ہوئے اس کو نسل پرست تنظیم قرار دیا' اور بطور خاص اس بات پر زور دیا کہ برطانوی نوآبادیاتی دور میں چونکہ سندھ ایک علیحدہ انتظامی شناخت رکھتا تھا اس لیے اب بھی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا اس کا حق ہے224۔نشتر پارک میں موجود جئے سندھ کے لیڈروں میں گل محمد جکھرانی' حسین بخش ناریجو' بشیر احمد قریشی' سعید احمد لانگاہ اور رفعت قریشی بھی موجود تھے۔اس دن کو یاد کرتے ہوئے ایک صحافی نے لکھا:

> نشتر پارک کے اس جلسے میں جی۔ایم سید اپنے عروج پر تھے...... 89 برس کی عمر میں بھی انہوں نے ثابت کر دیا کہ گو وہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکتے مگر چاہیں تو اب بھی پورے ملک میں آگ لگا سکتے ہیں225۔

سندھی قوم پرستوں کے جذبات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب جئے سندھ محاذ کے ایک لیڈر سے پوچھا گیا کہ وہ پاکستان کی آئینی سرحدوں میں رہتے ہوئے اور کتنی آزادی چاہتے ہیں؟ اس کا جواب تھا:

یہ ایسا ہوگا کہ زلزلے سے زخمی ہونے والے متاثرہ کسی فرد کو درد کشا گولی فروخت کی جائے 226۔

یہی وقت تھا جب سندھی پریس بھی ایسے تجربات سے گذرا جو اس سے پہلے اس کے سامنے نہیں آئے تھے 227۔ صوبے میں ہونے والے واقعات کے غیر معمولی کوریج نے سندھ کے دانشوروں اور تعلیم یافتہ دیہاتیوں کے دلوں میں ایک بار پھر قوم پرستی کے جذبات بھڑکا دیے۔

پریشان اسلام آباد سندھ کے لسانی مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک بار پھر فوج کی مدد طلب کرنے پر مجبور ہوگیا۔ پھر جو کچھ ہونا تھا وہ نہتے عوام پر فوجی بربریت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مثلاً ایک گاؤں پر چڑھائی کے دوران فوجیوں نے قوم پرستوں کو پناہ دینے کے الزام میں دس دیہاتیوں کو پکڑ کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا 228۔ سیاسی مخالفین کو خاموش کرنے کے لیے یہ ملک کے محافظ' سندھی قوم پرست خواتین رضا کاروں کے ساتھ جنسی تشدد کرنے میں دیر نہیں لگاتے تھے 229۔ کیمپوں میں رکھے گئے لوگوں کی زندگیاں عذاب کی حیثیت رکھتی تھیں 230۔ سندھی طلباء اور قوم پرست لیڈروں کی تصویریں ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر تقسیم کردی گئی تھیں تاکہ وہ صوبے سے فرار کی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ سرکاری قبضے میں الیکٹرانک میڈیا' فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار اور قتل ہونے والے سندھی قوم پرستوں کے بارے میں خبریں جاری نہیں کرسکتا تھا۔

ستمبر 1993 کے پارلیمانی انتخابات کے بعد PPP نے اسلام آباد میں معمولی اکثریت سے حکومت بنائی۔ MQM نے حکومت کی ناانصافیوں کے خلاف احتجاجاً ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا مگر تین دن بعد صوبائی انتخابات میں حصہ لے کر 27 نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے پارلیمنٹ میں اپنی غیر محفوظ اکثریت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہوشیاری سے فوجی ادارے کے مفادات متاثر نہ کرنے کی پالیسی اپنائی 231۔

مگر ایم کیو ایم کے ساتھ مذاکرات کے بجائے بالاتری کا رویہ اپنائے رکھا۔اسلام آباد اور سندھ میں حکمران پارٹی کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے پی پی پی نے اب خود کو سندھ کے مفادات کا نگراں اور ایم کیو ایم کو دہشت گرد تنظیم کی حیثیت دے کر اس کے خلاف آپریشن کلین اپ کی ضرورت کا اظہار کیا232۔صوبائی اسمبلی میں واضح اکثریت اور کراچی و حیدرآباد 233 کے میونسپل انتظامات پر مکمل قابو یافتہ ایم کیو ایم کو سندھ کے انتظامی فیصلوں سے بالکل علیحدہ رکھا گیا۔اس طرز عمل کے ہاتھوں ایم کیو ایم کا مہاجر علاقوں کا ترقیاتی ایجنڈا اور مہاجروں کے لیے تعلیمی اداروں اور سرکاری ملازمتوں میں نئی اسامیاں پیدا کرنے کا پروگرام تباہ ہو کر رہ گیا234۔پنجابیوں کے لیے مہاجروں نے تجارتی اور کاروباری شعبوں میں بھی میدان خالی چھوڑ دیا۔بنیادی طور پر پنجابی ہونے کے ناطے فوج نے اپنے لیے نفع بخش کاروباری مواقع خود پیدا کر لیے 235۔مہاجروں کو ملوں میں مزدوری کرنے تک کے لیے پٹھانوں سے مسابقت کرنی پڑی۔1980 میں خلیج سے آنے والی رقوم میں کمی آنے سے پاکستان کے شہری علاقوں کے عوام کے معاشی حالات میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔اس ذریعے سے مستفید ہونے والی زیادہ تر مہاجروں کی نئی نسل تھی۔زیدی کے بقول:

> سندھ اب مہاجروں کی جاگیر نہیں رہی' پنجابیوں نے یہاں صنعتیں لگانا شروع کر دیں' زمینیں خریدیں' ملازمتیں حاصل کیں اور شہری و دیہی علاقوں سے مقامی مزدوروں کو دربدر کر دیا236۔

الطاف حسین کو دہشت گردی کورٹ نے 27 سال قید کی سزا دے دی۔ملک کے اس نئے سیاسی منظرنامے میں MQM بالکل بے دست و پا ہو گئی۔پاکستان کی سیاسی حکمت عملی میں نمایاں عمل دخل رکھنے والی تنظیم اپنے اس نقصان کی وجہ سے نئے سیاسی تقاضوں کے مطابق بتدریج سندھی قوم پرستوں اور حکومت کے خلاف اسلحہ کی نمائش 237 پر آمادہ ہو گئی۔ایک مبصر کے مطابق:

> مہاجر برادری اپنے مستقبل کی طرف سے غیر یقینی کا شکار ہو گئی۔ان میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ اگر وہ آپس میں متحد نہ رہے تو حکومتِ سندھ اور سندھی افراد پر مشتمل بیوروکریسی ان کو چٹکی سے پکڑ کر نکال باہر

کرے گی238۔

الطاف حسین نے لندن میں جلاوطنی کی زندگی گذارتے ہوئے مہاجروں سے غلامانہ طرز کی زندگی گذارنے سے مرجانے کو بہتر قرار دیا239۔مہاجر لیڈر مہاجروں کے ہر درد کا علاج اب صرف ایک علیحدہ صوبے کے قیام میں دیکھنے لگے جو کراچی' حیدرآباد' بدین اور ٹھٹھہ پر مشتمل ہو240۔اس پر ایک سندھی قوم پرست کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ شعلہ فشاں ہوا:

> اگر کوئی اپنے آپ کو40سال کے بعد بھی مہاجر کہتا ہے تو اس کا صاف یہی مطلب ہے کہ اس کو پاکستان کی سرزمین راس نہیں آئی۔اگر کوئی شخص کسی دوسرے ملک سے آکر کسی ملک میں بس جاتا ہے تو وہاں کے مسائل ختم ہو جاتے ہیں' اگر وہ40سال کے بعد بھی مہاجر ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے اقوامِ متحدہ نے ایک کمیشن قائم کیا ہوا ہے241۔

MQM نے پاکستان کی سپریم کورٹ میں بےنظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف ایک درخواست دائر کی جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ وہ مہاجروں کے آئینی حقوق کی خلاف ورزی کر رہی ہیں242۔اکثر تجزیہ نگار محسوس کرتے تھے کہ میڈیا...... بطورِ خاص لسانی وابستگی رکھنے والے پریس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سندھ میں ہونے والے لسانی اختلافات کی فضا کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرے243۔

1990 کے وسط تک بنگلہ دیش سے بہاریوں کی آمد کا مسئلہ مہاجروں کو احتجاجی کیفیت میں مبتلا کئے ہوئے تھا۔مہاجر ان کے پاکستان آنے کے خواہاں تھے جبکہ سندھی آبادی ان کی آمد سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف تھی' مبادا ان کے آنے سے سندھ کی آبادی میں مقامی سندھیوں کا تناسب مزید کم نہ ہو جائے244۔انتہا پسند مہاجر لیڈر ڈاکٹر سلیم حیدر نے تنبیہ کی کہ اگر سندھ اسمبلی بہاریوں کی آمد کے خلاف کوئی قرارداد منظور کرے گی تو وہ قانون سازوں کو گھر واپس نہیں جانے دیں گے۔سندھی سیاست دانوں نے 321 بہاریوں کی لاہور آمد پر 10 جنوری 1993 کو حیدرآباد کے قریب کوٹری کی بہار کالونی میں بم دھماکے کر کے احتجاج کیا245۔

1994 کے آخر تک سندھ کے لسانی فسادات 2823 افراد کی زندگیوں کے چراغ گل کر چکے تھے' 7420 حادثات میں 10524 افراد شدید مجروح ہو چکے تھے 246۔ کراچی میں ایسے بھی واقعات ہوئے جن میں لوگوں کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا تھا 247۔ کراچی کے لسانی جھگڑے میں مزدور پیشہ افراد بھی متاثر ہوئے 248۔ 1995 میں ایم کیو ایم نے 34 عام ہڑتالیں کیں 249۔ اس وقت کاروباری دنوں میں کراچی کی ایک روزہ ہڑتال سے اندازاً 1.3 بلین روپے یا 38 ملین امریکن ڈالر کا نقصان ہوتا تھا 250۔ اس صورتحال نے لامحالہ کراچی اور حیدرآباد شہر کے معاشی حالات دگرگوں کر کے رکھ دیے 251۔ 1995 کے پورے سال ایم کیو ایم نے کراچی کی سڑکوں اور گلیوں میں سیکورٹی فورسز کے خلاف گوریلا جنگ لڑی جس میں بعض اوقات دونوں طرف سے جدید ترین ہتھیار استعمال کیے گئے۔ گرفتار شدگان کی ہلاکتیں اور ایم کیو ایم کے کارکنوں کے بالائے قانون قتل روزمرہ کا معمول تھے۔ مہاجروں کے گھروں کی ذلت آمیز تلاشیاں' نمایاں حیثیت کے مہاجروں سے رقم چھیننے اور عام مہاجروں پر تشدد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا 252۔ ایم کیو ایم کے روپوش رہنماؤں کے بارے میں خبر دینے پر انعامات مقرر کیے گئے۔ ایم کیو ایم کے گرفتار شدگان پر پولیس کے بے رحمانہ تشدد پر پاکستان کے انسانی حقوق کمیشن کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے خود اعتراف کیا ہے کہ:

> پولیس کا بے رحمانہ تشدد بجائے خود ایک ناقابلِ معافی جرم ہے اور اس نے تمام حدیں پار کر لی ہیں۔ ہمارا پولیس والا ...... ایک انسان کو گرفتار کرتا ہے اور فوری انصاف کے لیے خود جج' جیوری اور جلاد بن جاتا ہے 253۔

ایم کیو ایم کے محمد انوار نے اقوامِ متحدہ کے ذریعے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا 254۔

اس موڑ پر روایتی سندھی لسانی قوم پرستوں نے اپنی سیاسی قوت میں نمایاں کمی محسوس کرنا شروع کر دی۔ 1992 میں نشتر پارک کی ریلی کے سرخیل جی ایم سید کو اچانک نظر بند کر دیا گیا۔ 1995 میں وہ نظر بندی کے دوران ہی 92 سال کی عمر میں چل بسے اس تمام

عرصے میں انہوں نے 29 سال قید میں گذارے۔ مگر سندھ کے لسانی تعصب کی آگ سرد نہیں ہو سکی۔ جی ایم سید کے انتقال کے صرف تین ماہ بعد ورلڈ سندھی کانگریس کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر منور ہالیپوٹہ نے 1995 میں واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ سندھ کے لوگوں کا پاکستان کے سیاسی نظام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے' اور انہوں نے سندھ کے حقِ خود اختیاری کے حصول کو لازمی قرار دیا255۔

3- نسلی سیاست اور سندھی عورت کی سیاست میں آمد:

حالیہ مطالعات سے پتہ چلتا ہے کہ صوبے میں سندھی اور مہاجر خواتین بھی قوم پرستی کی سیاست میں خاطر خواہ حصہ لے رہی ہیں256۔ مئی- جون 1982 میں قائم ہونے والی سندھیانی تحریک نے بھی پس پردہ رہ کر سندھ میں مہاجروں کے خلاف جذبات ابھارنے کا کام کیا ہے۔ ابتدا یہ تحریک اسلامی معاشرہ میں عورت کے مقام' بے علمی' کم عمری کی شادی اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے بارے میں سندھی عورت کا شعور بیدار کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سماجی ترقی' اور سوشلزم کے تحت روس اور چین میں عورت کے کردار پر بھی سندھیانی تحریک کے پلیٹ فارم پر مذاکرات ہوتے تھے۔ 50,000 ممبر اور 4000 فعال ارکان کے ساتھ آج یہ ایک مربوط تنظیم ہے۔ ضلعی اور تحصیل کی سطح کے 22 منتخب ممبروں پر مشتمل ایک مرکزی کمیٹی بھی ہے۔ یہ تنظیم ایک بڑے سماجی حلقے سے اپنے ممبر منتخب کرتی ہے جن کا تعلق پیشہ ور خواتین' طلباء' تعلیم یافتہ گھریلو خواتین اور عام شہریوں سے ہوتا ہے۔ مگر اس کی لیڈر متوسط طبقے یا زمینداری سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر 1992 سے سماج کے نچلے طبقے کی خواتین بھی تنظیم کے بالائی عہدوں تک رسائی حاصل کرنے لگی ہیں257۔ اپنی آواز سنانے کے لیے سندھیانی تحریک ریلیاں نکالتی ہے' پمفلٹ' ہینڈ بل' ہینڈ آؤٹ اور خبر نامہ جاری کرتی ہے۔ مذہبی اجتماعات کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مائی بخت آور جیسی سندھی خواتین کے دن سندھیانی تحریک کے دائرۂ عمل میں آنے والے حلقے کو متعارف کرانے کے لیے منائے جاتے ہیں۔ 1983 میں بحالی جمہوریت کی تحریک کے دنوں میں اس تنظیم نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ 1988 سے یہ پارلیمانی انتخابات کے موقعہ پر

پورے انہاک کے ساتھ انتخابی مہم میں حصہ لیتی آ رہی ہے۔ 1992 میں اس تنظیم کی ممبروں نے عوامی تحریک کی ایماء پر سکھر سے کراچی تک سندھیوں کا شعور بیدار کرنے کے لیے ایک مارچ میں حصہ لیا۔

سندھیانی تحریک کی طرز پر ایم کیو ایم نے بھی 1986 میں ایم کیو ایم شعبہ خواتین کا اجرا کیا۔ یہ شعبہ پہلی بار 1987 کے مقامی حکومتوں کے انتخابات کے موقعہ پر منظرِ عام پر آیا۔ مہاجروں کی انتخابی کامیابی انتخابی مہم میں خواتین کے بڑے پیمانے پر حصہ لینے میں مضمر ہے' بطور خاص روایت پرست مہاجر خواتین کی۔ مہاجر رضا کار خواتین کو اس وقت دفتر کھلے رکھنے کی تربیت حاصل ہے جب تنظیم کے مرد گرفتار ہوں یا زیرزمین روپوش ہوں 258۔ مہاجر خواتین نے بڑی تعداد میں ایسے مظاہرے بھی کیے جن میں ان کے قائد الطاف حسین کے خلاف جھوٹے الزامات واپس لینے کے مطالبے کیے گئے۔ اس مسئلہ پر خواتین نے جولائی 1988 میں ایک عظیم الشان ریلی نکالی جس کے شرکاء کی تعداد 50,000 سے 1,00,000 تک تھی 259۔ اس موقعہ پر مسلح خواتین نے مجمع کو کنٹرول کیا۔ مہاجر خواتین کا دوسرا مسلح مظاہرہ 27 مئی 1990 کو اس وقت دیکھنے میں آیا جب انہوں نے کراچی میں پولیس کی پابندیاں توڑتے ہوئے ہاتھوں میں قرآن اٹھا کر پینے کے پانی کی سپلائی بحال کرنے کے لیے مظاہرہ کیا۔ اس ریلی پر پولیس کی فائرنگ کے نتیجے میں 12 خواتین جاں بحق ہوئیں۔ اس سانحے نے ملک گیر احتجاج کو جنم دیا۔

ایم کیو ایم کے شعبہ خواتین اور سندھیانی تحریک کی تنظیم میں نمایاں فرق ہے۔ سندھیانی تحریک کے برعکس اس کا کوئی باقاعدہ ایجنڈا نہیں ہے مگر تقریبات جو ایم کیو ایم کا لازمی حصہ ہیں۔ یہ ایک ذیلی تنظیم ہے جس کی ممبرا اپنے مرد کارکنوں کی طرح سختی کے ساتھ تنظیمی قواعد وضوابط کی پابند ہیں۔ ایم کیو ایم کی خواتین اسلامی لباس پہننے کی بھی پابند ہیں' ان کی شادیاں پارٹی کی مقامی قیادت کی منظوری سے مشروط ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ پارٹی سے وابستہ خاندانوں کے آپس کے اختلافات بھی پارٹی کی قیادت دور کراتی ہے۔ 1991 میں ایم کیو ایم کے گیارہ قانون دان ممبروں نے اعلان کیا کہ ایم کیو ایم کے قائد سے غداری اپنی ماں' بہن اور بیٹی کی بے حرمتی سے زیادہ شرمناک ہے 260۔ لیکن ایم کیو ایم کی خواتین کی

طرف سے ایسی شرمناک جنسی تشبیہ پر کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا۔ ایم کیو ایم کے شعبہ خواتین کی طرف سے 1992 کے شریعت بل کے خلاف بھی کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔ پارٹی کے انتظامی معاملات میں اس شعبہ کی اگر کچھ ہے تو برائے نام کوئی اہمیت ہے۔

بہر صورت سندھ کے نسلی تنازعہ نے سندھی اور مہاجر عورتوں کو عمومی حقائق سے خاصا بہرہ مند کر دیا ہے۔ یہ صورت، بیشک ان کے صنفی امتیاز کے خلاف روایتی جدوجہد میں کسی پیش رفت کی علامت نہیں ہے، کیونکہ سندھ کی سطح تک یہ سیاسی جدوجہد صرف مردوں کی شرائط کی پابند ہے، سندھی یا مہاجر شناخت کے لیے عورتیں صرف امدادی کردار ادا کر رہی ہیں جبکہ ان کی قیادت ہمیشہ کی طرح مردوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جیسا کہ ایک مبصر نے کہا:

> عورتوں کا کردار محض پروپیگنڈے تک محدود ہے، اور ان کی شرکت کا دارومدار احکامات کی پابندی کرنے پر ہے...... فیصلے کرنے میں یا تو ان کا کوئی حصہ نہیں ہے یا ہے تو محض برائے نام ہے 261۔

بہت سے مبصروں نے سندھیانی تحریک کو ایم کیو ایم کے شعبہ خواتین کے مقابلے میں معاشرتی مقاصد کے لیے فعال قرار دیا ہے۔ پھر بھی اس بات پر انحصار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان میں خواتین کی موجودہ جدوجہد کا تسلسل کسی بہتر سماجی معیار کا باعث بن سکتا ہے 262۔

4۔ سندھ کی شورش میں ہندوستان کی مداخلت کا سوال:

1977 سے ضیاء کی موت تک سندھ کی لسانی سیاست نے مقامی حدود و قیود سے نکل کر مدد کے لیے بیرونِ ملک دیکھنا شروع کر دیا۔ قوم پرست رہنما جی ایم سید نے اب اپنے ساتھیوں سے سندھ اسمبلی میں پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کرنے پر معذرت خواہی شروع کر دی 263۔ اپنی غلطی کی تلافی کرنے کے لیے وہ کہنے لگے کہ یا تو آزاد سندھو دیش بنے یا سندھ کو ہندوستان کا اتحادی شریک بنا دیا جائے 264۔ جی ایم سید نے آزاد سندھو دیش کے اپنے نظریے کا دفاع بھی کیا 265۔ 1987 میں وہ ہندوستان کے وزیرِ اعظم راجیو گاندھی سے بھی ملے اور ان سے اخلاقی اور مادی مدد کی درخواست کی۔ سید نے کیا کہا؟

اگر ہم آزاد نہیں ہو سکتے تو ہندوستان کا حصہ تو بن سکتے ہیں۔ اگر ہندوستانی حکومت بھی پاکستان جیسی ہو تب بھی ہمارے حالات موجود حالات سے تو بہر حال بہتر ہوں گے اور ہم کو پنجاب کی بالادستی سے نجات مل جائے گی266۔

"سندھ بولتا ہے" میں وہ لکھتے ہیں:

اگر آپ کے قانون کی نظروں میں یہ جرم ہے تو یہ جرم میں صرف آج نہیں کر رہا ہوں بلکہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں یہ جرم کرتا رہوں گا267۔

سندھ کے غیر معمولی شاعر شیخ ایاز نے بھی نعرہ لگایا: جے سندھ؛ جے ہند268۔ سندھی قوم پرستوں کی ملک دشمنی اور غداری اس سطح تک پہنچ چکی تھی کہ قائدِ اعظم کے یومِ پیدائش پر توہین آمیز پوسٹر تقسیم کیے گئے جن پر انتہائی قابلِ اعتراض نعرے درج تھے' آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

" قادو حجام ...... قاتلِ اعظم ...... کافرِ اعظم ...... غدارِ سندھ وغیرہ269۔ غیر ممالک میں مقیم سندھی دانشوروں نے بھی ہندوستان کے ساتھ سندھی بلوچی سرائیکی کنفیڈریشن کے قیام کی تائید وحمایت کی یا ہندوستان کے ساتھ دفاعی معاہدے رکھنے والی ایک آزاد سندھی بلوچی سرائیکی ریاست کے قیام کا خیال ظاہر کیا270۔ شمالی امریکہ کے سندھیوں کے ایک سرکردہ لیڈر نے اعلان کیا کہ:

تقسیم کے تاریخی تجربے نے ان کو یہ سبق سکھا دیا ہے کہ مذہبی رشتوں سے زیادہ نسلی اور سماجی رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ مذہبی رشتے قابلِ تبدیلی ہیں' نسلی رشتے نہیں271۔

جہاں تک ہندوستان کا سوال ہے' سندھ میں رونما ہونے والے واقعات ہمیشہ وہاں کے عوام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سرکردہ ہندوستانی سیاستدانوں کے تقسیم سے قبل سندھ سے مضبوط روابط تھے۔ مہاتما گاندھی کو بھی سندھ کے عوام سے اپنے تعلقات پر فخر تھا272۔ اسی طرح راشٹریہ سیوک سنگھ کے بانی ڈاکٹر ہیجوار بھی تقسیمِ ہند سے قبل سندھ میں خاص طور سے مصروف عمل رہتے تھے۔ BJP کے موجودہ صدر ایل کے ایڈوانی بھی سندھی ہیں۔ 1950 میں

پنڈت جواہر لال نہرو کے ذہن میں بھی غالباً سندھ تھا جب انہوں نے کہا:

> ہم اپنی سرحدوں کے آس پاس بسنے والے پڑوسیوں کے مفادات سے غافل نہیں رہ سکتے۔ سیاسی اور بین الاقوامی حالات خواہ کیسے بھی ہوں ہماری ان کے ساتھ وابستگی رہے گی کیونکہ ماضی میں ان کے ساتھ ہمارے گہرے تعلقات رہے ہیں' اور کوئی سیاسی تبدیلی ہمارے ان تعلقات اور یادوں کے بندھن کو توڑ نہیں سکتی 273۔

یہ امر باعثِ حیرت نہیں ہے کہ ہندوستان نے 1983 میں سندھ کی تحریک بحالی جمہوریت میں سیاسی تعاون فراہم کیا تھا۔ اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے بطور خاص کہا:

> ہم کسی غیر انسانی طرزِ عمل کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے' ہم نے ہمیشہ ایسے واقعات کی مذمت کی ہے 274۔

انہوں نے 1983 میں دہلی میں منعقد ہونے والی ورلڈ سندھی کانگریس میں شرکت کا موقعہ ضائع نہیں کیا جس میں سندھ سے پاکستانی فوج کے انخلاء اور سندھ کے عوام کے آئینی حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا گیا تھا 275۔ اس وقت کے وزیر خارجہ نے پارلیمنٹ کو یقین دلایا کہ پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات کا دلسوزی اور تکلیف کے ساتھ جائزہ لیا جا رہا ہے 276۔ اس قسم کے بیانات کا جی ایم سید نے نہایت خوش دلی اور گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا 277۔ 1983 میں آل انڈیا ریڈیو سے سندھی پروگرام شروع کیا گیا جس کا بنیادی مقصد ہی پاکستان میں موجود اس کے بدخواہوں کے دلوں میں بے بنیاد پروپیگنڈے کے ذریعے نفرت کی چنگاریاں بھڑکانا تھا 278۔ قدرتی طور پر نسلی اور لسانی نفرت کی آگ بھڑکانے میں ہندوستان کے غیر سرکاری ذرائع بھی حصہ دار تھے۔ بمبئی میں چھپنے والا لٹریچر سندھ اسمگل کر دیا جاتا تھا۔ اطلاعات یہ بھی ہیں کہ سندھی قوم پرستوں کے پمفلٹ دہلی میں چھپتے ہیں 279۔

1972 میں اردو سندھی فسادات کے دوران گورنر سندھ نے واضح طور پر اعلان کیا کہ جو لوگ لسانی اختلافات کو ہوا دے کر صوبے میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ دشمن کے ایجنٹ ہیں اور سرحد پار' شر پسندوں سے ان کے رابطے ہیں 280۔ اس موقعہ پر اخبار

جنگ نے سندھ سے متعلق اس ہندوستانی منصوبہ کے بارے میں اطلاعات کا ذمہ دار ایک تیسرے ملک کو بتایا جس میں فائرنگ، میزائل حملے اور بم دھماکے شامل تھے 281۔ 1980 میں جب سندھ میں نسلی شناخت کا مسئلہ زور پکڑ رہا تھا اس وقت ہندوستان کی خفیہ ایجنسی RAW پر بھی یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے جئے سندھ اور ال۔ ذوالفقار سندھی تنظیموں کے ارکان کی مسلح تربیت کے کیمپ قائم کیے ہیں 282۔ ملک سعید حسن جیسے سیاسی مبصرین نے یہ الزام بھی لگایا کہ 500-600 ہندوستانی کمانڈو سائنٹفک انداز میں سندھی ڈاکوؤں کا کردار ادا کر رہے ہیں 283۔ 25 اگست 1986 کے اخبار جنگ میں ایک ہندوستانی کی گرفتاری کی خبر شائع کی گئی جس کے بارے میں بتایا گیا کہ اسے سندھ میں دہشت پھیلانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

1990 میں اسلام آباد نے بھی سرکاری طور پر الزام لگایا کہ سندھ میں نسلی تعصب کی آگ بھڑکانے میں ہندوستان کا ہاتھ ہے۔ 1990 میں ہی پاکستان کے سیکریٹری داخلہ ایس کے محمود نے کہا کہ سندھ کی موجودہ صورت حال جہاں کی آبادی کی ایک قابلِ لحاظ اقلیت ہندوؤں پر مشتمل ہے، میں پس پردہ ہندوستان کی مداخلت کے واضح شواہد موجود ہیں 284۔ 1990 میں جب ایک ایکسپریس ٹرین پر بمباری کی گئی تو وزیراعظم بےنظیر بھٹو نے کہا تھا کو جو لوگ ہندوستان میں ہونے والے واقعات سے عام آدمی کی توجہ ہٹانا چاہتے ہیں ان کے پیشِ نظر پاکستان میں کچھ نہ کچھ کر گذرنے کا ارادہ ہے 285۔ مئی 1992 میں پاکستان کے وزیرِ دفاع سید غوث علی شاہ نے کھلم کھلا سندھ کے معاملات میں ہندوستان کے ملوث ہونے کا الزام لگایا 286۔ 20 مارچ 1993 کے Frontier Post نے RAW کے گیارہ ایجنٹوں کی گرفتاری کی خبر دی جو سندھ میں بدامنی پھیلانے کے لیے داخل ہوئے تھے 287۔ اکتوبر 1995 میں وزیراعظم بےنظیر بھٹو نے پاکستان میں مداخلت کا ذمہ دار براہِ راست انڈیا کو قرار دیا 288۔ سندھی قوم پرستوں کے مفاد میں مذکورہ ہندوستانی مداخلت کو بڑے پیمانے پر جموں اور کشمیر میں پاکستان کے ذریعے پہنچنے والی تکلیف کے انتقام سے تعبیر کیا گیا۔ پاکستان کی طرف سے انڈیا پر 1982 سے 1992 تک دہشت گردی کے 2444 واقعات کی تفصیل جاری کی گئی جس میں 1354 کے قتل ہونے اور 5088 پاکستانیوں کے زخمی ہونے کا دعویٰ کیا گیا 289۔ مارچ 1998 میں پاکستان کے وزیر اطلاعات سید مشاہد حسین نے RAW کے

دہشت گردی میں ملوث ہونے کے 30 واقعات کے ثبوت کا دعویٰ کیا جن کا اس سال کے ابتدائی نو مہینوں میں ارتکاب کیا گیا۔ ان واقعات میں 86 ہلاک اور 27 زخمی ہوئے 290۔ مشاہد حسین کے الفاظ میں:

دہشت گردی کے واقعات اصل میں ہندوستانی عوام کی توجہ وہاں موجود سیاسی بے چینی سے ہٹانی اور پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی نیت کے آئینہ دار ہیں 291۔

اپریل 1988 کی ایک پاکستانی پریس رپورٹ میں RAW پر الزام لگایا گیا کہ اس نے دہلی، راجستھان، پنجاب، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر کرناٹک اور جموں کشمیر میں حکومتِ پاکستان کے اقدامات کو سبوتاژ کرنے کے لیے رضا کاروں کی مسلح تربیت کے 40 کیمپ قائم کیے ہوئے ہیں 292۔ اس کے دو مہینے بعد 7 جون کو سندھ کے علاقے سے گذرتی ہوئی خیبر میل پر ایک طاقتور بم کے ذریعے حملہ کیا گیا جس میں 23 افراد ہلاک اور 32 زخمی ہوئے۔ اسلام آباد نے سادگی سے اس کا الزام RAW پر عائد کر دیا 293۔ سندھ کے سیاسی معاملات میں ہندوستانی مداخلت کے دعویٰ نے ایک نیا منظر بھی دیکھا جب 6 ستمبر 1998 کو حیدر آباد کی ایک عمارت پر ہندوستان کا جھنڈا لہرایا گیا جس پر 'جئے سندھ اور بھارت تحریر تھا' 294۔ اس واقعے کی خاص بات یہ تھی کہ یہ پاکستان کے سالانہ یومِ دفاع کی تقریبات کے موقعے پر رونما ہوا۔ پاکستان نے RAW میں ایک خصوصی سیل کے قیام کا بھی دعویٰ کیا جس کا خفیہ نام "اسٹبلشمنٹ 2000" تھا اور جو سندھ میں آپریشن کے لیے قائم کیا گیا تھا 295۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ انڈیا پر پاکستان کے الزامات صرف سندھی قوم پرستی کے معاملات تک محدود نہیں تھے بلکہ 1995 میں ایم کیو ایم کی دہشت گردی میں بھی ہندوستانی مداخلت کا دعویٰ کیا گیا۔ پاکستان کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے ہندوستان کے زی ٹی وی کو پاکستان کے دہشت گردوں کو خفیہ پیغامات کی ترسیل کا ذمہ دار ٹھہرایا 296۔ ایم کیو ایم کے ایک لیڈر جاوید لنگڑا کے لیے کہا گیا کہ اس کو بمبئی میں چھپنے کے لیے ایک خفیہ پناہ گاہ مہیا کی گئی 297۔ ایم کیو ایم پر ہندوستان میں ٹریننگ کیمپ چلانے کا الزام بھی لگایا گیا 298۔ یہ بات بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس وقت کے ہندوستانی وزیرِ خارجہ سلمان خورشید نے کراچی

کے واقعات پر تاسف کا اظہار کیا تھا اور اس کو علاقائی عدم استحکام کا باعث قرار دیا تھا۔ 299 انہوں نے ہندوستان میں مہاجروں کے رشتہ داروں کی طرف سے شدید دباؤ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان اس معاملے پر دوست اسلامی ملکوں سے بھی مذاکرات کا ارادہ رکھتا ہے۔

بہرحال پاکستان پر کشمیر اور پنجاب میں مداخلت کا ہندوستانی الزام زیادہ وزن رکھتا ہے بہ نسبت پاکستان کے سندھی سیاسی معاملات میں ہندوستانی مداخلت کے الزام کے۔ مثلاً پاکستان کے سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے سندھ میں ایک ہندوستانی کی باغیانہ سرگرمیوں کی تفصیلات مہیا کرنے سے گریز کیا300۔ دوسری جانب خود جی ایم سید نے اعتراف کیا کہ ہندوستان کے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے نہ صرف کسی قسم کی مدد کا وعدہ نہیں کیا بلکہ سندھ کی علیحدہ انفرادی شناخت کی حمایت پر بھی آمادہ نہیں ہوئے 301۔ کئی تجزیہ نگاروں نے ہندوستان کی سندھ سے متعلق اس حکمت عملی کو سراہا۔ غالباً سندھ میں ہندوستان پر مداخلت کی الزام تراشیوں کا سبب پاکستان کا وہ خوف ہے جو اس کو کشمیر اور پنجاب میں مداخلت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے302۔ دریں اثناء سندھ کے قوم پرست حلقے ہندوستانی امداد کی توقع سے بے تعلق ہو کر خود پاکستان میں دوسری پھیلی ہوئی قومیتوں کا تعاون حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کر رہے ہیں303۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سندھ میں علیحدگی پسندوں کی سرگرمیوں سے متعلق ہندوستان کی محتاط پالیسی کے باوجود تجزیہ نگاروں کو ہندوستان کی خفیہ سرگرمیوں کے امکانات سے باز نہیں رکھا جا سکا۔ لیکن یہ درست ہے کہ ہندوستان ہمیشہ سے اسلام آباد کے حکمرانوں کے لیے چابک بردار لڑکے کا کردار ادا کرتا رہا ہے' اس لیے یہ امر باعثِ حیرت نہیں کہ جب جنرل ضیاء نے بےنظیر پر انڈو۔رشین ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا تو بعد میں بےنظیر نے ہندوستان پر سندھ کے معاملے میں مداخلت کرنے کا الزام لگایا۔ کچھ حلقوں نے یہاں تک کہا کہ امریکہ نے "فرینڈس آف پاکستان" نامی تنظیم کے ذریعے پاکستان کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے: جس میں پختونستان' بلوچستان' پنجاب اور سندھ کی آزاد ریاستیں قائم ہوں304۔

5- موجودہ بندگلی:

ضیاء کے دور میں علیحدہ نسلی شناخت کا مسئلہ اپنے عروج پر تھا جو اب خاصا کمزور پڑ

چکا ہے۔ مئی 1988 میں قائم ہونے والے ایک اہم اتحاد "سندھ نیشنل الائنس" جس کو بھی سندھ کی تاریخ305 میں ایک سنگِ میل کہا جاتا تھا' کے ٹوٹنے سے یہ نمایاں پیش رفت سامنے آئی ہے۔ایک تبصرہ نگار کا کہنا ہے کہ:

> جئے سندھ کبھی بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ان افراد کے لیے ایک پڑاؤ کی حیثیت رکھتا تھا' جو جی ایم سید کی تحریروں سے متاثر ہو کر ان سے آ ملے تھے' لیکن تنظیم کے مستقبل کے لیے ان کے غیر واضح پروگرام کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتے تھے306۔

اب سندھی سیاستدانوں کے ایک بڑے طبقے نے پاکستان کے سیاسی نظریے کے تحت رہتے ہوئے اپنی شناخت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے' سندھیوں کے متوسط طبقے نے بھی قومی دھارے میں شامل ہونے کے لیے پی پی پی کو قبول کر لیا ہے307۔ایک سرکردہ مبصر کے الفاظ میں:

> ہر چند کہ ریاست کے خلاف ہر قسم کی دہشت گردی کے باوجود سندھیوں کی اکثریت یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آزاد سندھ ان کے مسائل کا حل ہے۔ ان خوابوں کے سوداگر متوسط طبقے کے وہ منتشر سندھی قوم پرست گروہ ہیں جنہوں نے سندھ کی ایک خاص سیاسی حیثیت کی وجہ سے اپنے استحقاق سے زیادہ سہولیات حاصل کر لی ہیں308۔

1986 میں جی ایم سید نے خود سندھ کی سیاست میں اپنی تنہائی کا اعتراف کر لیا تھا:

> جئے سندھ محاذ کے پیش نظر اختیارات کے بجائے ایک نظریاتی جدوجہد رہی ہے۔ محاذ کی کامیابی کے امکانات بہت معدوم ہیں کیونکہ 90% عوام اب پی پی پی کے ساتھ ہیں309۔

جب سندھیوں کی اکثریت کی نظروں میں بھٹو شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے تو جی ایم سید نے شکوہ کیا:

> یہ بیوقوف سندھی بھٹو کی پوجا کرتے ہیں جبکہ اس کو پنجابیوں نے اپنا کام نکال کر پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا...... میں نے ساری زندگی سندھ

کی خدمت کی ہے، مگر یہ لوگ بے حس ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں 310۔

جو کبھی جی ایم سید کی جئے سندھ تحریک ہوا کرتی تھی، وہ اب چار مختلف حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے:

(a) جئے سندھ تحریک...... جس کی قیادت گل محمد جاکھرانی اور بشیر خان قریشی کرر ہے ہیں جو جی ایم سید کے وفادار ہیں، مسلح جدوجہد میں یقین رکھتے ہیں اور خصوصاً اندرونِ سندھ سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

(b) جئے سندھ محاذ...... جس کی سربراہی سید غلام شاہ اور عبدالواحد آریسر کرر ہے ہیں۔ یہ سوشلسٹ تصورات کا حامل نسبتاً اعتدال پسند گروپ ہے اور سندھ کی آزادی کو اپنا مقصد سمجھتا ہے، لیکن مہاجروں سے محاذ آرائی کے خلاف ہے۔

(c) جئے سندھ ترقی پسند تحریک، کی قیادت قادر مگسی کے پاس ہے جو جی ایم سید پر سب سے زیادہ تنقید کرتے ہیں لیکن ان کو قوم پرستوں کی بہت زیادہ حمایت حاصل ہے۔ یہ مہاجروں کو سندھ کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہیں۔

(d) حمیدہ کھوڑو گروپ جس کو غالباً سندھی قوم پرستوں کے درمیان سب سے کم مقبولیت حاصل ہے 311۔

کچھ شاہدین سندھی قوم پرستوں کی موجودہ کمزوری کا باعث جی ایم سید کی انفرادی اور پیچیدہ سوچ اور متبادل معاشرتی و معاشی ڈھانچہ کی تشکیل میں انکار کو قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے جی ایم سید کے نظریات زمیندار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے تک محدود ہو گئے۔ ماضی کے سندھ کے ایک نمائندہ مبصر فیروز احمد کا کہنا ہے کہ جی ایم سید سندھی قوم پرستوں پر طبقاتی کردار کے نظریے سے دوسری قوموں کے استحصال کو اہمیت دیتے ہیں مگر سندھی ہاریوں پر خود سندھی زمینداروں کے روزمرہ کے مظالم کو نظر انداز کر دیتے ہیں 312۔ جئے سندھ ترقی پسند کے لیڈر قادر مگسی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جی ایم سید کے دانشورانہ نظریات سے کسی حد تک متاثر ہونے والے لوگ ہیں، مگر وہ افسوس کرتے ہیں کہ:

جی ایم سید پچھلے 22 سال سے سندھو دیش کی سیاست سے متعلق رہے

ہیں لیکن تعلیم یافتہ متوسط طبقہ' زیریں متوسط طبقہ کے سندھیوں اور عام آدمی کو تباہی و بربادی اور موت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ اس تمام عرصے میں سندھی جاگیردار اور وڈیرے سندھ کے حقوق گروی رکھتے رہے' اور سندھی عوام کی انا کے عوض اپنے لیے مواقع حاصل کرتے اور عیاشی کرتے رہے۔ سید کی تمام تر توجہ محلاتی سازشوں کی طرف مرکوز رہی جس سے ان کی سیاست بنیادی تقاضوں سے بالکل کٹ گئی 313۔

بائیں بازو کے سندھی قوم پرست لیڈر رسول بخش پلیجو نے سندھی قوم پرست تحریک میں کمزوری آ جانے کے کچھ مادی اسباب کی نشاندہی کی ہے جو پاکستان کی بنیادی نظریاتی سیاست سے متصادم ہیں۔ سندھی معاشرے کے ایسے تضادات جیسے سندھی مسلمانوں میں متوسط طبقے کی عدم موجودگی' ہاریوں اور وڈیروں کے مابین بڑے پیمانے پر امتیازات' جن کی وجہ سے وفاقی حکومت کو سندھیوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کا موقعہ مل گیا 314۔ تحقیقات کے ذریعے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ ضیاء کے دور میں اسلام آباد نے پیروں کے ذریعے سندھیوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ان پیروں کے پاس بڑی جائیدادیں اور زمینیں تھیں' مقامی طور پر یہ لوگ بڑے بااثر تھے اور سیاسی طور پر مسلم لیگ سے وابستہ تھے 315۔ موجودہ وقت میں رسول بخش پلیجو کی ماؤ نواز سندھ عوامی تحریک اور کمیونسٹ پارٹی آف سندھ متحدہ طور پر سندھی سیاست کو ایک نیا موڑ دینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ وہ سندھ کی نسلی اور لسانی عصبیت کے ساتھ جاگیرداری کے خلاف تحریک کے ایک مربوط پروگرام کے ذریعے اپنی دانست میں کوئی سیاسی دھماکہ کرنے جا رہے ہیں۔ انسانی حقوق کے تحفظ اور سندھی زبان و ثقافت کے لیے دو لانگ مارچ کر کے ان کو خاصی پذیرائی مل چکی ہے 316۔ مگر اس نوع کے سوشلسٹ گروپوں کو سندھ کی سیاست میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے' کیونکہ بہر حال سندھی قومیت کا مسئلہ پھر بھی موجود رہتا ہے۔ 317

حالیہ برسوں میں سندھی سیاست کو ایک اور پیچیدگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب بے نظیر بھٹو کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو نے پیپلز پارٹی (شہید بھٹو) قائم کر کے PPP کے امیدواروں کے مقابل 1993 کے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا۔ اس

کے بعد سے مرتضیٰ نے بے نظیر بھٹو کے پنجاب کے ساتھ روابط کے خلاف سندھ کے قوم پرست گروپوں سے بتدریج مضبوط تعلقات قائم کیے' جس کے نتیجے میں اس کو اندرونِ سندھ بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کے جواب میں بے نظیر بھٹو نے مرتضیٰ کے حامیوں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمے بنانے شروع کر دیے۔ 20 ستمبر 1996 کو بے نظیر بھٹو اور مرتضیٰ کی اس مخالفت کا کلائمکس اس وقت آیا جب مرتضیٰ بھٹو کو پولیس نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ لیکن بے نظیر بھٹو نے اس واردات کو اپنی حکومت کے خلاف بغاوت کا ایک حصہ قرار دیا۔ اس واقعے کی بدولت سندھ میں PPP کے سیاسی امیج کو سخت نقصان پہنچا۔ سندھیوں کے انہی باہمی اختلافات اور MQM کے کارکنوں کے ماورائے عدالت قتل کے حالات میں صدر فاروق لغاری نے PPP کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ 1997 کے آنے والے انتخابات میں پنجابی بنیادوں پر استوار مسلم لیگ نے اسلام آباد کے اقتدار پر بلاشرکتِ غیرے قبضہ کر لیا۔ سندھ میں یہ انتخابات نسلی امتیازات کی بنیاد بن گئے۔ PPP نے دیہی حلقوں میں اپنی کامیابی برقرار رکھی جبکہ MQM نے صوبے کے تمام مہاجر اکثریت والے علاقوں میں کامیابی حاصل کی۔ انتخابات کے فوراً بعد (PML(N کے لیڈر لیاقت جتوئی نے سندھ میں مختلف الخیال جماعتوں کے اتحاد سے ایک وزارت بنائی جس میں MQM، پی ایم ایل (فنکشنل) پیپلز پارٹی شہید بھٹو گروپ' نیشنل پیپلز پارٹی اور سندھ نیشنل پیپلز پارٹی شامل تھیں۔ یہ دور ایم کیو ایم کے حق میں تھا۔

جتوئی کی طرف تعاون کا ہاتھ دراز کرنے پر ایم کیو ایم نے ان کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا جس کے ذریعے (a) ایم کیو ایم کے تمام گرفتار شدگان کی رہائی اور کارکنوں' ہمدردوں اور لیڈروں پر قائم تمام مقدمات واپس لینے' (b) ایم کیو ایم کے متعین کردہ علاقوں سے مسلح دہشت گردوں کی صفائی' (c) ماورائے عدالت ہلاکتوں کی تحقیقات کے لیے قانونی کمیشن قائم کرنا' (d) حکومت اور ایم کیو ایم کے لیڈروں کی تیار کردہ لسٹ کے مطابق ماورائے عدالت ہلاکتوں کے متاثرین کے لیے مالی امداد' (e) گذشتہ پی پی پی کی حکومت کے اقدامات ضلع ملیر کا قیام اور لیاری ڈیولپمنٹ اتھارٹی کو کالعدم قرار دینا جو ایم کیو ایم کے نزدیک مہاجروں کی شہری آبادی کے لیے بہت ضروری ہے۔ (f) شہری علاقوں کے لیے وفاقی حکومت کے مقررہ ملازمتوں کے کوٹہ میں اضافہ کر کے 7.5% سے بڑھا کر 11.5% کرنا' (g) بنگلہ دیش میں

پھنسے ہوئے پاکستانیوں کو وطن واپس لانا' (h) ایم کیو ایم کے نامزد کردہ ممبروں کو سندھ کا گورنر' صوبائی اسمبلی کا اسپیکر اور صوبائی کابینہ میں آٹھ وزیر لینے کے مطالبات رکھے 318۔ سندھ میں ایم کیو ایم مسلم لیگ کی وزارتوں نے حتی الامکان بے نظیر بھٹو کے دور میں پیدا شدہ سندھیوں کی بے چینی اور بے اطمینانی میں کمی کرنے کی کوشش کی۔ پیش ہے ایک مصدقہ تبصرہ:

سندھیوں کو ایک بار پھر اپنے صوبے میں آواز اٹھانے کا موقعہ میسر آ گیا
لیکن مرکز میں بالکل نہیں 319۔

نواز شریف کے پورے دور میں یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔

البتہ مہاجر سندھی تعلقات میں کچھ بہتری کے امکانات بھی دیکھنے میں آئے۔ مہاجروں کو پنجابی' پٹھانوں کی جانب سے معاشی مسابقت کے ذریعے امید تھی جو بالآخر سندھیوں کی نفرت میں کمی کا باعث بننے کے امکانات رکھتی تھی 320۔ 1951 میں کراچی کی آبادی 80% مہاجروں پر مشتمل تھی اور 1981 کی مردم شماری کے مطابق یہاں مہاجر 54.3% پنجابی 13.6% اور پختون 8.7% تھے۔ 1980 کے آخر میں کراچی میں ایرانی' سری لنکن' اور بنگلہ دیش کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی 321۔ دسمبر 1986 اور جنوری 1987 کے درمیانی عرصے میں مہاجر پٹھان ٹکراؤ میں مہاجر سندھی ٹکراؤ کے مقابلے میں نسبتاً زیادتی رہی 322۔ فروری 1998 میں ایک مہاجر لڑکے اور پٹھان لڑکی کی شادی کے بعد دونوں طبقات کے مابین مضبوط رشتے قائم کرنے میں مدد ملی 323۔

ایم کیو ایم کی نسلی سیاست کے رجحان میں بھی نمایاں تبدیلی محسوس ہونا شروع ہوگئی۔ اب اس کا زور عموماً معاشرتی طبقات میں یکجائی پر ہوگیا 324۔ اس کے پیچھے غالباً یہ سوچ کام کر رہی تھی کہ محض نسل پرستی کی سیاست تنظیم کو صرف شہری علاقوں تک محدود نہ کر دے۔ 1991 میں ایم کیو ایم کے مختلف شعبوں نے تمام نسل پرست گروہوں کے درمیان چمپئن کی حیثیت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایم کیو ایم نے اس فیصلے کے بعد اپنا نام تبدیل کر کے متحدہ قومی موومنٹ رکھا اور اعلان کیا کہ نظریاتی سیاست کے طفیل آبادی کے 2% مراعات یافتہ طبقے کے مقابلے میں ملکی آبادی کے 98% عوام کے مفادات کو ترجیح دی جائے گی 325۔ اس طرح ایم کیو ایم کے دائرۂ سیاست نے وسعت اختیار کر لی اور سندھی نسل پرستوں کی طرف

سے پسماندہ عوام کے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں مفاہمت کے خاصے امکانات پیدا ہو گئے۔ ایم کیو ایم کی اندرونی صفوں میں اسلامی بنیاد پرستی کے رجحان میں بھی خاص طور سے تخفیف محسوس ہونا شروع ہو گئی۔

اس کے علاوہ سندھی قوم پرستوں کی طرح ایم کیو ایم بھی اندرونی طور پر تقسیم ہونے سے نہ بچ سکی۔ الطاف حسین کا گروپ ایم کیو ایم حقیقی کے ساتھ باقاعدہ نبرد آزما ہو گیا326۔ ایک واقفِ حال کے الفاظ ہیں:

> اپنی نئی شناخت مستحکم کرنے کی کوشش میں ایم کیو ایم بے یقینی میں مبتلا ایک مختصر ہوتی ہوئی منتشر تنظیم رہ گئی327۔

1997 کے ابتدائی چھ مہینوں میں مہاجروں کے آپس کے تصادم میں 400 افراد ہلاک ہوئے328۔ مارچ 1998 کے صرف دو دنوں میں 21 افراد ہلاک ہوئے329۔ مئی کے تین ہفتوں اور جون 1998 کے آخر تک ایم کیو ایم کے آپس کے ٹکراؤ میں 180 افراد ہلاک ہوئے330۔ ایک اخباری نمائندے نے اس وقت کی منظر کشی کی:

> علاقے میں رہنے والوں نے اسے محاذ جنگ کا نام دے دیا' دونوں طرف کے مسلح جتھے تنگ گلیوں میں اپنے ہدف منتخب کرتے اور ان کو ہلاک کر دیتے۔ دونوں طرف کے کارکنوں کو ان کے گھروں سے کھینچ کر باہر لایا جاتا اور قتل کر دیا جاتا331۔

اس نئی صورت حال کے سبب پورا علاقہ محاصرہ میں آ گیا۔332 دہشت گردی کے ایسے ہی ایک موقعہ کی بروقت رپورٹ:

> قرب و جوار کی آبادیاں جیسے اورنگی' کورنگی' ملیر' لانڈھی' شاہ فیصل کالونی اور لیاقت آباد واضح طور پر میدانِ جنگ ہیں کیونکہ دونوں طرف کے متحارب گروپ آزادانہ اسلحہ کی نمائش کے ذریعے مکمل طور پر جنگ کے کھیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کراچی کے شہری جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ نہ کسی خاندانی انتقام کے مناظر ہیں نہ کسی کی غلط کاریوں کا انجام' اب تو یہ صرف نمبروں کا کھیل بن کر رہ گیا ہے' دونوں گروپ لاشوں کے

گنتی کا مقابلہ کرر ہے ہیں۔ بیحد دہشت ناک وہ اَنا ہے جواس قاتل کو
لاشوں کی تفاصیل حاصل کرنے سے ہوتی ہے جن کو وہ قتل کر کے
آیا ہے333۔

حال ہی میں ایک بار پھر کراچی میں شیعہ سنی فسادات نے اس کے ٹکڑے کر دیے ہیں' جس کے نتیجے میں صوبائی حکومت کو ایمرجنسی نافذ کرنی پڑی ہے334۔

ایسے حالات میں سندھی مہاجر اختلافات دور کرنے کے لیے پرامن اقدامات کرنا وقت کی اولین ضرورت ہے۔ایس سلطان انور تعلیم یافتہ سندھیوں میں یہ رجحان نمودار ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں جب وہ کہتے ہیں:

مہاجروں کو ایسی کسی مہاجر پارٹی میں تبدیل نہیں ہو جانا چاہئے جیسے
اسلام آباد کے حاکم پنجابی طبقے کی کوئی شاخ ہو۔اس کے برعکس ان
کے لیے بہترین طرزِ عمل یہ ہوگا کہ وہ پی پی پی جیسی آزاد خیال جمہوری
پارٹی میں شامل ہو کے سیاسی دھارے میں شامل ہو جائیں335۔

بالکل اسی لہجے میں جیے سندھ ترقی پسند پارٹی کے قادر مگسی بات کرتے ہیں:

مہاجروں کو چاہئے کہ وہ سندھیوں کے قومی حقوق کی جدوجہد میں ان
کے ساتھ شامل ہو جائیں۔انہیں خود کو مہاجر کہلوانا ترک کر کے اس
حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ ان کو یہیں جینا اور مرنا ہے تاکہ وہ خود کو
سندھیوں میں ضم کر سکیں336۔

سندھی اور مہاجر دونوں کی صفوں میں اب یہ بیداری پیدا ہو رہی ہے کہ دونوں کی آپس کی محاذ آرائیوں میں نجات کا کوئی پہلو مضمر نہیں ہے337۔اس کے بجائے اب ان میں یہ شعور بیدار ہو رہا ہے کہ ان کو اپنی توجہ سندھ سے ہٹا کر قومی معاملات پر مرتکز کر دینی چاہئے338۔لہٰذا یہ بات خاصی اہمیت رکھتی ہے کہ اکتوبر 1998 میں سندھی' پختون' بلوچ اور سرائیکیوں نے اسلام آباد میں قوم پرستوں کی دو روزہ کانفرنس میں " پاکستان پسماندہ قوموں کی تحریک " نامی ایک تنظیم کی بنیاد اس نظریے کے ساتھ رکھی گئی کہ پاکستان میں ایک ایسی متفقہ قومی پالیسی نافذ کی جائے جس کے ذریعے تمام لسانی اکائیوں کو وہ تمام بنیادی حقوق حاصل

ہوں جو فی الوقت صرف پنجابیوں کو حاصل ہیں 339۔

بہر صورت سندھ میں نسلی اختلافات کو معمول پر لانے کی کسی بھی کوشش کو مسلح افواج، خفیہ ایجنسیوں اور بیوروکریسی کی طرف سے کبھی پذیرائی حاصل نہیں ہو سکے گی، جنہوں نے اتفاق رائے سے تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔ نمایاں تجارتی مفادات کے حصول کی شعوری کوششوں کو بھی سندھ کے مستقل باشندوں کے مابین اختلافات رکھنے میں ترجیحی حیثیت حاصل ہے 340۔ سندھ کے ایک دانشور کے پاس اس کی شکایت کرنے کے لیے معقول استدلال موجود ہے:

> قیامِ پاکستان کے وقت سے ہی مختلف طبقات کے مفاداتِ پیوستہ نے عوام کا آپس کا اتحاد توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ کراچی یا حیدرآباد میں جب بھی کوئی ناخوشگوار صورت حال پیدا ہوتی ہے، دوسرے صوبوں کے سیاستدان یہاں دوڑے آتے ہیں اور صورتحال کی بہتری کی کوئی کوشش کرنے کے بجائے یہ لوگ جلتی پر تیل ڈال کر اپنے مذموم مفادات کے حصول کی کوششیں کرتے ہیں 341۔

6- سندھی نسل پرستی اور پاکستانی قومیت:

پاکستانی تاریخ کی بدقسمتی اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ جس صوبے کو سب سے پہلے نظریۂ پاکستان کو تسلیم کرنا تھا، وہاں ابتدا سے ہی علیحدگی پسندی کے رجحانات کو فروغ حاصل ہوا۔ 1980 کے وسط تک 15,000 افراد سندھی مہاجر اختلاف کی نذر ہو چکے تھے۔ صرف 1995 کے دوران 2000 افراد آپس کے جھگڑوں میں زخمی ہوئے 342۔ ہندوستان میں بھی برطانوی راج کے بعد نسلی تعصبات کی بنیاد پر فسادات ہوئے ہیں لیکن حمزہ علوی جیسے محققین جنوبی ایشیاء کی دوریاستوں میں رونما ہونے والے ان واقعات میں نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں 343۔

> پاکستان میں نسلی سیاست کا رنگ ذیلی قومیت کی طلب تک ہے، جو ان لوگوں کے خلاف ہے جن کو غیر مراعات یافتہ گروہ پنجابیت پر مبنی مرکزی

> حکومت کہتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ اختلافات مقامی نوعیت کے ہیں کیونکہ یہاں کسی ایک نسلی گروہ کے پاس مکمل اختیارات نہیں ہیں۔ مگر بعض اوقات ہندوستان میں نسلی امتیازات کے نعرے دہلی مخالفت کا تاثر دے جاتے ہیں کیونکہ ان کی بنیاد مرکز اور صوبوں کے مابین تعلقات کا ازسرِنو جائزہ لینے کے نعرے پر ہوتی ہے 344۔

امید ہے کہ درج بالا بحث کے ذریعے یہ بات سامنے آ گئی ہو گی کہ سندھ کے مسئلے کا حل پاکستان کی مرکزی قومی پالیسی کے تحت رہتے ہوئے سندھی قومیت کا تعین کرنے اور مہاجروں کے عدم تحفظ کا احساس دور کرنے میں پوشیدہ ہے۔ اس کے لیے ایک مضبوط جمہوری نظام اولین اہمیت کا حامل ہے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کو بار بار فوجی آمریت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں انتشار بڑھتا گیا اور جمہوری قوتوں میں کمزوری جڑ پکڑتی گئی 345۔ جیسا کہ حالات نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ موروثی حقِ حکمرانی کی بنیادوں پر استوار ہے، مگر اس نظام کو رواں دواں رکھنے کے لیے یہاں کے سربراہان اہم رول ادا کرتے ہیں 346۔ ہندوستانی مسلمانوں کی اپنے نئے گھر کی طرف روانگی کے موقعہ پر پاکستان میں قومی تشخص کے تعین میں پیش آنے والی مشکلات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قوم پرست مسلمان مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ تم کسی ایسے پاکستان کی طرف نہیں جا رہے ہو جو سندھ، پنجاب، بلوچستان، سرحد یا مشرقی بنگال سے مختلف کوئی علاقہ ہے، وہاں سب لوگوں کی اپنی ثقافت، زبان، ادبیات، روایتیں اور ان کا اپنا طرزِ زندگی ہے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہے، اگر آج سے 25 سال بعد بھی ان کے درمیان مقامی قوم پرستی کا ہلاکت خیز شعلہ بھڑک اٹھا، اس وقت تمھارا کیا بنے گا اور تم کہاں جاؤ گے؟ 347۔

درحقیقت پاکستان کی قومی جمہوری پالیسی بنانے میں ناکامی کا سارا ذمہ خود پاکستان مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان پر ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کا حلقہ تمام تر مقامی رابطوں سے

منسلک اوراحتجاجی سیاست کے محدوددائرہ اثر میں تھا' جب کہ مسلم لیگ کا وسیع تر دائرہ اثر ایک متحدہ مرکز کے تصور سے محروم تھااور ہر جگہ کے مقامی سیاسی انتظام اور ایک علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کے نعرے کو مستحکم بنیادوں پر زندہ رکھنے کے لیے وہیں کے لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ یہی ہوا کہ مسلم لیگ کو موجودہ پاکستان میں مطلوبہ پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی۔ دریں حالات' پاکستان کا سیاسی نظام' مطلوبہ حمایت کی غیر موجودگی میں' اپنی بقا کے لیے فوج اور بیوروکریسی کے رحم وکرم پر انحصار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پاکستان میں فوج کے پاس سیاسی ویٹو کے اختیارات ہیں یہاں تک کہ جب ملک میں سیاسی دورِ حکومت ہی کیوں نہ ہو۔ 348۔ پاکستان میں قائم ہو جانے والے خودکار اور جدید سرمایہ دارانہ نظام نے باہمی مفادات کی وجہ سے آپس کے رابطوں کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے جس میں لسانیت' مذہب' ذات پات' رشتہ داری یا علاقائی نسبت کسی طرح بھی حائل نہیں۔ اس پر حمزہ علوی کا تبصرہ بڑا برمحل لگتا ہے:

> تحریکِ پاکستان کی تاریخ میں ایسی گہرائی نہیں ہے جس کو خالص قومی یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جا سکے۔ یہ بڑے پیمانے پر قومی اتحاد قائم کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتی کیونکہ یہ ایک نامعتبر اور منتشر سیاسی جماعت کی قسمت سے بندھی ہے۔ اس حقیقت کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان ہندوستان کے مسلمان اکثریت کے ان علاقوں میں سب سے زیادہ غیر موثر تھی جو آج پاکستان کا حصہ ہیں 349۔

اس کے علاوہ بھی ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان میں جدید ترقیات کا پروگرام مرکزی اور بڑی آبادی والے صوبے سے شروع کیا گیا 350۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں اسلام کو اس کے استحکام کے لیے استعمال کیا گیا 351۔ مگر ایک کثیر قومی معاشرہ اور عدم مساوات کے ہوتے ہوئے مرکزیت کے اس تصور کے ساتھ آبادی کے مختلف طبقات کی کثرت میں اقتدار اعلیٰ کے نزدیک وہ خوبی موجود نہیں تھی جو ان کو ایک قوم بننے کے نظریے پر متحد کر سکے 352۔ سندھی قوم پرستوں کی حقیقی تکالیف کو تسلیم کرنے کے بجائے اسلام آباد نے سندھی شناخت کے لیے منفی طرزِ عمل اختیار کیا...... ایک ایسا طرزِ عمل جس کا اظہار مشرقی پاکستان کے گورنر جنرل ٹکا خان نے کیا:

ہم مشرقی بنگال میں اس لیے ناکام ہوئے کہ وہ ہم سے بہت فاصلے پر واقع تھا' وہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی اور اس کو ہندوستان کی مدد حاصل تھی۔ اگر سندھو دیش کا فتنہ سر اٹھاتا ہے تو ہم اس کو آسانی سے کچل سکتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے ہاتھ کے نیچے ہے' یہاں کی آبادی اتنی نہیں ہے' اور یہاں کسی بیرونی طاقت کی مداخلت کے بھی امکانات نہیں ہیں۔ اس وقت ہم جشنِ فتح کے موقعہ پر یہاں پلنے والے سندھی پیروں اور زمینداروں کی قربانی دیں گے 353۔

یہاں اینڈرسن کے قول کے مطابق سرکاری قوم پرستی کی ایک نادر مثال عملاً اپنا وجود ثابت کرتی ہے جس میں قوم پرستی نچلی سطح سے اوپر کی طرف سفر نہیں کرتی بلکہ بالائی سطح سے ذیلی قومیتوں پر نافذ کر کے بہترین ثمرات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے 354۔ جب پاکستان کو متضاد قومیتوں کا حامل ملک تسلیم کرنے کی ضرورت تھی اس وقت ملک کی مرکزی اشرافیہ نے وائسرائیانہ نظام نافذ کر دیا جو ملک کے سماجی ڈھانچہ کو سیاسی اور معاشی طبقات کے مفادات سے مربوط نہ کر سکنے کی بنا پر ناکام ہو گیا 355۔ سندھ کے مسائل کی پیچیدگی اسی عمل کا منطقی نتیجہ ہے۔ ایک سندھی تجزیہ نگار کا کہنا ہے:

ان لوگوں کے مطابق جو بذاتِ خود حکمران طبقے سے تعلق رکھتے ہیں' پاکستان میں قومی یک جہتی کے مسائل خود ملک کے قیام کے فلسفے میں موجود ہیں۔ نظریۂ پاکستان اور فلسفۂ پاکستان خود حقائق کی نفی کرتے ہیں' یعنی ان قوموں کے وجود کی نفی جن پر پاکستان کی تشکیل کا انحصار تھا۔ قیامِ پاکستان کے لیے وضع کی گئی پالیسیوں اور اقدامات نے بنیادی طور پر قومی یک جہتی کے مقصد کو نقصان پہنچایا ہے 356۔

فروری 1992 میں *The Herald* کے ایک مبصر نے جو کچھ کہا وہ ایک حقیقت کے سوا کچھ اور نہیں تھا:

اگر سندھو دیش کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں بھی ہو سکا تب بھی...... جو حالات اس تحریک کا سبب بنے وہ اس مقصد کے لیے نئے جوان تیار

کرتے رہیں گے۔ جو کچھ ان سب کے باہمی اتحاد کی بنیاد ہے وہ مستقبل میں عدم تحفظ کا شدید احساس اور خود سندھی قوم کی اپنی بقا کا خوف ہے۔

گو کہ آج سندھی قوم پرست بری طرح منقسم ہیں لیکن ان کو اپنے تاریخی قومی حقوق سے محرومی کا احساس بہرحال ہے۔ اس بات کا اظہار دسمبر 1996 میں "پاکستان انڈیا پیپلز فورم برائے امن اور جمہوریت" کی کلکتہ میٹنگ کے موقعہ پر جمعیت العلماء سندھ کے امیر مولانا عبیداللہ بھٹو نے کیا:

> ہماری تنظیم کے آئین میں واضح طور پر درج کیا گیا ہے کہ ہمارے لیے سندھ ایک علیحدہ وطن ہے' اور سندھ میں یہی ہماری سیاسی جدوجہد کا ہدف ہے جس کی طرف ہمارا سفر جاری ہے' سندھ میں قوم پرستوں کا ایک اتحاد ہے جو سب مل کر سندھ کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ہمارا بھی ان سے اتحاد ہے' جیے سندھ متحدہ محاذ' جیے سندھ محاذ' جیے سندھ ترقی پسند پارٹی' سندھ ساگر پارٹی' جمعیت علماء سندھ' مزدور کسان پارٹی' اور پاکستان ترقی قومی موومنٹ جو پنجاب کے کئی سرحدی علاقوں کے لیے مکمل خوداختیاری کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمارے اتحاد کا نام متحدہ قومی اتحاد ہے جس کے سربراہ ممتاز بھٹو ہیں جو سندھ کے سابق وزیراعلیٰ ہیں 357۔

سندھیوں کے کانوں میں ایک سندھی دانشور کا یہ اعلان ابھی گونج رہا ہے:

> اس قوم کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے ایک ایماندارانہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اس میں نہ کوئی داستان گوئی' نہ کوئی مفروضہ اور کوئی خوش فہمی' نہ کوئی نعرے بازی' نہ کوئی مذہب پرستی نہ کوئی تقریر و خطابت' نہ کوئی الفاظ کا جادو اور نہ ہی کوئی نظریات نہ صرف یہ کہ ناقابلِ قبول ہیں بلکہ ناکارہ ہو چکے ہیں 358۔

انہی احساسات کی گونج ایک معتبر پاکستانی محقق کے خیالات میں بھی ملتی ہے۔ ان

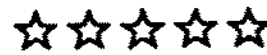
کے خیال میں پاکستان کے نسلی مسائل کا حل قومی پالیسی کی تعمیرِ نو میں مضمر ہے جس میں علاقائی معیشت اور داخلی انتظامی معاملات میں خودمختاری ناگزیر ہے 359۔

کچھ مغربی اور برصغیر کے محققین 360 نے نسل پرستی اور مرکزیت کے مابین کسی سمجھوتے پر منفی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ستمبر 1997 میں The News کے زیر اہتمام ایک رائے شماری کے ذریعے لاقانونیت کے خاتمے اور خود پاکستان کی سلامتی کے بارے میں پاکستانی عوام نے اپنے دلوں میں پھیلی مایوسی کا اظہار کیا' 361۔ ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے بعد کی معاشی بدحالی کے دور میں وزیر اعظم نواز شریف کی پنجابی مرکزیت کی پالیسی کے نتیجے میں نسل پرست لسانی گروپوں میں اپنی توہین کا احساس شدت اختیار کر گیا 362۔ 11 جون 1998 کو سندھ' بلوچستان اور صوبہ سرحد کی مخالفت کی بنا پر چار سال سے فائلوں میں بند کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے بارے غیر متوقع اعلان نے پنجاب میں نواز شریف کی سیاسی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ کیا لیکن سندھ اور صوبہ سرحد کو اسلام آباد کے خلاف کر دیا 363۔ وفاقی حکومت کی طرف سے چھوٹے صوبوں کو ٹیکس جمع کرنے سے روکنا بھی قومی پالیسیوں سے اختلاف کا باعث بن گیا۔ حیرت انگیز طور پر موجودہ پنجابی لیڈرشپ نے ایٹمی دھماکوں اور دھماکوں کے بعد ترجیحی بنیادوں پر کوئی قومی پروگرام ترتیب دینے میں بھی چھوٹے صوبوں کو نظر انداز کیا۔ نواز شریف کو یہ خوش فہمی تھی کہ جب پنجاب کو پاکستان کی تمام ضروریات کا علم ہے تو باقی صوبوں کو بھی اس بات کو حقیقت تسلیم کر لینا چاہئے 364۔ اس آمرانہ طرزِ عمل نے سندھ میں خاصے احتجاج کو جنم دیا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ سندھ میں یہ آگ ایم کیو ایم اور پی پی پی نے مشترکہ طور پر لگائی۔ نواز شریف حکومت نے بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن کیا اور ہزاروں کی تعداد میں سیاسی کارکن گرفتار کیے گئے 365۔ اس قسم کے سیاسی رجحانات پاکستان میں نسلی تفرقہ بازی کو نئے سرے سے زندہ کر دیتے ہیں۔

اس کے باوجود' کشمیر کی طرح سے سندھ کے معاملے میں بھی امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آتی ہے 366۔ اندرونی طور پر آپس کے تصادم نے قوم پرستی اور لسانی تعصبات کے نظریات کی بنیاد پر بہت سی نئی تنظیموں کے قیام میں مدد دی ہے' لیکن سندھی اور مہاجر نوجوانوں میں اب ایسی سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ ان کو لسانی یا نسلی فسادات میں ملوث ہونے کے

بجائے قومی معیشت میں اپنا کردار ادا کرنے میں دلچسپی لینی چاہیے 367۔ پاکستان نواز منڈیوں کے بڑھتے ہوئے حلقے میں انتخابی فوائد حاصل کرنے کے لیے نسلی اور علاقائی تعصبات سے بالاتر، مذہبی بنیاد پرستوں کی سیاسی اداروں میں نمائندگی کی اہمیت میں نمایاں کمی، آزاد پریس کی کھلی تنقیدی نشستیں، انسانی حقوق کے چوکنے گروپ، خواتین کی تحریکیں، مقننہ اور عدلیہ کی طرف سے اپنی مروجہ روایات کی توڑ پھوڑ، ان سب نے ایک مبصر کے خیال میں قومی اور صوبائی سیاست کو ایک بند گلی میں لا کھڑا کیا ہے جہاں آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے 368۔

بدقسمتی سے پاکستان 12 اکتوبر 1999 کو ایک بار پھر فوجی آمریت کے شکنجے میں آ گیا۔ اب پاکستان میں سول سوسائٹی کے قیام کے بہتر امکانات دکھائی دیتے ہیں، جو ملک میں موجود چار بڑی قومیتوں کے آپس کے تعاون میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ صرف یہی ابتدا پاکستانی قومیت کی تعمیر کے عمل میں سود مند ہو سکتی ہے۔



حوالہ جات

1. S. G. Mustafa Shah, 'Sindh : The Causes of Present Discontent, Sindhi Leadership, Its Hopes and Hazard's, *Sindh Quarterly*, Vol.XII, No. 1. 1984.
2. *Newsline*, October 1991, p.9.
3. S. S. Harrison, 'In Afghanistan's Shadow : Baluch Nationalism and Soviet Temptations' (Washington DC : Carnegie Endowment for International Peace) cited in A. A. Kazi, 'Ethnic Nationalism and Super-Powers in South Asia : Sindhis and Baluchis', *Journal of Asian and African Affairs*, Vol.1, July 1989.
4. B. Ali, 'The National Question in Pakistan', *Economic and Political Weekly* (hereafter *EPW*) Vol. 21. No.43 and 'Sindh and Struggle for Liberation', *EPW* Vol.22, No.10; S. Harrison, 'Ethnicity and Political Stalemate in Pakistan' in A. Banuazzui et.al. eds. The State, Religion, and Ethnic Politics (Lahore : 1987); S. A. Zaidi, *Regional Imbalances and the National Question in Pakistan* (London : 1992).
5. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems of National Integration' in M. A. Khan ed. *Islam, Politics and the State : The Pakistan Experience* (London : 1985).
6. While the Mughal rule in Sindh was constantly challenged by sporadic revolts, the Mughal governors here were no more than farmers-general of revenue. According to one estimate at least forty Sindhi clans continuously revolted against Akbar's satraps. Later Mughal rulers had to recognise the sovereignty of Sindh. See S.J. Burki, *Pakistan : The Continuing Search for Nationhood* (Boulder : 1991).
7. F. Ahmad, 'Pakistan's Problems'.
8. *Ibid.*
9. In fact, the Hur rebellion posed so serious a challenge to the Raj that it imposed marital law in 1942 which was lifted only a few months before the Transfer of Power
10. The five provinces were Punjab, Sindh, North West Frontier Province, Baluchistan and East Bengal.
11. Other deprived ethnic groups in Pakistan like the Baluchs, Pukhtuns and eastern Bengalis were also involved in ethnic politics But while the Bengalis developed themselves into a sovereign state in 1971, the Baluch and Pakhtun ethnic assertions expressed themselves in the from of sporadic revolts. On the other hand, Sindhi ethnicity has assumed a relatively long-drawn organised from.
12. One out of every ten in Pakistan is a regfugee from India. Total population of Pakistan is about 120 million, out of which more than 20 million migraated from India. See M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan* (Delhi : 1996).
13. H. Alavi, 'Nationhood and Communal Violence in Pakistan', *Journal of Contemporary Asia*, Vol.21, No.2, 1991, p.165.
14. Cited in T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan* (Karachi : 1996), p.111.
15. *Census of Pakistan*, Karachi, 1951, Vol.6. See the Statement 3-R, p.36.
16. *Census of Pakistan*, Karachi, 1951, vol.1, Statement 5-C, p.87. Of course, not all who came to Karachi were Urdu speakers. Among non-Urdu speakers were Memons, Gujratis, Bohras and Kathiawaris. But they developed an identity of interests with Urdu speakers.

See S. A. Zaidi, 'Sindhi Vs Muhajir : Contradiction, Conflict, Compromise' in S.A. Zaidi ed. *Regional Imbalances*. As a result of this migration the religious composition of population in Sindh also changed overnight. While in 1941 Muslims constituted 42% of total population, its share rose to 96.1% in 1951. On the other hand, the proportion of caste Hindus and Scheduled Castes declined from a little above 50% in 1941 to 1.0% in 1951. See *Census of Pakistan* 1951, Chapter 5, Statement 5-B.

17. 1981 Census Report of Karachi Division (Islamabad : 1984), p.10. Also see B. Ali, 'Political Forces in Sind' in S.A. Zaidi ed. *Regional Imbalances*. Also see A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : ethno-politics and contending elites* (Geneva : 1993), p.7. In 1991 the Census operations were postponed following attempts by Sindhis and Muhajirs to inflate their respective numbers.
18. G.M. Mehkri, 'Random thoughts on Sindh : Some Painful and Ominous Realities Sindh and the Immigrants From India', *Sindh Quarterly*, Vol.XVI, No,1, 1988, p.15.
19. In Islamic terminology Muhajir implies migration in the cause of Islam. The term is derived from the Arabic word Hijra used to describe the flight of prophet Muhammad and his folowers from Mecca and Medina to avoid persecution by enemies of Islam. Interestingly, children of refugees born in Sindh after 1947 also call themselves Muhajireen, refusing to identify themselves with Sindhis. See I. H. Malik, 'The Politics of Ethnic Sindh : Nation, Region and Community in Pakistan' in S. Mitra and R. A. Lewis eds. *Subnational Movements in Asia* (Bouldes : 1996).
20. M. Waseem, 'Ethnic Conflict in Pakistan : Case of MQM', p.1, (paper presented at the conference on, Communalism and Migration : South Asians in Diaspora, University of Edinburgh, June 1997).
21. F. Ahmad, 'Ethnicity and Politics : The Rise of Muhajir Separatism', *South Asia Bulletin*, Vol.8 Nos.1 & 2 (1988).
22. F. Ahmed, *Ethnicity and Politics In Pakistan* (Lahore : 1998), pp.96-98.
23. *Ibid.*
24. According to a 1959 study of the Pakistan Institute for Development Economics "the social condition measured by the unemployment rate, percentage of children attending school, houses built with proper material and equipped with electricity, running water, toilet and bathroom, were marginally better than those of the immigrants from the North and substantially better then those of the local people", *ibid.*, p.105.
25. *Ibid.*, p.99.
26. Hamza Alavi contends that in this way political loyalties in Pakistan were externalised in the name of religion. See H. Alavi, 'Nationhood and communal violence in Pakistan', EPW, 24,27,1989'.
27. The Muhajirs dominated the All India Muslim League in British India.
28. A. T. Tahir, Political Dynamics of Sindh 1947-1971' (unpublished M.Phil thesis, Pakistan Study Centre, University of Karachi, 1990) cited in S. A. Zaidi 'Sindhi Vs Muhajir.
29. E. Ahmed, 'Behind the Crisis in Sindh', *The Friday Times 19-25 July 1990.*
30. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Society and Sindh Tomorrow : The Resurgence and the Revolt of The Indigenous in Pakistan', *Sindh Quarterly*, Vol.XV, No.4, 1987.
31. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems' : Ethnicity and Politics in Pakistan (Karachi : 1998)
32. I. H. Malik, 'The Politics of Ethnic Sindh'.
33. Interview with Hafeez Pirzada 16 April 1989, cited in K. R. Khory, 'Separatism In South Asia : 'The Politics Of Ethnic Conflict and Regional Security' ph. D. thesis, University of Illinois at Urban—Champaign, 1991.
34. *The Dawn* 14 December 1989; S. Kardar, 'Polarisation in the Regions : The Roots of Discontent' cited in A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics* In none of the cities in Sindh the Sindhis have a clear majority.

35. M. Ispahani, 'Pakistan : Dimensions of Insecurity', Adelphi Papers No.246, Winter 1989/90.
36. See the interview of G.M. Syed in *Pakistan Times* 5 June 1986.
37. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems', p.235.
38. 40% of Muhajirs were clerks and sales workers, 16.8% were service workers and 21% were skilled operatives. See F. Ahmad, 'Ethnicity and Politics' While the literacy rate for Mahajirs was 23.4%, the figure for Sindh as a whle was 13.2%. See T. Rahman, 'Language and Politics in Pakistan' p.112. For Sindhi backwardness compared to the Muhajirs also see F. Ahmed, 'Agranan Change and Class Formation in Sindh', *EPW*, Vol.19, No.39, M. H. Khan, *Underdevelopment and Agrarian Structure in Pakistan* (Boulder : 1981); C. H. Kennedy, 'The Politics of Ethnicity in Sindh' *Asian Survey*, Vol XXXI, No. 10, October 1991; T. P. Wright, Jr., 'Indian Muslim Refugees in the Politics of Pakistan', *Journal of Commonwealth and Comparative Politics*, July 1974 and 'Centre-Penphey Relations and Ethnic Conflict in Pakistan Sindhis, Muhajirs, Punjabis', *Comparative Politics*, April 1991.
39. S. A. Zaidi, 'Sindhi vs Muhajir'; K. B, Sayeed, *Politics in Pakistan : The Nature and Direction of Change* (Praeger : 1980).
40. S. Mahmood, *Sindh Report* (Lahore : 1989), p.15.
41. Even before the establishment of Pakistan Jinnah had visualised economic development of the 'Muslim homeland' along capitalist lines with the help of 'entrepreneurial class' migrating from India. See K. B. Sayeed, *Politics In Pakistan*.
42. M. Waseem, *Politics and the State in Pakistan* (Islamabad : 1994); C. Kennedy, 'Managing Ethic Conflict : The Case of Pakistan', *Regional Politics and Policy*, Vol.3, No.1. Spring 1993.
43. H. Alavi, 'Class and State in Pakistan' in H. Gandezi. et al. eds. *Pakistan : The Roots of Dictatorship* : the political economy of a practosian state (Delhi : 1980) also see his 'Nationhood and Nationalities in Pakistan, *EPW*, 24,27 1989.
44. See S.J. Burki, 'Twenty Years of the Civil Service of Pakistan : A Reevaluation', *Asian Survery*, Vol.9, No.4, April 1969; B. Hashmi, 'Dragon Seed : Military in the State' in H. Gandezi et-al eds., *Pakistan : The Roots of Dictatorship*.
45. Fourth Triennial Census of Central Government Employees of Pakistan (Islamabad : 1973).
46. C. Kennedy, 'The Politics of Ethnicity in Sindh', *Asian Survey*, Vol. XXXI No.10 Oct. 1991
47. *Ibid*. In 1968 there was not a single Sindhi general in the military. Alsosee S. Ahmed, 'Centralisation, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic Relations'in Pakistanin' M. E. Brown and S. Ganguly eds. Government Policies and Ethnic Relations in Asia & the Pacific (Mass : 1996)
48. *Sindh Qiarterly* Vol.XII, No.1, 1984.
49. G.M. Syed's communication to the Govenor of Sindh in 1949.
50. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems'.
51. Cited in S. Mahmood *Sindh Report*, p.15. In the country as a whole the Gujrati-speaking Muhajirs owned 7 of the 12 large industrial houses. H. Papnek, 'Pakistan's big Businessmen', *Economic Development and Cultural Change*, 21, 1972.
52. Sangat (Sindhi Association of North America, Vol.3, No.4 December 1987) cited in A. A. Kazi, 'Ethnic nationalism'.
53. *The Harald* January 1988.
54. E. Ahmed, 'The Challenge in Sindh' *The Dawn* (Karachi) 21 June 1992.
55. M. Waseem, *Politics and the State in Pakistan* (Islamabad : 1994), p.34.
56. G.M Syed, *Sindhoodesh Chho ein Chho Lai* (Ulhasnagar : 1974), p.125. quoted in ibid. According to one estimate in 1936 only 13% of Sindhi Muslim agriculturists were free from debts. See P.A. Ahmed, Kaya Hum Ikhatry Reh Saktay Hein cited in I. Ahmed, *Nation, State and Ethnicity, in Contemporary South Asia* (London : 1996).

57. I. Ahmed. *Nation, State and Ethnicity*, p.192. The Sukkur Barrage was constructed by the British in the 1930s.
58. Cited in K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic conflict', in K. Rupesinghe and K. Mumtaz eds., *Internal Conflicts in South Asia* (New Delhi : 1996)
59. See Z. Hussain, 'Sindh : Day of the Nationalist', *The Herald*, June 1988 pp.44-45.
60. S. Mahmood, *Sindh Report*, p.98.
61. The Kalabagh dam – proposed to be constructed about 120 miles downstream from the Trabela dam incited most stringent Sindhi criticism. It allegedly will result in a net loss of 12.86 MAF of water for Sindh. Experts in Sindh have also estimated that the dam would threaten Sindh's 1.9 million acres of thick riverine forest, 1.3 million acres of rich grazing land, 600,000 acres of cultivated land and 650,000 acres of mangrove forests. Even towns like Nowshera in NWFP are likely to be submerged by the dam. See *Newsline*, July 1998. p.43.
62. R. G. Wrising 'Ethnicity and Political Reform in Pakistan', *Asian Affairs* Vol.15, No.2 Summer 1988. Such discontents were voiced by the Baluchis and Pukhtuns too.
63. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems', p.243.
64. H. Alavi, 'Nationhood and Communal Violence', p.165.
65. M. A. Khan, 'Thoughts on Sindh', *Sindh Quarterly*, Vol.XII, No.2, 1984.
66. K. Hussain, 'Sindh : The Rise and Growth of Nationalism', *Sindh Quarterly*, Vol.XVI, No.3, p.26.
67. See K.R. Malkani, *The Sindh Story* (Delhi : 1984) pp.150-159. The first recorded Hindu-Muslim communal conflict was only in 1927.
68. *Ibid*. See Malkani's own experience, pp.vii-viii.
69. M. A. Khan, 'Thoughts on Sindh', *Sindh Quarterly*, Vol.XII, No.2, 1984.
70. F. Ahmed, 'The Language Question in Sind' in S. Akbar Zaidi ed. *Regional Imbalances*.
71. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Literature and Sindhi Society', *Sindh Quarterly*, Vol.X, No.1, 1982.
72. *Ibid*., p.11.
73. Cited in K. Callard, *Pakistan : A Political Study* (London : 1977), p.24.
74. Cited in T. Rahman, *Language and Politics In Pakistan*.
75. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems'.
76. Cited in T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan*, p.119. Also see G.M. Syed's communication to the Governor of Sindh in 1949 cited in *Sindh Quarterly*, Vol.XII, No.1, 1984.
77. A. A. Kazi, 'Ethnic nationalism and Baluchis.
78. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Literature', p.14.
79. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems', p.130. Another wasy of ridiculing Sindhis was to say : 'How is a Sindhi Muslim born? From the urine of Hindus'. Cited in M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.87.
80. See *Jang*, 31 October 1987.
81. For instance, Ram Bagh and Achal Singh Park in Karachi have been renamed respecuvely as Aram Bagh and Iqbal Park. See K.R.Malkani, *The Sindh Story*.
82. A. Kazi, 'Ethnic Nationalities, Education and Problems of National Integration in Pakistan', *Sind Quarterly*, 1989, No.1. pp.21-27.
83. *Ibid*.
84. T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan*, p.118.
85. F. Ahmed, *Pakistan's Problems*.
86. T. Rahman, *Language and Politics*, p.118.
87. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Society And Sindhi Tomorrow', pp.34-5. Among other Sindhi writers who advocate the cause of Sindhi ethno-nationalism are Shaikh Ayaz, Abdul Wahid Aresar, G Allana, Hamida Khuro and Fahmida Riaz.
88. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems'.

89. M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.8.
90. Hamza Alavi explains this as a typical post-colonial dilemma 'where the usual process of becoming a nation before becoming a country has been reversed'. See his 'Nationhood and Nationalities In Pakistan', EPW XIV, 8 July 1989.
91. K. B. Sayeed calls this 'civil-military oligarchy'. See his *Politics in Pakistan*, p.28
92. S. Ahmed, 'Centralization, Authoritarianism, and the Mismanagement of Ethnic Relations in Pakistan'. At the time of independence the respective share of Punjab, Northwestern Frontier Province, Sindh and Baluchistan was 77%, 19.5%, 2.2% and 0.6%. See S. P. Cohen, *The Pakistan Army* (Berkeley : 1984). The greatest irony was the fact that even the Sindh Regiment remained overwhelmingly Punjabi. According to another analyst about 70% of senior officers and 80% of the NCOs are estimated to be from the Punjab. See F. Ahmed, 'Pakistan's Problems'. As late as the early 1980s only 2% of the country's army were Sindhis, see S. Mahmood, *Sindh Report*.
93. M. Ali Shah, *The Foreign Poolicy of Pakistan : Ethnic Impact on Diplomacy 1971-1994* (London & NY : 1997).
94. Quoted in T. Amin, *Ethno-National Movements of Pakistan : Domestic and International Factors* (Islamabad : 1988), p.70. Commentators like Iftikhar H. Malik ignore such fears that Syed apprehended. See his 'The Politics of Ethnic Conflict in Sindh'.
95. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems'.
96. Cited in S. Harrison, 'Ethnicity and the Political Stalemate in Pakistan' in S. Akbar Zaidi ed. *Regional Imbalances*, p.240.
97. *Awami Awaz* 31 July 1991.
98. A. A. Kazi, 'Ethnic Nationalities'.
99. A. Hussain. 'The Dynamics of Power : Military, Bureaucracy and the People', cited in A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p. 16. Also see R. B. Rais, 'Building State& Nation in Pakistan', paper presented in ICES semianr, August 1993, Colombo. In the words of Rais 'Pakistan's fledging bourgeoisie class emerged as the staunchest supporter of petty bourgeoisie state dominated by the bureaucratic-military elite' (p.14). Rais also aptly remarks (p.15) : 'The storm of agitational politics that erupted with the celebration of the 'developmental decade' in 1968, was a manifestation of the inequitable distribution of rewards of economic development and reflecuve of political frustration.'
100. A. Hussain, 'The Dynamics of Power'.
101. F. Ahemd. *Ethnicity and Politics in Pakistan*.
102 *Ibid*.
103. Z. K. Maluka, *The Myth of Constitutionalism in Pakistan* (Karachi : 1995). Sindhi literature got enriched during the days of the anti-One Unit Movement. Poets like Sheikh Ayaz shot to fame; Haider Bux Jatoi composed the famous poem entitled *Jiye Sindh* which ignited nationalst feelings of Sindhis.
104. M.H. Panhwar, 'The Economic Plight of Sindh Under Pakistan', *Sindh Quarterly*, Vol.XVIII, No.2, 1990.
105. *Newsline* July 1998, pp.43-44.
106. S. G. Mustafa Shah, 'Sindh : Conflagaration of Martial Laws and its Resurrection from Ashes', *Sindh Quarterly*, Vol.XV, No.1, 1987, p.12
107. F. Ahmed, 'Pakistan's Problems', p.173.
108. A. A. Kazi, 'Ethnic nationalism', p.10.
109. *Ibid*., p.11.
110. K. R. Khory, 'Separatism In South Asia'
111. Cited in T. Amin, *Ethno-National Movements of Pakistan*, p.75.
112 For example the Sind PPP ceremoniously observed the 4th March to honour the students killed during the anti-One Unit riots in 1967.
113. L. Ziring, *Pakistan : The Enigma of Political Development* (Folkstone : 1980), pp.146-7.

114. C. Kennedy, 'The Politics of Ethnicity'.
115. K. R. Khoray, 'Separatism In South Asia' p.221.
116. A bicameral legislature was introduced and spheres of authority between the centre and provinces were curved out.
117. Bhutto's Pakistan People's Party retained power at the centre, Punjab and Sindh.
118. T. Amin, *Ethno-National Movements of Pakistan*, pp.126-129.
119. The feeling for a Baluch-Sindhi front against Islamabad was expressed by a Baluch politician to Seling Harrison when he asserted : "... if the worst should ever comes to the worst and Pakistan should disintegrate the Baluch and Sindhis would be together. They like each other and might well create a federated state of Sindh and Baluchistan ..." cited in S. S. Harrison, 'Ethncity and the Political Stalemate in Pakistan' in S. Akbar Zaidi ed. *Regional Imbalances*.
120. F. Ahmed, *Ethnicity and Politics In Pakistan*, p.56.
121. The following line from the poet Rais Amrolivi – although written in another context – was printed as headlines : "Urdu ka janaza hae zara dhoom say niklay' (This is the funeral procession of Urdu; let it go out with fanfare), cited in T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan*, p.125.
122. A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p.18.
123. *The Dawn* 25 March 1972.
124. Cited in T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan*, p.127.
125. *Ibid*., p.126. Unofficial statistics put the death toll much higher. See D. Mukherjee, 'Pakistan's Growing Pains : Language Riots in Sindh', *Times of India* 17 July 1992.
126. *The Dawn* 29 August 1972. But according to some studies the number of dead was at least 55.See C. Kennedy, 'The Politics of Ethnicity', p.944.
127. K. B. Sayeed, *Politics in Pakistan*, pp.154-155.
128. When the twelve year period lapsed the country was under the military dictatorship of Zia-ul-Haq who preferred to ingore the Act.
129. *Newsline* February 1992, p.44.
130. The fronts in the Jiye Sindh Supreme Council were : Jiye Sindh Mahaz (Political Front); Jiye Sindh Students' Federation; Jiye Sindh Girls' Front; Latif Students' Sangat (Children's Organisation); Nari Tehreek (Women's Front); Poreet Sangat (Labour Front).
131. See G.M. Syed, *Sindhu Desh : a Study in its Separate Identity Through the Ages* (Karachi : n.d.); G.M. Syed, *A Case for Sindhu Desh* (Bombay : 1985); I. Ahmed, *State, Nation and Ethnicity in Contemporary South Asia*, pp.213-214.
132 *The Times of India* 24 July 1972.
133. Interview with Syed, *The Herald* 1989 August, p 178.
134. M.J. Akbar, *India Siege Within: Challenges to a Nation's Unity* (Harmondsworth: 1985), p.65.
135. *The Times of Insia* 24 July 1972.
136. See A. H. Syed, 'Political Parties and the Nationality Question in Pakistan', *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, Vol.XII, No.1, Fall 1988, p.52.
137. *The Dawn*, 1 August 1972
138. E. Ahmed, 'Zia's Hand in Sindh's Agony'. *The Friday Times*, 26 July - 1 August 1990.
139. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Society and Sindh Tomorrow'.
140. S. Kandar, *The Political Economy of Pakistan* (Lahore : 1987).
141. K. R. Khoray 'Separatism In South Asia', Chapter Five; M. Ispahani, 'Pakistan : Dimensions of Insecurity'.
142. Allegation by G M Syed, *Pakistan Times*, 5 June 1986.
143. The dam is located at Kalabagh in Punjab. 100 miles southwest of Islamabad
144. J. R. Langhari, 'The Kalabagh Dam and the Loss of Water to Sindh', *Sindh Quarterly*, Vol.XIV, No.4, 1981. Also see J. R. Laghari, 'Environmental concerns: Kalabagh dam

and Sindh : Punjab water dispute in Pakistan', *Journal of Asian and Affrican Affairs*, Vol.1, No.1, 1990.
145. L. Ziring, 'Public Policy Dilemas and Pakistan's Nationality Problem : The Legacy of Zia-ul-Haq', *Asian Survery*, Vol.XXVIII, No.8, August 1988, p.806.
146. A. Gramsci, *Selections from the Prison Notebooks* (ed & tr. Quintin Hoare and Geoffrey Nowell Smith, London : 1990).
147. A. Hussian, 'The Dynamics of Power'; O. Noman, *Pakistan : A Political And Economic History Since 1947* (London : 1990).
148. Music, sport, arts and culture had to conform to Islamic code. This was buttressed by military might. See O. A. Khan, 'Political and Economic Aspects of Islamisation' and Z. Haque, 'Islamisation of Society in Pakistan' in A. Khan ed. *Islam, Politics and the State : The Pakistan Experience* (London : 1985). Also see Z. Haque, 'Islamic Processes : Realities and Trends', *South Asia Bulletin*, 8, 1988.
149. For an analysis of Zia's bid to Islamise Pakistan see J. L. Esposito, 'Islam : Ideology and Politics in Pakistan' in A. Banuazizi et.al. eds, *The State, Religion and Ethnic Politics*.
150. L. Ziring, 'Public Policy Dilemmas and Pakistan's Nationality Problem : The legacy of Zia-ul-Haq'.
151. For instance, 1981 was celebrated as the year of Sindhi literature. See S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Literature', *op. cit.* Another important Sindhi cultural society was Shah Abdul Latif Cultural Society. This was also the period when Sindhology developed as a distinct branch of intellectual exercise in Sindh. See S. G. Mustafa Shah, 'Sindhology – Its Meaning and Scope', *Sindh Quarterly*, Vol.X, No.3, 1982.
152. S. G. Mustafa Shah, 'Sindh : The Causes of Present Discontent', p.1.
153. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Society and Sindh Tomorrow'.
154. See F. Ahmed, 'Sindh : Another Bangladesh', *Pakistan Democratic Forum*, November 1983; V. Ahmed and A. Rashid, *The Management of Pakistan's Economy 1947-82* (Karach : 1984).
155. A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p.20.
156. See the analysis by H. A. Rizvi, *Asian Survery*, Vol.XXIV, No.5, May 1984.
157. Estimates of people killed by the army vary widely. For instance see *Far Eastern Economic Review*, 17 July 1986, and M. Ali Shah, *The Foreign Policy of Pakistan*.
158. *The Frontier Post*, 1 September 1986.
159. *The Muslim*, 1 June 1986.
160. *The Times of India* (Delhi), 20 August 1986.
161. M.J. Akbar, *India : The Singe Within*, p.65.
162. *Ibid.*
163. *The Jang*, 31 August.
164. S. Harrison, 'Ethnicity and Political Stalemate in Pakistan'.
165. T. Rahman, *Language and Politics in Pakistan*, p.128.
166. Cited in *ibid.*, p.66.
167. Interview with G M. Syed, *Pakistan Times*, 5 June 1986.
168. 'Syed's Last Stand', *Newsline*, February 1992, pp.40-41.
169. *Pakistan Illustrated Weekly*, Vol.3, Nos.7 & 8, 12 April 1991.
170. A. H. Syed, 'Political Parties and the Nationality Question in Pakistan'.
171. K R. Khoray, 'Separtism In South Asia' pp 239-240
172. But its tenure was short-lived. Disbanded in February 1989, it was replaced by Mumtaz Bhutto's Sindh National Front.
173 The World Sindhi Congress has its headquarter in the UK.
174. M. Rashdi, 'Sindh Malaise', *Pakistan Illustrated Weekly*, 30 June 1991, p.12.
175. See M. Ali, *In the Shadow of History* (Lahore : 1993) pp.191-2. *The Herald*, July 1986 reported how several student hostels had been converted into dacoits, sanctuaries.
176. *Newsline*, February 1992, pp.44-5.

177. See the statement of the Inspector General of Police of Sindh, *The Dawn*, 24 June 1986.
178. For the role of arms and drugs trade in maintaining the violent temper see M. Ispahani, 'Pakistan : Dimensions of Insecurity'. He writes: "Along with the arms sent into Pakistan through pro Kabul Pakhtun tribesmen by the Afghan regime, an estimated 40 percent of the weapons destined for the war effort ... have 'leaked' into Pakistan... ". Also see O. Noman, *The Political Economy of Pakistan 1947-85* (London : 1988) and J. Rashid, 'Ethnic Conflicts', *The Friday Times*, 9-15 July 1992, p.8.
179. See the Sindhi nationalist leader Rasul Baksh Paleejo's statement in *The Muslim*, 8 July 1986. A.H. Jatoi also voiced similar opinion in *The Dawn* 20 June 1986. During this period there were also incidents of the burning of Hindu temples in Sukkur and Jacobabad. This was the first communal incident reported in this region since independence and was widely believed by the PPP to have been fomented to frustrate the MRD. See *The Frontier Post*, 6 March 1986. Again, other observers have cited how senior police and civil officers of Sindh government were 'hands in glove' with dacoits. See H. Mujtaba's submission in *Newsline*, November 1995. Also see M. Ali Shah, *The Foreign Policy of Pakistan*, p.56.
180. *The Dawn*, 18 July 1986.
181. *The Daily Jang*, 18 July 1986.
182. S. Mahmood, *Sindh Report*, Chapter One.
183. I. Farooq, Imperatives of Discipline and Organisation (MQM Urdu Document) cited in M. Waseem, 'Ethnic Conflict in Pakistan'.
184. The MQM supremo Altaf Hussain was himself prominent in the Muhajir student body. See F. Ahmed, 'The Rise of Muhajir Separatism', *South Asia Bulletin*, Vol.8, 1988; Arif Hasan, 'The MQM Factor', *Herald*, March 1987. Also see Reply Statement of the Government of Pakistan and Government of Sindh in the Supreme Court of Pakistan, 5 June 1995, No.46/94, cited in M. Waseem, 'Ethnic Conflict in Pakistan'.
185. Statement of Hamida Khuro of Jeay Sindh and the Sindh National Alliance quoted in *K. R. Khory* 'Separatism In South Asia', p.234. One need not forget that although in 1979 Zia had jailed Altaf for anti-national activities he relased him at the height of the MRD to mobilise the Muhajirs against Sindhi nationalists.
186. F. Ahmed, 'Ethnicity and Politics', p.33.
187. I. Ahmed, *State, Nation and Ethnicity*, Pp.202-3.
188. Altaf Hussain, *Safr-e-Zindagi and The Journey of Life* (Autobiographical account of Altaf Hussain, Lahore : 1988). The MQM claims that Muhajirs conutute 60% of the poouation in Sindh, although the 1961, 1972 and 1982 Census estimates present a substantially lower ratio. See MQM Constitutional Petition in the Supreme Court of Pakistan Part-I (Boston : 1994) Pp.4-5. Also see Altaf Hussain, *Safr-e-Zindagi* (Lahore : 1988); I. Ahmed, *State, Nation and Ethnicity*, p 215.
189. H. Alavi, 'Nationhood and Nationalities'.
190. *The Herald* May 1994.
191. Altaf Hussain's interview, *The Herald* September 1987.
192. MQM is the Symbol of Being Oppessed (MQM Urdu document) cited in M. Wasim, 'Ethnic conflict in Pakistan', p.11.
193. S. Akbar Zaidi, 'Sindhi vs Muhajir'.
194. M. Mirza, 'Rise and Fall of the MQM', *The Friday Times* 25 June – 1 July 1992, p 3.
195. A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p.28 Altaf has been given the title of Quaid-e-Tehrik (leader of the movement) and is called pir sahib (spiritual leader).
196. S. Akbar Zaidi, 'Sindhi vs Muhajir', p.340.
197. See B. Ali, 'Political Forces in Sind' in S. Akbar Zaidi ed . *Regional Imbalances*
198. O. Verkaaik, *A People of Migrants : Ethnicity, State and Religion in Karachi* (Amsterdam : 1994).
199. I. H. Malik, 'The Politics of Ethnic Conflict in Sindh'.

200. 'The social role performed by the MQM fits in with the theory of 'pillarization' developed for post-colonial Indonesia where the vaccum in the realm of emancipation and social mobility caused by the weakness of successor state is filled by a political party.
201. M. Alunar, 'Ethnicity and State Power in Pakistan : A Case Study of Karachi Crisis', unpublished paper, 30 May 1996.
202. *The Friday Times*, 25 June – 1 July 1992, p.3.
203. Z. Hussain, 'Sindh : A Province Held to Ransom?', *Newsline* August 1988.
204. Quoted in P.C. Singh, 'Muhajirs and Ethno-Nationalism in Pakistan', *Journal of Peace Studies*, Vol.II, 12-13, September-December 1995.
205. C. Kennedy, 'The Politics of Ethnicity', p.951.
206. M. Hussian and A. Hussain, *Pakistan : Problems of Governance* (New Delhi : 1993).
207. Z. Hussain, 'Sindh : A Province Held to Ransom'.
208. Z. Abbas, 'Sindh : Falling Apart?', *The Herald* May 1989.
209. S. Ahmed, 'Centralization, Authoritarianism, and the Mismanagement of Ethnic Relations', p.113.
210. *Sindh Quarterly*, Vol.III, No.3, 1990, p.40.
211. *Ibid.*, p.46. If the present rate of increase in Karachi's population is maintained, the city will be one of the world's ten largest cities in 2000.
212. *The Herald*, June 1990.
213. *The Friday Times*, 25 June–1st July 1992, p.61.
214. S.I. Khan, 'Living with Violence', *Newsline*, October 1991, pp.20-22.
215. *The Herald*, May 1989, p.28.
216. *Newsline*, October 1991, p.30.
217. *Newsline*, February 1992, p.44. Addressing a rally in Karachi in 1991, Syed remarked: 'Unfortunate are the organisations in which more than 65 per cent of the cadres are criminals ... Such is the case with my Jiye Sindh ... I have learnt that you have commited various crimes. You are all criminals'. Incidentally, many of the leading Jiye Sindh activists present in the meeting later conferssed their complicity with criminal activities ranging from robberies, extortions and kidnappings.
218. S. Ahmed, : Centralization, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic Relations', p.115
219. M. Waseem, 'Ethnic Conflict in Pakistan', p.14.
220. See *The Herald*, February 1992; *The Muslim*, 20 May 1993.
221. *Newsline*, Ferruary 1992, p.39.
222. *Ibid*.
223. *The Herald*, February 1992.
224. *Ibid*.p.26.
225. *Ibid*.
226. *Newsline*. February 1992, p.46.
227. N. Hoodbhoy, 'The Rise of the Sindhi Press', *The Herald*. June 1995. Among the leading Sindhi newspapers are *Kawish*, *Awami Awaz*, *Jago Barsat and Pukar*.
228. *Foreign Broadcast Information Service* (Hereafter FBIS) NES-92-131, 8 July 1992; *The Dawn* (Karachi), 11 June 1992.
229. *Newsline*, December 1991.
230. H. Mujtaba, 'Night Without End', *Newsline*, August 1991.
231. M. Lodhi, *Pakistan's Encounter with Democracy* (Lahore : 1994).
232. A. Azam Ali, 'Sindh : A Point of No Return', *The Herald* July 1990.
233. In 1990 the MQM became the second largest party in Sindh, having won 15 National Assembly seats from Karachi and Hyderabad and 30 constituencies in the provincial Assembly. See *The Friday Times* 25 June – 1 July 1992, p.3.
234. T. Aslam, 'MQM : Trial Begins', *The Herald* February 1988; A. Hasan, 'Power and Powerlessness', *The Herald* February 1988.

235. B. Ali, 'Political Forces in Sindh' in S. A. Zaidid. *Regional Imbalances*; M Mirza, *Aaj Ke Sindh* (Lahore : 1986); Tanvir A. Tahir, 'Political Dynamics of Sindh 1947-71,' Unpublished M.Phil thesis, University of Karachi, 1990 cited in S. Akbar Zaidi. 'Sindhi vs Muhajir'; T. P. Wright, 'Centre-Periphery Relations and Ethnic Conflict in Pakistan : Sindhis, Muhajirs and Punjabis', *Comporative Politics* 1991 Spring. Also see M. Alumer, 'Ethnicity and State Power in Pakistan, for ethnic riots between Muhajirs and Pathans.
236 S. A. Zaidi, 'Sindhi vs Muhajir', p.338.
237. A. A. Ali, 'Sindh, Aineenah Azam. Ali, 'No Business as usual', *The Herald* March 1987; A. Hasan, 'A Generation Comes of Age', *The Herald* October 1987; A. Hasan, 'A Decade of Urban Decay', *The Herald* January 1990; See K. Bahadur, 'National Integration In Pakistan : The Case of Muhajir Qawmi Movement (MQM), *Journal of Peace Studies*, Vol.II, Issues 12-13 September-December 1995.
238. A. A. Ali, 'Sindh',.
239. *The Dawn*, 25 May 1993.
240. *Newsline*, September 1994. Also see the interview by Altaf Husain in *India Today* 15 July 1995.
241. This a quote from Rahul Bux Palejo, cited in K. Bahadur, 'National Integration in Pakistan'.
242. *The Statesman* 1 January 1995.
243. Z. Abbas, 'Words of Violence', *The Herald*, July 1990.
244. The Sindhis fear Biharis would join Muhajirs and create further politico-economic rivalry in the province. See FBIS-NES-93-021, 3 February 1993.
245. M. Mirza, 'Altaf Hussain Conspires to Stage Comeback', *The Friday Times* 28 Jan – 3 July 1993, p.3.
246. Sweeping the dust under carpets', *The Telegraph* 11 January 1995.
247. *The Statesman*, 3 August 1995.
248. A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p.34.
249. *The Telegraph*, 1 October 1990.
250. This is the finding of a research commisioned by the Karachi Chambers of Commerce and Industries. Cited in M. Alumar, 'Ethnicity and State Power in Pakistan', p.6. According to one estimate quoted by Alumar 34 working days were lost in 1995 due to strikes organised by the MQM.
251. According to an estimate the octroi collection in Hyderabad, for instance, declined from Rs 240,000 per day in 1988 to Rs.120,000 per day in 1990. See *The Friday Times*, 7-13 January 1993.
252 MQM Constitutional Petition before the Supreme Court of Pakistan, (Boston : 1994) Part-1, pp 62-86.
253 M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.48.
254. *Ibid*., p.65. In December 1998 the MQM also wrote to the UN Secretary-General Kofi Annan for intervention. *POT*., Vol.XXVI, No.317, p.4142.
255. *Asian Age*, 4 August 1995.
256. K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic Conflict'.
257. Mumtaz Nizamani, one time President of the organisation comes from the peasantry.
258. The commitment of these women to MQM leadership is testified to by the following comment of a woman speaker in a 1988 rally : "When our children are in the firing line, and our men are so committed, how can we stay away?', cited in K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic Conflict', p.157.
259 M. Abbas, 'The New Vanguard', *The Star*, 28 July 1988 cited in K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic Conflict'.
260. *The Frontier Post*, 25 July 1991, cited in K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic Conflict'.
261. K. Mumtaz, 'The Gender Dimension in Sindh's Ethnic Conflict', p.160.

262. K. Mumtaz and F. Shaheed, *Women of Pakistan : Two Steps Forward One Step Back* (London : 1987).
263. When Dr. Motilal Jotwani met Syed at Kanishka Hotel in New Delhi on 13 July 1987 the latter categorically told him that the Two-Nation Theory was 'misconceived'. Cited in M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.165.
264. For Syed's views on this issue see his following works : *The Past, Present and Future of Sindh Sindhu Desh; What and Why and Consciousness of Sindh*, cited in K. R. Malkani, *The Sindh Story*.
265. T. Anwar, *Langage and Politics in Pakistan*, p.120. Also see Syed's interview to *The Herald* of August 1989.
266. Interview with G.M. Syed, *The Tribune*, 20 July 1987, cited in K. R. Khoray 'Separatism In South Asia', p.243.
267. See H. Mujtaba's review of Syed's book in *The Newsline*, February 1994.
268. K.R. Malkani, *The Sindh Story*, p.145.
269. *Ibid.*, p.135.
270. A. A. Kazi, 'Ethnic Nationalism', p.16.
271. *Ibid.*, p.9. The same view was reiterated in my interview with Aftab A. Kazi in Washington in June 1992. Also see *Amrita Bazar Patrika* 12 April 1988 and *The Hindusthan Times* 11 April 1988.
272. K.R. Malkani, The Sindh Story, *op. cit.*, p.97.
273. Cited in T. Amin, *Ethno-National Movements of Pakistan* p.100.
274. *The Dawn*, 28 August 1983.
275. The proceedings of the World Sindhi Congress in Delhi were widely reported in the Indian press.
276. *The Morning News* 26 August 1983
277. M.J. Akbar's interview with Syed. See M.J. Akbar, India : *The Siege Within*, p.65.
278. Submission of Aziz Ahmed Khan, Director General for South Asia, Pakistan Ministry of Foreign Affairs, 18 May 1989, cited in K. R. Khoray 'Separatism In South Asia' p.244.
279. This is admitted by the protagonists of Sindhi nationalism currently resident in the USA.
280. *The Dawn*, 31 May 1972.
281. FBIS-NES-31 May 1972
282. The Al-Zulfiqar group was founded by Murtaza Bhutto.
283. S. Mahmood, *Sindh Report*, p.58.
284. FBIS-NES-90-024, p.59.
285. *The Times*, 8 May 1990.
286. FBIS-NES-92-101, 26 May 1992, p.55.
287. FBIS-NES-93-053, 22 March 1993, p.68.
288. *Ibid.*, 13 October 1995.
289. I. Ahmed, *State, Nation and Ethnicity*, p.208.
290. *The Telegraph* 15 March 1998.
291. *Ibid.*
292. A. Mir, 'The RAW Factor', *Newsline*, April 1998, pp 41-44.
293. *The Telegraph*, 8 June 1998; *The Asian Age* 8 June 1998.
294. *The Asian Age*, 10 September 1998.
295. *Ibid* Public Opinion Trends (Herafter POT), 8 November 1998, p.3518.
296. *The Asian Age*, 5 August 1995.
297. *Ibid.*, POT, 8 November 1998, Vol.XXVI, No.272.
298. *The Telegraph*, 15 July 1995.
299. *The Dawn*, 16 July 1995.
300. *The Hindu* 26 August 1986.
301. Interview with G.M. Syed, *The Herald*, 1989 August.
302. This view was ... incidentally confirmed in my discussion with retired Indian Police officers

303. Interview with Ejaz Jatoi cited in K. R. Khoray, p.243.
304. M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.62.
305. Z. Hussein, 'Sindh : Day of the Nationalist', *The Herald*, 1988 June. One may recall the fanfare with which Syeed had unfurled the flag of Sindhu Desh at a 1988 Sindh National Alliance rally. *The Friday Times*, 23-29 July 1992, p.7.
306. *The Herald* (Karachi) February 1992.
307. This section amongst the Sindhis has acquired a major financial stake even in Karachi. See S. Akbar Zaidi, Sindhi vs Muhajir'.
308. H. Mujtaba, 'Sindhi Separatism : Myth or Reality?', *Newsline* February 1992, p.39.
309. Interview with G.M. Syed. *Pakistan Times* 5 June 1986.
310. Cited in *Newsline* February 1992, p.41.
311. *Newsline*, February 1992, p.42.
312. F. Ahmed. *Ethnicity and Politics*, p.57.
313. *Newsline*, February 1992, p.31.
314. S. Harrison, 'Ethnicity and Political Stalemate in Pakistan'.
315. *Ibid*. The Pir of Pagro especially lent a helping hand to Islamabad.
316. M.G. Chitkara, *Muhajir's Pakistan*, p.147.
317. S. A. Zaidi, 'Sindhi vs Muhajir' *op cit.*, p.1297.
318. I. Bakhtiar, 'Estranged Bedfellows', *The Herald*, March 1997, pp.41-42.
319. S. Ahmed, 'Centralisation, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic, Relations, pp.121-2.
320. At one point between December 1986 and January 1987 clashes between Muhajirs and Pathans became more frequent than between Muhajirs and Sindhis. See *The Viewpoint* 18 & 25 December 1986; *The Herald* Vol.18, 1987.
321. B. Ali, 'Political Forces in Sindh'
322. See *The Viewpoint* 18 & 25 December 1986; *The Herald* Vol.18, 1987. The Pakhtuns who practically control the transport sector in Karachi play a major role in arms and drug trade. Punjabis and Pakhtuns settled in Karachi formed the Punjabi-Pakhtun Itehad (PPI) to counteract Muhajir violence.
323. *The Telegraph* 13 February 1998.
324. Oskar Verkaaik. *A People of Migrants*, p.71.
325. The Rule of the Poor (MQM Urdu document) cited in *ibid.*, p.11.
326. See *The Telegraph* 19 December 1994. for accounts of recent MQM factional clashes. Also see *The Herald* July 1994 and January 1995.
327. I. Bakhtiar, 'The MQM : Dead or Alive', *The Herald*, December 1992.
328. S. Ahmed, 'Pakistan at Fifty : A Tenuous Democracy', *Current History*, December 1997, pp.419-424.
329. *The Telegraph* 26 March 1998.
330. G. Hasnain, 'Carnage City', *Newsline* July 1998, p.57.
331. *The Telegraph* 26 March 1998.
332. *Newsline*, July 1998, p.60.
333. G. Hassain, 'Carnage City', p 60.
334. *The Statesman* 27 February 1995. Pakistan population comprises 80% Sunnis and 18% Shias. Much of Shia-Sunni clashes are essentially Muhajir-Sindhi confrontations, the former being mostly Shias.
335. *The Friday Times*, 10-16 September 1992, p.5.
336. *Newsline*, March 1994.
337. *Ibid.*
338. *Ibid.*
339. *The Telegraph*, 5 October 1998. In what came to be called the 'Islamabad Declaration', the Conference condemned the Punjabi leadership as : '... myopic rulers, (who) have constantly used force and applied instruments like martial laws and doctrine of

necessity and slogans of Pakistan nation, brotherhood and Muslim ummah to swindle, rob and deny the people of the federating units of their political economic, cultural and human rights'.

340. H. Alavi, 'Nationhood and Communal Violence'.
341. M. B. Tonyo, 'Ethnicity in Sindh and National Cohesion', *Sindh Quarterly*, Vol XIX, No.1, 1991, pp.30-31.
342. S. Ahmed, 'Centralisation, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic Relations', p.118.
343. This theme is explicated in all of Alavi's major Writings on the ethnic question in Pakistan'.
344. See S. Das and B. De, 'Ethnic Revivalism : Problems in the Indian Union' in K.S. Singh ed. *Ethnicity, Caste And People : India and the Soviet Union* (Delhi : 1992).
345. R. B. Rais, 'Building State & Nation In Pakistan'.
346. *Ibid.*
347. Cited in G.M. Mehkri, 'The Common Man In Sindh', *Sindh Quarterly*, Vol.XIII, No.1, 1985.
348. S. Ahmed, 'Pakistan at Fifty', p.419. It is not without significance that Pakistan imposed emergency immediately after exploding her nuclear devices in May 1998, although in India no tampering was done with its democratic apparatus after nuclear explosions were carried out in the same month. In fact, during the parliamentary debates in New Delhi a significant dissenting voice was recorded against Vajpayee government's nuclear policy.
349. H. Alavi, 'Nationhood and Communal Violence', p.153.
350. A. Rashid, *Private Industrial Investment in Pakistan 1960-70* (Cambridge : 1982); V. Ahmed and R. Amjad, *The Management of Pakistan's Economy 1947-82* (Karachi : 1984); O. Noman, *The Political Economy of Pakistan.*
351. B. Ali, 'Pakistan's Decade of Generals', *EPW*, 22,28 1987; S. A. Zaidi, 'How the Bourgeoisie Views Pakistan', *EPW*, 23,48, 1988.
352. D. Reetz, 'National Consolidation or Fragmentation of Pakistan : The Dilemma of General Zia-ul-Haq (1977-1988)' in D. Weidemann ed. *Nationalism, Ethnicity and Political Development : South Asian Prespective* (Delhi : 1991). Also see A. H. Syed in 'Political Parties and the Nationality Question in Pakistan', *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, Vol.XII, No.1, Fall 1988 and A. S. Ahmed in *Pakistan Society* (Karachi : 1984) for inherent ethnic pluralism in Pakistani society.
353. Quoted in K.R. Malkani, *The Sindh Story*, p.133.
354. B. Anderson, *Imagined Communities* (London : 1983).
355. A. Rashid and F. Shaheed, *Pakistan : Ethno-Politics*, p.10.
356. D. Khan, 'A Sindhi View,' *Sindh Quarterly* Vol.XVII, No.4, 1989.
357. *Communalism Combat*, 29 January 1997.
358. S. G. Mustafa Shah, 'Sindhi Society And Sindh Tomorrow', p.6.
359. S. Ahmed, 'Centralisation, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic Relations' p.124.
360. T. Ali, *Pakistan : Military Rule or People's Power* (London : 1970); S. Harrison, *In Afghanistan's Shadow*; I. Baloch, 'The Baluch Question in Pakistan and the Right of Self-Determination' in W. Zingle, *Pakistan in the 80s : Law and Constitution* (Lahore : 1985); L. Ziring, *Pakistan : The Enigma of Political Development* (Folkstone : 1980)
361. Cited in S. Ahmed, 'Pakistan at Fifty', p.419.
362. *Newsline*, July 1998, p 28.
363. Sharif's, 11 June remark on Kalabagh project is worth quoting : 'We surprised the world on May 28 by exploding nuclear devices. Now we will conquer another battlefield by constructing the Kalabagh dam', cited in *ibid.*, p.42.
364. *Ibid.*, p.41.

365. *Times of India*, 4 September 1999.
366. Reposing faith in the resolution of the Sindh question, a commentator rises to the height of political idealism : "The basic foundation for social contract lies in the fact that, based on our religious and cultural heritage, all Pakistanis—including the minorities, should consider and treat each other as members of their own family in terms of striving to advance their welfare and protection of their extended family. East Pakistanis should be free to follow ... (their) own dreams, and advance to the extent ... (they) can. However, they should treat each other as members of their own family in terms of striving to advance their welfare and protection of their rights', A. N. Memon, 'Sindhis in Pakistan : The Case for Social Contract', *Journal of Peace Studies*, II, 12-13, September-December 1995.
367. F. Ahmed, 'Transformation of Agrarian Structures in Pakistan' in N. M. Lan ed. *Unreal Growth : Critical Studies in Asian Development* (New Delhi : 1984), vol.II, pp.(i0(i-31. Also see his 'Agrarian Change and Class Formation in Sindh', EPW. Vol. XIX, No.39, 29 Sept. 1984.
368. For such positive developments in the realm of civil society in Pakistan see I. H. Malik, 'Continuity or Change in Contemporary Pakistan? State, Ideological Polarisation, and Ethnic Pluralism' in S. K. Mitra and R. A. Lewis eds. *Subnational Movements in South Asia* (Boulder : 1996). Also see his 'The Politics of Ethnic Conflict in Sindh'. It is not without significance that fundamentalist forces did not secure more than 8% of the total votes in the last parliamentary elections in Pakistan. Even during the recent Kargil crisis which involved armed confrontations between India and Pakistan on the issue of Pak-sponosred infiltration into Jammu and Kashmir a section of the press in Pakistan adopted a critical stance towards the Islamabad regime. See for instance, F.S. Aijazuddin, 'India Came with an Olive Branch, Pakistan Replied with Kargil', *The Dawn* reproduced in *The Asian Age*, 18 July 1999.

حاصل کلام

کشمیراور سندھ کے مسائل کے درجِ بالا تجزیہ سے ان بنیادوں کی شناخت مقصود ہے جو ہندوستان اور پاکستان میں قومیت کے تصور میں اب تک کی ناکامی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کشمیراور سندھ کی پیچیدہ صورتحال ان تمام حقائق کی تصدیق کرتی ہے جن کی تلاش کے لیے زیرنظر کام شروع کیا گیا۔ پہلے درجے پر تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ قومی شناخت کی حکمتِ عملی سیاسی یا نسلی طبقات میں امتیاز قائم نہیں کرسکتی۔ خصوصاً اس وقت قطعی نہیں جب معاشرے کا کوئی حصہ اس کو اپنے مفادات اور نظریات کے خلاف سمجھے۔ دوسرے درجے پر یہ دونوں معاملات ایسی صورت میں کہ جب نسلی اور ملکی سرحدیں غیر مطمئن طبقات کی ہم آہنگی میں رکاوٹ بنتی ہوں اور ان پر نافذ کی جانے والی قومی شناخت ان کو مصنوعی سرحدی حد بندی کے اس پار اپنے ساتھیوں کی تقلید میں نسل پرستی پر راغب کرتی ہو۔ ایسے حالات میں متعلقہ سیاسی اداکار خود کو متعارف کراتے ہیں...... عارضی طور پر سہی...... اپنی ریاست کی سرحد سے باہر ایسے عملی اقدامات کے ذریعے جو اندرونی و بیرونی معاملات کے مابین تشویشناک امتیازات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کشمیر کے مسئلے میں اس رجحان کی واضح کارفرمائی محسوس کی جاسکتی ہے اور سندھ کے مسائل میں بھی اس رجحان کی علامات پائی جاتی ہیں۔

مغربی محققین نے برصغیر میں کارفرما ذیلی علاقائی امتیازات کی موجودگی کا پتہ لگایا ہے: کشمیر۔ پنجاب۔ انڈیا کے شمال مشرق میں۔ یا سندھ۔ اور پاکستان کے صوبۂ سرحد میں۔ جو اپنی نسلی سیاسیات کی بنا پر آخرکار دونوں ملکوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیں گی۔ 1971 میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام کو اس دعوے کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے۔ اکثر لوگ جنوبی ایشیا میں نسل پرستی کی بدولت قوم پرستی کی کوکھ سے علیحدہ علیحدہ مکمل اقوام جنم لیتی ہوئی

دیکھ رہے ہیں2۔ چونکہ قوم پرستی کا فطری تقاضہ ہوتا ہے کہ ان کا اپنا ایک الگ علاقہ ہو' لہٰذا اس بنیاد پر ہر قوم اپنے لیے الگ ملک کا تقاضہ کر سکتی ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بعض نایاب اشیاء کی تقسیم میں عدم مساوات کی بنیاد پر نسلی' مذہبی' لسانی اور دوسری فرقہ پرستانہ وفاداریاں' طاقت حاصل کرتی ہیں اور ہندو پاکستان میں اجتماعی معاشرہ کے لیے نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں جس کی وجہ سے قوم پرستی میں قومیت پرستی کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے 3۔

بہر نوع میں اس مفروضے پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ہندوستان میں موجود نسلی شناختیں متحدہ ہندوستان کی شکست میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ ہندوستان نے اپنی آزادی کے بعد تمام ثقافتی' مذہبی اور نسلی ہم آہنگی کو اپنی قومی شناخت کی پالیسی سے خارج کر دیا تھا۔ قومی لیڈروں نے انڈیا کو ایک ہندو ریاست قرار دینے کے بجائے اپنے ملک کی قومی سیاست کو رنگ برنگ پھولوں کے گلدستے کی حیثیت دینے کو ترجیح دی4۔ اس لیے ہندوستان کی نسلی اجتماعیت کو ہند مخالف قوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے عام طور پر ملک کے اندر نسلی شناخت کے دعویدار اپنے ابتدائی دور میں ریاست کی قانونی حیثیت کا سوال کبھی نہیں اٹھاتے۔ مگر حکومتِ ہند کے مسلسل مرکزی اور منفی اقدامات نسلی سیاست کے اداکاروں کو مخالفانہ سیاست، اور علیحدگی پسندی پر اکساتے ہیں۔ موجودہ تحقیق کی روشنی میں کشمیر کی صورت حال اسی عمل کی عکاسی کرتی ہے۔ نئی دہلی کی طرف سے مرکزیت پر زور' اور جموں کشمیر کے سیاسی اداروں پر مرکزی سیاست کے نفاذ کی کوشش' اور سب سے بڑھ کر معاشی عدم استحکام نے کشمیر میں علیحدگی پسندی کی سیاست کو فروغ دیا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے ابتدائی 49 سال میں جموں اور کشمیر کو صرف 12 سال نمائندہ حکومت کا موقعہ ملا ہے۔ ہندوستان کی قومی پالیسیوں کے سب سے بڑا نقاد جے پرکاش نارائن نے 1966ء میں کہا تھا:

> ہم دعویٰ تو جمہوریت کا کرتے ہیں لیکن کشمیر پر طاقت کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔ ہم دعویٰ تو سیکولرازم کا کرتے ہیں لیکن کشمیر میں ہندو قوم پرستی کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ موجود ہے لیکن اس لیے نہیں کہ پاکستان اس پر قبضہ جمانا چاہتا ہے' بلکہ وہاں کے عوام میں بڑے پیمانے پر گہرا عدم اطمینان پایا جاتا ہے 5۔

1980 کے بعد خصوصاً 1987 کے انتخابات میں کشمیری نسل پرست سیاست نے ہندوستان کی سلامتی کو داؤ پر لگاتے ہوئے اپنی وفاداریاں پاکستان کے حق میں تبدیل کرنے کا عندیہ دے دیا۔ پنجاب میں بھی سکھوں کی تحریک علیحدگی پسندی کے رجحانات سے لاتعلق نہیں رہ سکی۔ اس کا اندازہ آنند پور صاحب کی 1987 کی قرارداد سے بخوبی ہو جاتا ہے' سکھوں کی طرف سے یہ پہلا ٹھوس مطالبہ تھا' جس نے سختی کے ساتھ ہندوستان کے لیے متحدہ صورت میں باقی رہنے تک کے راستے مسدود کر دیے تھے۔ گو کہ قرارداد کا 9/10 حصہ کچھ اس قسم کے مطالبات پر مبنی تھا جیسے چندی گڑھ کو پنجاب کے صدر مقام کا درجہ دیا جانا' پنجاب کے لیے صوبے سے گذرنے والے دریائی پانی کے بڑے حصے کا مطالبہ' پنجاب کی سرحد کو ان تمام علاقوں تک پھیلانا جہاں تک پنجابی بولی جاتی ہے۔ ہندوستان کی بدقسمتی کہ دہلی میں حکمران جماعت نے سکھوں کے ایسے جمہوری مطالبات ماننے سے انکار کر دیا اور آنند پور صاحب قرارداد کو علیحدگی پسندی پر محمول کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سیکولر علاقائی تحریک نسل پرست تحریک میں تبدیل ہو گئی 6۔ جون 1984 کا آپریشن بلیو اسٹار' سکھ باڈی گارڈ کے ہاتھوں اندرا گاندھی کا افسوسناک قتل' کانگریس کے حلقوں میں راجیو گاندھی کی سکھ نسل پرستی کے خلاف کامیابی...... ان سب وجوہات نے منفی سکھ نسل پرستی کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔ اس کشیدگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب راجیو گاندھی نے اگست 1985 میں اکالیوں کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیے اور دانستہ اس کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ سکھوں کے اعتدال پسند لیڈروں نے اس میں اپنی توہین محسوس کی اور پنجاب میں انتہا پسندی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ شمال مشرقی ہند میں ریاست کے مضبوط مرکز کی پالیسی اور شدید معاشی ناہمواری نے پہلے ہی نسل پرستی کی سیاست کی ابتدا کر دی تھی 7۔

حالانکہ پاکستان میں ہندوستان سے قطعی مختلف سیاسی نظام اختیار کیا گیا تھا...... وہاں پڑوس کے ایک تجربے سے استفادہ کیا گیا...... ریاست کی مرکزی حیثیت۔ ہندوستان کی طرح پاکستان بھی ایک کثیر نسلی اور کثیر لسانی ریاست ہے۔ مگر وہاں نسل پرستی کے تنے ہوئے رسے پر چلنے کے بجائے' حکمرانوں نے مرکزیت کی حامل قومی پالیسی اپنائی جو ملک کی اکثریتی آبادی والے صوبے پنجاب کی حامی پالیسیوں پر مبنی تھی۔ اردو ثقافتی ذہنیت اور اسلام کے ایک

مخصوص فرقہ کے نظریات کو پاکستانی قومیت کی علامت کے طور پر اس خوش فہمی کے ساتھ رائج کیا گیا کہ یہ پاکستان میں بسنے والے ان تمام نسل کے لوگوں کے لیے قابل قبول ہو جائیں گے جن کے عقائد کسی طرح بھی قومیت کی اس علامت سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ پریشانیوں کے حامل اس طرزِ حکومت نے وہ فضا تیار کر دی جس نے سندھ اور صوبہ سرحد کو اپنا نشانہ بنایا۔ مگر صرف یہ شناخت کا مسئلہ ہی پاکستان کی بقا کا ضامن نہیں تھا۔ بطور مثال: 1949 تک سندھی قوم پرستی کے سرخیل جی ایم سید پاکستان کی قومی پالیسی کے تحت کام کرنے پر آمادہ تھے اور قومی سیاسی دھارے میں رہتے ہوئے سندھی شناخت برقرار رکھنے کے لیے کئی ٹھوس تجاویز پیش کر چکے تھے 8۔ پاکستان کے حکمران طبقہ نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا بلکہ اردو پرست پاکستان میں سندھی شناخت کو ثانوی حیثیت دینے پر کام کا آغاز کر دیا۔ جیسا کہ زیرِ نظر کاوش کے ذریعے علم ہوتا ہے کہ سندھ کی پیشِ نظر پیچیدگی کامل توجہ کی طلبگار ہے اور اس کی حدود بھی جنوبی ایشیا کی علاقائی حدود کو چھونے لگی ہیں۔ برصغیر میں 1971 کی بنگلہ دیشی جدوجہد بھی پاکستان کی مرکزی حکومت کی مشرقی بنگال کے جائز نسلی احساسات کی ناجائز نفی کرنے کے نتیجے میں کامیاب ہو سکی۔ عوامی لیگ کے احتجاج کی قیادت کرتے ہوئے مجیب الرحمان نے ابتدا میں پاکستان کے آئینی فریم ورک میں رہتے ہوئے مشرقی پاکستان کے لیے صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کیا تھا، لیکن جب اسلام آباد کی فوجی جنتا نے وہاں کے عوام کے عوامی لیگ کے حق میں مینڈیٹ کا احترام کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان کی آواز دبانے کے لیے فوجی طاقت کا مظاہرہ شروع کیا تو نسل پرستی کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا جو آخر کار بنگلہ دیش کی صورت میں سامنے آیا۔ انڈیا میں کشمیر اور پنجاب کی طرح پاکستان میں بھی نسلی شناخت کے مسائل کے پیچھے خود ریاست کے ردِعمل کا ہاتھ کارفرما ہے۔ نسلی تضادات بذاتِ خود انڈیا یا پاکستان میں حقیقی معنوں میں تباہ کن نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ کارل مارکس نے یہودی مسئلہ کے بارے میں کہا تھا: "ریاست کا عیب دار تصور" کشمیر میں ریاست کی نافذ کردہ سرحدوں سے وفاداری تبدیل کرنے کے رجحان اور سندھ میں بھی اسی قسم کے خطرات کے پیشِ نظر اس مسئلہ کو نہایت سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے۔

پھر کشمیر اور سندھ کی موجودہ صورتِ حال کا آخر حل کیا ہے؟ میں صحافیانہ رویوں کے

مطابق اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں کہ ایک کثیر نسلی ریاست میں ہر نسلی گروہ کی ایک قوم ہو اور ہر قوم کے لیے ایک علیحدہ ریاست بنا دی جائے۔ قومیت کے بگڑے ہوئے عمل کی وجہ سے قومی سیاسی پالیسی کی حدود میں رہتے ہوئے ایک نسل پرست گروہ کے جمہوری حقوق کی خلاف ورزیاں...... جیسا کہ انڈیا میں کشمیریوں اور پاکستان میں سندھی مہاجر مسئلے...... ضروری نہیں کہ کشمیر اور سندھ کے معاملات کو خود اختیاری کے حقوق فراہم کردیں 9۔ بین الاقوامی تناظر میں یہ حقوق موجودہ دنیا کو کم از کم 100,000 قوموں میں تقسیم کر دیں گے کیونکہ 160 قومی ریاستوں میں بے شمار نسلی گروہ دریافت ہو چکے ہیں 10۔ اس کے علاوہ نسلی علیحدگی پسندی کی سیاست پاکستان اور ہندوستان جیسی اجتماعی معاشرت میں اقلیتی گروپوں کے استحصال کا علاج نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک اقلیتیں اکثریت میں تبدیل ہوتی ہیں نئی اقلیتیں وجود میں آ جاتی ہیں جن کے حقوق کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ سکھوں کی مجوزہ آزاد ریاست خالصتان کی مثال سامنے رکھیے۔ حالانکہ وہ ہندوستان کی کل آبادی کا 1.9% ہیں لیکن پنجاب میں ان کی آبادی کا تناسب 60% ہے۔ لہٰذا یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ وہ باقی 40% آبادی کے بکھرے ہوئے نسلی گروپوں کے حقوق کی ضمانت دے سکیں گے؟ بعینہٖ مسلح عسکریت پسندوں کے پیش نظر خواہ کشمیر کی آزادی ہو یا پاکستان کا اسلامی کشمیر دونوں صورتوں میں وہاں ہندو پنڈتوں کی ایک خاطر خواہ تعداد موجود ہوگی ان کا تحفظ یا بقا' دونوں ہر وقت داؤں پر لگی رہیں گی۔ بالکل اسی طرح آزاد سندھو دیش میں ایسے غیر سندھی طبقے جیسے مہاجر' بلوچ اور پٹھان کب تک قابلِ برداشت رہیں گے؟ اس موقعہ پر ایک قابلِ ذکر تبصرہ پیش خدمت ہے:

> یہاں ایک پریشان کن حقیقت موجود ہے کہ قوم پرستی کے خلاف ردِ عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی اور قومیت کے فروغ کا پروگرام پیشِ نظر ہے...... ایک بار اس میں کامیابی...... دیگر اقلیتوں کو پریشان کرنے کی راہیں کھول دے گی' بالکل اسی طرح جیسے وہ خود کسی دوسری قومیت کے حصولِ آزادی کی جدوجہد میں کامیابی سے پہلے پریشان رہتے تھے 11۔

اس لیے کشمیر اور سندھ کے لاینحل مسئلے کے لیے قومیت کے شایانِ شان طریقے اختیار کرنے پڑیں گے۔ اگر نسلی شناخت کے مسئلے کسی مرحلے پر انڈیا اور پاکستان میں دھماکہ خیز

صورت اختیار کرلیں' تو دونوں ملکوں میں' جیسا کہ زیرِ نظر تحقیق سے نشان دہی ہوتی ہے' مضبوط مرکزی قوت موجود ہے' جس کو مزید توانا کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کی مرکزی قوت کی ہوشیاری پر تبصرہ کرتے ہوئے دِینکر گپتا نے برملا کہا:

> نہ تو مذہب' نہ زبان' نہ منصفانہ معاشی ترجیحات' بلکہ احساسات سے ماورا کئی دوسرے ان گنت عوامل' کچھ ثقافتی' کچھ تہذیبی' کچھ تاریخی سب مل کر ہندوستان کو متحد رکھتے ہیں 12۔

جنوبی ایشیا کے دونوں ممالک میں' اتحاد میں تنوع' جمہوریت کی لازمی ضرورت ہیں' جس میں نچلے طبقات کی سماجی حیثیت کا تعین' نسلی' مقامی' مذہبی اور لسانی انفرادیت۔ ذیلی قومیت اور علاقائی وابستگیاں' بھی ہندوستان اور پاکستان کے وفاقی ڈھانچہ میں ایک حصہ کی حیثیت سے تسلیم کرنی ہوں گی۔ کشمیر کے سلسلے میں دیے گئے درج ذیل بیان کا سندھ کے مسائل پر بھی یکساں اطلاق ہوتا ہے:

> علاقائی اور قومی رشتے ایسے سیاسی دائرہ کار میں رہتے ہوئے مضبوط بنیادوں پر قائم کیے جا سکتے ہیں جو مختلف علاقے کے عوام کے جمہوری احساسات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہو...... جب قومی اور علاقائی مفادات کو مقدم رکھا گیا ہو...... تو قوم کو بذاتِ خود علاقہ پر بالادستی حاصل ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے 13۔

خوش قسمتی سے ہندوستان کی قومی پالیسی میں اتحادی سیاست کے ذریعے ایک جماعت کی بالادستی کا سدِ باب کیا گیا ہے' جس کی وجہ سے علاقائی سیاسی اور ترجیحی خواہشات بھی اس پالیسی کا حصہ ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں دہلی کو ہندوستان کا اور اسلام آباد کو پاکستان کا ترجمان نہیں سمجھنا چاہیے' یا بمبئی اور لاہور کو دہلی اور اسلام آباد کا متبادل نہیں جاننا چاہیے۔ ہندوستان کی نمائندگی کلکتہ' چنائی' وشاکھاپٹنم' امرتسر اور سری نگر میں اور اسی طرح پاکستان کی لاہور' کراچی اور پشاور وغیرہ میں ہونی چاہیے۔

حال ہی میں ہندوستان کی نسلی پیچیدگیوں کا ایک ممکنہ سیاسی علاج دریافت کیا گیا ہے۔ جس میں لسانی بنیادوں پر قائم صوبوں کو چھوٹا مرکزی حصہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر میں سنجیدگی

کے ساتھ اس طریقہ کار کے قابلِ عمل ہونے کے بارے میں خدشات رکھتا ہوں۔

اول تو یہی بات کہ ہندوستان میں چھوٹے صوبوں کی انتظامیہ کتنی بہتر ہے کہ وہ عوام کے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھ سکے؟ شمال مشرق میں کئی ریاستیں وجود میں آ چکی ہیں' جن میں سے ایک کبھی صوبہ آسام ہوا کرتا تھا' اس مثال کے باوجود علاقے میں Good Governance کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس مرکز گریز مقامی انتظامیہ کا استحقاق رکھنے والے بڑے صوبے' جیسے کیرالہ' مشرقی بنگال اور تریپورہ وغیرہ میں جدید اور بہتر طرزِ حکومت کا تجربہ قابلِ تقلید ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا مسئلہ صوبوں کی علاقائی وسعت کا نہیں ہے۔ جس بات کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ سیاسی لیڈروں اور حکمران جماعتوں کا جذبۂ خدمت ہے۔

دوسری یہ کہ شکوک وشبہات ہیں کہ وفاقی اکائیاں ہندوستان کے پہلے سے موجود مضبوط وفاقی مرکز کے تصور کو مزید مضبوط بنانے کا باعث بن جائیں گے۔ اس طرح نسبتاً چھوٹے صوبے لازمی طور پر وفاقی حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کی پوزیشن میں نہیں رہیں گے۔ مستقل طور پر مرکزی حکومت کے دستِ نگر بنے رہنا نئی دہلی کے لمبے ہاتھوں کو مزید استحکام بخشنے کے مترادف ہوگا۔ اور موجودہ وفاقی پالیسیاں جاری رکھنے کا مطلب ہوگا کہ علیحدگی پسند اور خلفشار پیدا کرنے والے گروہ اپنی من مانیاں کرتے رہیں۔

تیسری یہ کہ چھوٹے صوبوں کی سیاست ہندوستان کی قومی پالیسی کی دوشقوں میں پنہاں پیچیدگی سمجھنے سے قاصر رہی ہے: علاقائی عدم توازن اور ذات پات کی تفریق۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چھوٹے خودمختار صوبوں کے قیام میں ان مسائل کے حل کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں گے۔ ملک کے موجودہ چھوٹی زمینداریوں کے نظام میں غیر پیداواری شعبے کے لیے کچھ نئی انتظامی آسامیاں پیدا کرنے سے نئی انتظامی حدود میں ہندوستان کی نظریاتی سرحدوں کے مسائل کس طرح حل کیے جا سکتے ہیں۔ جب تک غربت ختم نہیں کی جا سکتی اس وقت تک روزگار کی تلاش میں ریاستوں کے مابین ہجرتوں کا سلسلہ نہیں روکا جا سکتا۔ روزگار کے محدود وسائل اور تقسیم شدہ قومی شناخت آبادیوں کے مابین دوریاں پیدا کرتی رہے گی۔ موجودہ حالات میں چھوٹے صوبوں کی سیاست' بائیں بازو اور جمہوری تحریکوں سے توجہ ہٹا دیتی ہے' جو

ہندوستان کی اجتماعیت پر مبنی سیاسی پالیسی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

اس وقت ہندوستان کی بنیادی ضرورت موجودہ صوبوں کو علاقائی خود اختیاری کے حقوق تفویض کرنا ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ صوبائی اور مرکزی رابطے مضبوط ہوں گے، وفاق کی نگرانی میں آزاد معیشت کے حامل اضلاع مقامی نوعیت کے نسلی احساسات کا بھی خاطر خواہ احترام کرسکیں گے۔ Boro Autonomous Council، تری پورہ کی خودمختار ضلع کونسل اور گورکھالینڈ پہاڑی کونسلوں کا قیام صحیح سمت میں درست اقدامات ہیں۔ حکومتِ ہند کو چاہئے کہ ان کونسلوں کو مناسب مالی معاونت اور انتظامی تعاون فراہم کرے جو ان کی مقامی اور انتظامی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ثابت ہوسکیں۔ علاقائی خودمختاری ایک طرف تو علاقے کی زبان، ثقافت اور اقلیتی گروپوں کی سماجی شناخت کی بہتر طریقے سے پرداخت کرسکے گی اور دوسری طرف انتظامی اختیارات مقامی انتظامیہ کو منتقل کرنے سے ان کو قومی سیاسی دھارے میں شامل کرنے کا سبب بنیں گے، جس کی وجہ سے وہاں کی بنیادی ضروریات بھی بروقت پوری کی جاسکیں گی۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے ایسے علاقے کے لوگوں کی پورے صوبے کی انتظامی ملازمتوں اور تعلیمی مواقع تک رسائی آسان ہوجائے گی۔ اس طرح تمام کشمیریوں، بہار کے جھارکنڈیوں، اترکھنڈ ریجن کے پہاڑی باشندوں، اترپردیش کے علاقے اور دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کے نیپالی بولنے والے طبقوں کو خاطر خواہ فائدے حاصل ہوسکیں گے۔

کشمیر اور سندھ کے مسائل پر موجودہ تحقیق سے دونوں مسائل کی علاقائی سمتوں کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ ان تمام مسائل کے حل کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں بنیادی طور پر اعتدال پسند رویوں کی ضرورت ہے۔ خوش قسمتی سے حالیہ بدمزگیوں کے باوجود، حقائق کو تسلیم کرنے کی کچھ مثبت نشانیاں بھی ظاہر ہوئی ہیں۔ پاکستان کے گذشتہ پارلیمانی انتخابات کے دوران مسئلۂ کشمیر کو کوئی خصوصی اہمیت نہیں دی گئی۔ دونوں ملکوں میں سول سوسائٹی کے بااثر طبقات بتدریج اس حقیقت کو سمجھنے لگے ہیں کہ باہمی ٹکراؤ کے مقابلے میں باہمی تعاون زیادہ موثر طریقہ ثابت ہوسکتا ہے14۔ مفاہمتی عمل میں مئی 1998 کے جوہری مقابلہ کی وجہ سے عارضی رکاوٹ ضرور آگئی تھی، مگر دونوں ملکوں کی حکومتیں امن کے لیے

عمومی دباؤ کونظر انداز نہیں کر سکیں۔ ہندوستان کے وزیر اعظم کا بس کے ذریعے دورۂ لاہور اور فروری 1999 میں اعلانِ لاہور پر دستخط کرنے سے' بڑھتے ہوئے ثقافتی اور کاروباری وفود کے تبادلے اور پاکستان سے انڈیا کو بجلی کی فراہمی تک یہ سب اسی سبب سے سامنے آنے والی خیر سگالی کی علامات ہیں۔ جب مئی' جون 1999 میں لائن آف کنٹرول پر واقع کارگل سیکٹر پر مسلح افواج کی یلغار ہو رہی تھی اس وقت سرحد کے دونوں طرف کے عوام امن کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ ایک کسان سکھ جندر سنگھ نے کہا' ہمیں جنگوں کی ضرورت نہیں ہے' ......ایک اور زراعت پیشہ بلوندر سنگھ جس کی زمین پنجاب میں پاکستان اور ہندوستان کی سرحد پر خاردار تاروں کے ساتھ ساتھ واقع ہے' کہتا ہے کہ' جنگ ہمارے دیہاتیوں کی آخری ترجیح ہے' یہ نہ صرف ہمیں موت کے دروازے پر لا کھڑا کرتی ہے بلکہ ہماری پوری زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہے'16۔ جس وقت بلوندر سنگھ جنگ کی مذمت کر رہا تھا اس وقت وہ افسوس کر رہا تھا کہ وہ پکے مکانات اس لیے نہیں بنا سکتے کہ نہ جانے کب دوسری جنگ چھڑ جائے' اس طرح وہ برصغیر کے باشندوں کے بنیادی حق کے لیے آواز اٹھا رہا تھا۔ کارگل کا افسوسناک واقعہ بھی لاہور دہلی بس سروس منقطع کیے جانے کا باعث نہ بن سکا۔ پاکستان سے آنے والے تمام مسافروں نے بڑھتی ہوئی کشیدگی کی مذمت کی۔ ایک معمر خاتون نے اپنے ساتھی مسافروں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

> دونوں طرف کی حکومتیں امن کے ساتھ رہ کر دونوں طرف کے لوگوں کو سکون کے ساتھ ملنے کیوں نہیں دیتی؟ ہم آئندہ کسی جنگ کے حق میں نہیں ہیں 17۔

پاکستان میں بھی کارگل کشیدگی پیدا کرنے پر حکومت کی پالیسی پر کھلی تنقید کی گئی 18۔ انڈو پاک کے مابین باہمی دلچسپی کے دوطرفہ تعمیری ماحول کے ذریعے یقیناً کشمیر اور سندھ کے مسائل سے دونوں ملکوں کی قومی پالیسی کے مطابق نمٹنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم اپنے معاشرے میں موجودہ مرکزی سوچ کی حامل ثقافتوں کو اپنے قومی ڈھانچوں کے اندر رہتے ہوئے ماضی کی طرح رواداری' جمہوری اور قومی ثقافتوں کو ترجیحی مقام اور مخلوط ثقافتوں سے بدلنے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں اپنی ثقافتوں اور مخلوط

معاشروں کو قومی شناخت کو مجروح کیے بغیر محفوظ رکھنا وقت کی ضرورت ہے۔ حالیہ تحقیق 19 نے آزاد جمہوری نظام کے سماجی تقاضوں کے تحت نسل پرستی کے متوقع خاتمہ کا امکان تو کم کر دیا ہے' اس کی وجہ خواہ گلوبلائزیشن ہو یا منتشر قومیتوں کا باہمی اشتراک 20۔ اس کے علاوہ دنیا کے سیاسی رجحانات نسل پرست قومیت کو اجتماعی معاشروں کے تمام ارکان کے واسطے یکساں حقوق حاصل کرنے کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایک مبصر کے خیال میں نسلی قوم پرستی کے ذریعے' نمائندگی کے نئے امکانات' سیاسی نظاموں سے خارج شدہ مفادات تک رسائی' اور فیصلہ کرنے کے عمل میں اصلاحات اور سیاسی اکھاڑے کے قوانین وضع کرنا آسان ہو جاتا ہے 21۔

بحالتِ موجودہ نئی دہلی اور اسلام آباد دونوں کو نسلی شناخت کے معاملے کو محض لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ سمجھتے رہنے کی اپنی روایتی پالیسیاں ترک کر کے نو آبادیاتی طرز کے قوانین بنا کر ایسی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے جس سے ان مسائل کا سامنا کرنا آسان ہو جائے۔ جیسا کہ انڈیا کا دہشت گرد اور انتشار پسند سرگرمیوں سے بچاؤ کا ایکٹ' یا پاکستان کا 1999 کا ترمیم شدہ Anti Terrorism Ordinance۔ نہ تو ہندوستان کے ایسے بیانات کچھ معنی رکھتے ہیں کہ انڈیا پاکستان مذاکرات آزاد کشمیر کو خالی کرانے کے لیے منعقد کیے جا رہے ہیں 22۔ اور نہ اسلام آباد کے نجم سیٹھی جیسے نمائندہ صحافی کو اس الزام کے تحت خاموش کرنے کے اقدامات کچھ حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ RAW سے تعلق رکھتے ہیں۔ BJP کا 23 جون 1999 کو شام پرشاد مکرجی کی سالگرہ کو یومِ کشمیر کے طور پر منانا بھی یکساں قابلِ مذمت تھا' حالانکہ ہندو مہا سبھائی لیڈر کی شہادت کو ملکی سطح پر جموں اور کشمیر کی ریاست کے ساتھ اتحاد کی کوششوں کے اعتراف میں شایانِ شان طریقے سے منایا جانا تھا۔ ایسی کارروائیوں کے بجائے دونوں ملکوں کو کشمیر اور سندھ کے مسائل پر کسی سیاسی تصفیے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہندوستان کے سابق چیف آف آرمی اسٹاف اور حالیہ پارلیمنٹ کے ایک منتخب ممبر جنرل شنکر رائے چودھری کا بھی یہی خیال ہے کہ محض فوجی طاقت کے ذریعے علیحدگی پسندی کی کارروائیوں پر قابو نہیں پایا جا سکتا' اس کے بجائے مثبت مذاکرات کا عمل شروع کرنا چاہیے 23۔ جو کچھ ہمیں کرنا چاہیے وہ دونوں ملکوں کے حکمرانوں کی طرف سے قومی اتفاق رائے کا بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں' بلکہ دونوں پڑوسی

ملکوں کے مابین نچلی سطح پر جمہوریت کو وسعت دینا' معاشی اور معاشرتی تضادات کو دور کرنا' اور مساوات کی بنیاد پر سیاسی نظام تیار کرنا دونوں کی بنیادی ضرورت ہے۔قومی ریاستی احساسات اور ذیلی علاقائی پہچان کو دونوں ملکوں میں یکساں اہمیت دی جانی چاہئے۔اسی صورت میں دونوں ملک قومیت کی تعمیر کی حکمت عملی اختیار کر کے جنوبی ایشیا میں قومیت کے تصور کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔اور نسلی اجتماعیت دونوں ملکوں کی سلامتی اور بقا کی ضمانت بن جائے گی۔



حوالہ جات

1. A classic exposure of this view is found in S. Harrison, India : *the most dangerous decades.* (Princeton : 1960)
2. See for instance M. Yapp, 'Language, religion and political identity : A general framework' in D. Taylor and M. Yapp eds. *Political Identity in South Asia* (London : 1979).
3. R. Ghosh ed. *Protest movements in South and South-East India : Traditional and Modern Idioms of Expression* (Hong Kong : 1987).
4. D. Gupta, 'The Indispensable Center . Ethnicity and Politics in the Indian State', *Journal of Contemporary Asia*, Vol.20, No.4, 1990.
5. Cited in M.J. Akbar, *India : The Siege Within* (Harmondsworth : 1985), p.267.
6. D. Gupta, 'The Indispensable Center : Ethnicity and Politics in the Indian State'.
7. This is the hypothesis of my current major research project on 'Ethnic Politics in North-East India'.
8. Cited in *Sindh Quarterly*, Vol.XII, No.1, 1984. Also see *The Friday Times* 13-19 August 1992, p.13.

9. S. Bose, for instance tends to present the Kashmiri ethnic assertion as a movement for self-determination. See his *The Challenge in Kashmir: Democracy, Self-Determination and a Just Peace* (New Delhi : 1997).
10. T.H. Eriksen, 'Ethnicity and Nationalism : Definitions and Critical Reflections', *Bulletin of Peace Proposals*, Vol.23(2) 1992, pp.219-224.
11. *Ibid.*, p.224.
12. D. Gupta, *The Context of Ethnicity : Sikh Identity in a Comparative Perspective* (Delhi : 1997), p.17.
13. N. Bhattacharya's Preface to Balraj Puri, *Kashmir Towards Insurgency* (Tracts For The Times/4, New Delhi : 1995 ed.), p.vii.
14. See S. Ahmed & S. Das, 'Movements of People, Ideas, Trade and Technology : Towards a Peaceful Coexistence of India and Pakistan' (CMC Occasional Paper, Albuquerque March 1998); S. Das. 'Regional Security through Constructive Bilateralism : Prospects for South Asian Stability' *Economic and Political Weekly* Vol. XXXV, No. 49, 2-8 Dec. 2000. Also see N. Kamal, 'Pakistani Perceptions and Prsopects of Reducing the Nuclear Danger in South Asia' (CMC Occasional Paper, Albuquerque, January 1999).
15. *Times of India* 29 May 1999.
16. *Ibid.*
17. *Times of India* 30 May 1999.
18. S. Das, 'Regional Security through Constructive Bilateralism.
19. See A. Melucci, *Nomads of the Present* (London : 1989); K. Yoshino, *Cultural Nationalism in Contemporary Japan : A Sociological Enquiry* (London : 1994); J. Hutchinson, *Modern Nationalism* (London : 1994); W. H. McNeill, *Polyethnicity and National Unity in World History* (Toronto : 1986); A. D. Smith, *Nations and Nationalism in a Global Era* (Cambridge : 1996 ed).
20. For the literature on the imminent dissolution of ethnic identities see R. Breton, 'From ethnic to civic nationalism', *Ethnic and Racial Studies*, II :I (1998). E. Hobsbawn, Nations and *Nationalism since 1780* (Cambridge : 1990); S. Castles, et. al., *Mistaken Identity* (Sydney : 1992); E. Gellner, *Nations and Nationalism* (Oxford : 1983); M. Featherstone ed. *Global Culture : Nationalism, Globalisation and Modernity* (London : 1990); A. Giddens, *The Consequences of Modernity* (Cambridge : 1991).
21. See J. Hutchinson and Anthony D. Smith eds. *Ethnicity* (Oxford : 1996), p.369.
22. *The Nation*, 20 November 1998.
23. Cited in H.K. Barpujari, 'North-East India : The Problems and Policies since 1947', General President's Address, Indian History Congress, Calcutta, 1995.

کتابیات

A: Books & Articles

Abbas, Zaffar 'Words of violence', *The Herald*, July 1990.
—— 'Sindh : Falling Apart?', *The Herald*, May 1989.
Abdullah, Farooq, *My Dismissal* (Delhi 1985).
Ahmar, Moonis, 'Security Perception in the Indo-Pakistan Relationship', *Pakistan Horizon Quarterly*, vol. XXXVII, no. 1, 1984.
—— 'Ethnicity and State Power in Pakistan : A case study of Karachi crisis' unpublished paper, 30 May 1996.
Ahmed, Akbar S., *Pakistan Society* (Karachi 1984).
Ahmed, Eqbal, 'Zia's Hand in Sindh's Agony', *The Friday Times*, 28 July-1 August.
—— 'The Challenge in Sindh', *The Dawn*, 21 June 1992.
—— 'Behind the crisis in Sindh', *The Friday Times*, 19-25 July 1990
Ahmed, Feroz, 'The Rise of Muhajir Separatism', *South Asia Bulletin* vol. 8, 1988.
—— 'Sindh : Another Bangladesh', *Pakistan Democratic Forum* Nov., 1983.
—— *Pakistan's Problem : Ethnicity and Politics in Pakistan* (Karachi 1998).
—— *Ethnicity and Politics in Pakistan* (Lahore 1998).
—— 'The Language Question in Sindh' in S. Akbar Zaidi ed. *Regional Imbalances and The National Question in Pakistan* (Lahore 1992).
—— 'Agrarian change and class formation in Sindh', *Economic & Political Weekly* (hereafter *EPW*), vol. 19, no. 39.
—— 'Ethnicity and Politics : The Rise of Muhajir separatism' *South Asia Bulletin*, vol. & nos. 1 and 2 1988.
—— 'Pakistan's Problems of national integration' in Mohammad Asghar Khan ed., *Islam, Politics and the state : The Pakistan Experience* (London 1985).

—— 'Agrarian change and class formation in Sindh', *EPW*, vol. XIX, no. 39, 29 Sept., 1984.

– — 'Transformation of agrarian structure in Pakistan' in Ngo Manh, Lan ed., *Unreal growth : Critical Studies in Asian Development* , vol. II. (New Delhi 1984)

Ahmed, Ishtiaq, *Nation and Ethnicity in contemporary South Asia* (London & New York 1998).

Ahmed, Samina, 'Centralization, Authoritarianism and the Mismanagement of Ethnic relations in Pakistan' in Michael E. Brown and Sumit Ganguly eds., *Government Policies and Ethnic Relation in Asia and the Pacific* (Mass. 1996).

—— 'Pakistan at fifty : A tenuous Democracy', *Current History*, Dec., 1997.

Ahmed, Samina and Das, Suranjan, ' Movements of People, ideas, trade and technology : towards a peaceful coexistence of India and Pakistan' (CMC Occasional Paper, Albuquerque March 1998).

Ahmed, Viqar and Amjad, Rashid, *The Management of Pakistan's Economy 1947-82* (Karachi 1984).

Akbar, M. J., *The Siege Within : Challenges To A Nation's Unity* (Harmmandsworth 1985).

—— *Kashmir : Behind the vale* (New Delhi 1991).

Akhtar, Shaeen, 'Uprising in India-held Jammu and Kashmir', *Regional Studies*, vol. IX, no. 2, 1991.

—— 'Human Right Violations in IHK', *Regional Studies* vol. IX, no. 2 Spring 1993.

Alavi, Hamza, 'The State in Post-colonial Societies : Pakistan and Bangladesh', *New Left Review* (July/August 1974).

—— 'Class and State in Pakistan' in Gerdezi et. al. eds., *Pakistan : The Roots of Dictatorship* (London 1983).

—— 'Nationhood and Nationalities in Pakistan', *EPW*, 24, 27, 1989.

—— 'Nationhood and communal violence in Pakistan', *Journal of Contemporary Asia*, vol. 21, 2, 1991.

Ali. Ameenth Azam, 'No business as usual', *The Herald*, March 1987.

—— 'Sindh : A Point of No Return', *The Herald*, July 1990.

Ali, Babar, 'Political forces in Sind' in S. Akbar Zaidi ed., *Regional Imbalances and the National Question in Pakistan* (Lahore 1992).

—— 'The National Question in Pakistan', *EPW*, vol. 21, no. 43.

—— 'Sindh and Struggle for Liberation', *EPW*, vol. 22, no. 10.

—— 'Pakistan's Decade of Generals', *EPW*, 22, 28, 1987.

Ali, Mubarak, 'In the shadow of History' (Lahore 1993), *The Herald* 1986, July.

Ali, Salamat, 'Trouble in Kashmir', *Far Eastern Econonlic Review*, 18 May 1989.

——— 'Line of control', *Far Eastern Economic Review*, 10 May 1990.

Ali, Tariq, *Pakistan : Military Rule or People's Power* (London 1970).

Amin, Tabir & Bijwa, Nisar, *Kashmir Report* (Institute of Policy studies, Islamabad : June 1990).

Amin, Tahir, *Ethno-National Movements of Pakistan : domestic and international factors* (Islamabad 1988).

Amjad, Rashid, *Private Industrial investment in Pakistan 1960-70* (Cambridge 1982).

Anderson, B., *Imagined Communities : Reflections on the origin and spread of Nationalism* (London 1983).

Ardener, E., *The Voice of Prophecy and other Essays* (Oxford 1989).

Arnold, David, *Police Power and Colonial Rule : Madras 1859-1947* (New Delhi 1986).

Aslam, Talat, 'MQM : The Trial Begins', *The Herald* February 1988.

Ayoob, Mohammed ed., *Regional Security in the third world : Case Studies from South East Asia and the Middle East* (Kent 1996).

Azar, Edward E. and Chung-in Moon eds., *National Security in the Third World : the Management of internal and external threats* (Aldershot 1988).

Azmi, Ahmed A., *Kashmir : An Unparalled Curfew* (Karachi 1990).

Bagchi, Amiya Kumar, 'Public Sector Industry and Quest for Self-reliance in India', *EPW* 17, 14-16 April, 1982.

Bahadur, Kalim, 'National Integration in Pakistan : The case of Muhajir Qawmi Movement (MQM)', *Journal of Peace Studies*, vol. II, Issues 12-13 September-December 1995.

Bajpai, Kanti et. al., *Jammu and Kashmir: An agenda for the future* (Dehli Policy Group:Delhi, March 1999)

Bakhtiar, Idrees, 'Estranged Bedfellows', *The Herald*. March 1997

——— 'The MQM: Dead or Alive', *The Herald*, December 1992.

Ballard, Roger, 'Kashmir Crisis View from Mirpur', *EPW*, 2-9, March 1991, XXVII, 90 and 91.

Baloch, Inayatullah, 'The Baluch Question in Pakistan and the Right of Self Determination' in W. Zingle, *Pakistan in the 80s : Law and constitution* (Lahore 1985)

Banton, Michael, 'Modelling Ethnic and National Relation', *Ethnic and Racial Studies*, 17. 1. 1994.

Banuazizi, Ali and Weiner Myron eds., *The state, religion and ethnic politics in Pakistan, Iran and Afghanistan* (Lahore 1987).

Bardhan, Pranab, 'Domiant Proprietary classes and Indian Democracy' in Atul Kohli ed., *India's Democracy: an analysis of changing state-society relations* (Princeton 1990).

Barpujari H. K., 'North East India : The Problem and Policies since 1947', General President's Address, Indian History Congress, Calcutta 1995.

Barth, F. (ed.), *Ethinc Groups and Boundaries : The Social Organization of Cultural Difference* (London 1969).

Basu, Subho & Das, Suranjan eds., *Electoral Politics in South Asia* (Calcutta 2000).

Bazaz, Prem Nath, *The History of Struggle for Freedom in Kashmir* (1976)

—— *The shape of things in Kashmir* (New Delhi 1965).

—— *Kashmir in crucible* (New Delhi 1967).

Beg, Aziz, *Captive Kashmir* (Lahore 1957).

Beg, Mahammad Afzal, *Sheikh Abdullah defended* (Srinagar 1961).

Bettleheim, C., *India Independent* (Tr. W.A. Caswell, London 1968).

Bhatia, Prem, 'The Kashmiri Muslims' psyche', *Amrita Bazar Patrika* (Calcutta) 3 September, 1988.

Bhattacharya, Ajit, *Kashmir : The Wounded Valley* (New Delhi 1994).

Bose, Jyoti et. al. eds., *Peoples Power in Practice : 20 years of Left Front in West Bengal* (Calcutta 1997).

Bose, N. K., 'Social and Cultural Life in Calcutta', *Geographical Review of India*, 20, December 1958.

Bose, Sumantra, *The Challenge in Kashmir: Democracy, Self-Determination and a Just Peace* (New Delhi 1997).

Brass, Paul, *The Politics of India after Independence, New Cambridge History of India*, vol. IV : 1 (Cambridge 1990).

Brass, Paul, *Ethnicity and Nationalism* (New Delhi 1991).

Breton, Reymond, 'From ethnic to civic nationalism', *Ethnic and Racial Studies* II : 1.

Brines, Russell, *The Indo-Pakistani confict* (London 1968).

Brecher, Michael, *The Struggle for Kashmir* (New York 1953).

Burke S. M., *Pakistani Foreign Pollcy: A Historical Analysis* (London 1973).

Burki, Shahid J. 'Twenty Years of the Civil Service of Pakistan: A Reevaluation', *Asian Survey* vol. 9, no. 4, April 1969.

——— *Pakistan : The continuing search for Nationhood* (Boulder 1991).

Buzan, Barry, Regional Security (I) *Arbejdspapirer No.28* (Copenhagen 1989).

——— *People, States and fear; the national security problem in international relations* (Sussex 1983).

Callard, Keith, *Pakistan: A Political Study* (London 1977).

Castles, Stephen et. al, *Mistaken Identity* (Sydney 1992).

Chadda, Maya, *Ethnicity, Security and Separatism in India* (Columbia University Press 1997).

Chagla M. C., *Kashmir 1947-1985* (New Delhi 1965).

Chakrabarti, Shyamal, *Kashmir : Atit, Bartaman, Bhabishyat* (in Bengali Calcutta 2000)

Chandra, Nirmal K. Role of Foreign Capital in India', *Social Scientist*, no. 57, 1977.

Chatterjee, Rakhahari, 'Ethnicity and Confict in South Asia : A Sudy of two cases', in Kanti Bajpai et. al. eds., *Essays in Honour of A. P. Rana* (Baroda 1989).

Chaudhuri, Asim, *Private Economic Power in India : A study in Genesis and Concentration* (Delhi 1975).

Chitkara, M. G., *Muhajir's Pakistan* (New Delhi 1996).

Chopra, V. D., *Genesis of Indo-Pakistan conflct* (New Delhi 1990).

Clad, James and Ali, Salamat, 'Will words lead to war?', *Far Eastern Economic Review*, 26 April 1990.

Cohen, P. Stephen, 'Kashmir: The Roads Ahead' in Stephen P. Cohen and Kanti Bajpai ed., *South Asia after the Cold War: International perspective* (Boulder : 1993).

Committee For Initiative on Kashmir, *India's Kashmir War* (New Delhi 1990).

Cronin Richard P. and Lepoer, Barbara Leitch *South Asia : U.S. Interests and Policy Issues* (Congressional Research Service : The Library of Congress, Washington DC. 12 Feb. 1993).

——— *The Kashmir Dispute : historical background to the current struggle.* (Congressional Research Service, Library of Congress, Washington DC, 19 July 1991).

Das, Suranjan, 'The Indian National Congress and The Dynamics of Nation-Building : Aspects of Continuity and Change', in T. V. Sathyamurthy ed., *State and Nation in the Context of Social Change* vol. I (Delhi 1994).

——— 'Regional Security through Constructive Bilateralism: Prospects for South Asian Stability', *EPW*, vol. XXXV, no. 49, 2-8 December 2000.

Das Gupta, Jyoti Bhusan, *Jammu and Kashmir* (The Hague 1968).

De, Barun and Das, Suranjan 'Ethnic Revivalism : Problems in the Indian Union' in K.S. Singh ed., *Ethnicity, Caste and People : India and the Soviet Union* (New Delhi 1990).

Desmond, Edward, 'The insurgency in Kashmir': *Contemporary South Asia*. 1985, 4(1), March 1995.

Devos, George A., and Romanucci, L Ross ed., *Ethnic Identity : cultural continuties and change* (Chicago 1982).

Dhar, Somanth, *Jammu and Kashmir* (New Delhi 1977.

Dixit, Jyotinder N., *My South Block Years: memoirs of a foreign secretary* (New Delhi 1998).

Dole, N. Y., 'Kashmir : A Deep-rooted Alienation', *EPW*, 5-12 May 1990, XXV, 18 and 19.

Douglass, A. William, 'A Critique of Recoent Trends in the Analysis of Ethnonationalism', *Ethnic and Recial Studies*, vol. III, no. 2 April 1988.

Dua, B. P., *The Indian National Congress and Indian Society* 1885-1985: *ideology, social structure and political dominance* (Delhi 1989).

Edward, John, *Languages, society and identity* (Oxford 1985).

Embree, T. Ainslie, 'Pluralism and National Integration: The Indian Experience', *Journal of International Affairs*, vol. 27, no.1, 1973.

Enloe, Cynthia 'Religion and ethnicity' in P. Sugar ed., *Ethnic Diversity and Conflicts in Eastern Europe* (Santa Barbara 1980).

Engineer, Asghar Ali, *Secular crown on fire: The Kashmir Problem* (Delhi 1991).

Eriksen, Thomas. H., 'Ethnicity and Nationalism: Definitions and Critical Reflections', *Bulletin of Peace Proposals*, vol. 23 (2) 1992.

—— *Ethnicity and Nationalism* (London 1993).

Esposito, John L., 'Islam: Ideology and Politics in Pakistan' in Ali Banuazizi and Myron Weiner, *The state, religion, and ethnic politics: Pakistan, Iran and Afghanisthan* (Lahore 1987).

Featherstone, Mike, *Global Culture: Nationalism, Globalisation and Modernity* (London 1990).

Fernandes George, 'India's Policies in Kashmir:An Assessment and Discourse' in Raju G. C. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir : The roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992).

Ganar, Jabbar Abdul, *Kashmir and National Conference Politics 1975-1981* (Srinagar 1984).

Ganguly, Sumit, *The Crisis in Kashmir:Portents of War, hopes of Peace* (Cambridge 1997).

—— 'The Prospects of war and peace in Kashmir in' Raju G. C. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir : The roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992).

Geertz, Clifford, 'The new Integration Revolution: Primordialist sentiments and civil politics in New States' in Cliford Geertz ed., *Old Societies and New States* (Glencow 1988).

Gellner. Ernest, *Nations and Nationalism* (Oxford 1983).

Ghosh, Rajeswari (ed.), *Protest movements in South and South-east India: Traditional and Modern Idioms of Expression* (Hong Kong 1987).

Giddens. Anthony, *The consequences of Modernity* (Cambridge 1991).

Glazer. N. and Moynihan D. P., *Ethnicity* (Harvard 1975).

Gopal. Sarvapalli, *Jawaharlal Nehru: A Biography 1947-56* vol. II (New Delhi 1979).

—— *Jawaharlal Nehru : A Biography*, vol. III (Delhi 1985).

Gossman, Patricia, 'An International Human Rights Perspective' in Rober G. Wrising ed., *Kashmir: Resolving Regional Confiict. A symposium* (Meerut 1998).

Gough, K. and Sharma. H. P. eds., *Imperialism and Revolution in South Asia* (New York 1973).

Gramsci, Antonio, *Selections from the Prison Notebooks*, (Ed. & Tr. Quintin Hoare and Geoffrey Nowell Smith, London 1990).

Gupta, Dipankar, *The Context of Ethnicity: Sikh Identity in a Comparative Perspective* (Delhi 1997).

—— 'The Indispensable center: Ethnicity and Politics in the Indian State'; *Journal of Contemporary Asia*, vol. 20, no. 4, 1990.

Gupta, Sisir, *Kashmir: A Study in Indo-Pakistan Relations* (Bombay 1967).

Gurmani, M. A., 'The Pakistan Minister for Kashmir Affairs', *Pakistan Times* 14 Jan 1949.

Haq, Zia-ul-, 'Islamic Processes : Realities and Trends', *South Asia Bulletin*, 8-1988.

Harrison, Selig S., *India : the most dangerous decades* (Princeton 1960).

—— *In Afghanisthan's Shadow: Baluch Nationallsm and Soviet Temptations*, (New York 1981).

—— 'Ethnicity and Political Stalemate in Pakistan' in A. Banuzzui et. al. eds., *The State, Religion, and Ethnic Politics* (Lahore 1987).

——'Ethnicity and Political Stalemnte in Pakistan' in S. Akbar Zaidi ed. *Regional Imbalances and the National Question in Pakistan* (Lahore 1982).

Hasan, Arif, 'Power and Powerlessness', *The Herald*, February 1988.

—— 'A Generation comes of Age', *The Herald*. October 1987.

—— 'A Decade of Urban Decay', *The Herald*. January 1990.

Hasan, S. et.al., *Kashmir, Imprisoned : A Report* (Delhi 1990).

Hashmi, Bilal, 'Dragon Seed : Military in the state' in Hasan Gandezi and Jamil Rashid eds., *Pakistan the Roots of Dictatorship : the political economy of a praetorian state* (Delhi 1986).

Hasnain, Ghulam, 'Carnage city' *Newsline*, July 1998.

Hassan, Arif, 'The MQM factor', *The Herald*, March 1987.

Hayes, Louis D., 'The impact of U. S. policies on Kashmir conflict', *International Studies*, No. 2.

Heisler, Martin O, 'Ethnic and Ethnic Relations in the Modern West' in Joseph Montville ed., *Conflict and Peace-making in Multiethnic Societies* (Lexington 1990).

Hewitt, Verson, *Reclaining the Past : The Search for Political and Cultural Unity in Contemporary Kashmir* (London 1995).

Hobsbawm, Eric, *Nations and Nationalism since 1780* (Cambridge 1999).

Hoodbhoy, Nafisa, 'The rise of the Sindhi Press', *The Herald*, June 1995

Horowitz, Donald, *Ethnic Groups in Conflict* (Berkeley 1985).

—— 'Making Moderation Pay : The comparative politics of ethnic conflict management' in Joseph V. Montville ed., *Conflict and Peace-making in Multiethnic societies* (Lexington 1990).

—— 'Ethnic conflict management for policymakers' in Joseph V. Montville ed., *Conflict and Peace-making in Multiethnic Societies* (Lexington 1990).

Hussain, Altaf, *Safr-e-Zindagi and the Journey of Life* (Autobiographical Account of Altaf Hussain) (Lahore 1988).

—— *MQM constitutional petition in the Supreme Court of Pakistan* - Part-1 (Boston 1994).

Hussain, Karar, 'Sindh : The Rise and Growth of Nationalism', *Sindh Quarterly*, vol. XVI, no. 3, 1988.

Hussain, Mushahid & Hussain, Akmal, *Pakistan : Problems of Governance* (New Delhi 1993).

Hussain, Zahid, 'Sindh : A province Held to Ransom', *Newsline*, August 1998.

—— 'Sindh : Day of the Nationalist', *The Harald*, June 1998.

——'Sindh : Day of the Nationalist', *The Haraid*, 1988 June.
Hutchinson, John, *Modern Nationalism* (London 1994).
Hutchinson, John and Smith, D. Anthony eds., *Ethnicity* (Oxford 1996).
Islam, Rounaq, *Pakistan : Failure in national integration*. (Dhaka 1977 ed.).
Ispahani, Mahanaz, 'Pakistan : Dimensions of Insecurity', *Adelphi papers*, no. 246, Winter 1989/90.
Issacs, Harold, *Ideas of the tribe* (New York 1975).
Jagmohan, *My Frozen Turbulence* (New Delhi 1991).
Jain, Ajit Prasad, *Kashmir : What really happened* (Bombay 1972).
Jalal, Ayesha, *The State of Martial Rule : the Origins of Pakistan's Political Economy of Defence* (Cambridge 1990).
—— *The Sole Spokesman : Jinnah, the Muslim League and the Demand for Pakistan* (Cambridge 1985).
—— *Democracy and Authoritarianism in South Asia : A comparative and historical perspective* (Cambridge 1995).
——'Kashmir Scars'. *New Republic*, July 23 1990.
Jamal, Yusuf, 'Terror in the valley', *The Telegraph*, 6 November 1988.
Jha, Prem Shankar, *Kashmir 1947 : rival versions of history* (Delhi 1998).
Kak, B. L., *Kashmir: The Untold Story of Men and Masters* (Jammu 1974).
Kamal, Najir, 'Pakistani perceptions and prospects of reducing the Nuclear Danger in South Asia', *Times of India*, 29 May 1999.
Kandar, Sahid, *The Political Economy of Pakistan* (Lahore 1987).
Kaul, R. N., *Sheikh Mohammad Abdullah: A Political Phoneix* (Delhi 1985).
Kaul, Santosh, *Freedom struggle in Jammu & Kashmir* (Delhi 1990).
Kazi, Aftab 'Ethnic Nationalities, Education and Problems of National Integration in Pakistan', *Sindh Quarterly*, 1989, no. 1.
—— 'Ethnic Nationalism and Super-Powers in South Asia: Sindhis and Baluchis', *Journal of Asian and African Affairs*, vol. 1, July 1989.
Kennedy, H. Charles, 'The Politics of Ehnicity in Sindh', *Asian Survey*, vol. XXXI, no. 10, Oct-1991.
——'Managing Ethnic Conflict : The case of Pakistan', *Regional Politics and Policy*, vol. 3, Spring 1983, no. 1.
Khan Hayat S. S., *The Nation that lost soul : Memoirs of Sirdar Shaukat Hyat Khan* (Lahore 1995).
Khan, Akbar, *Raiders in Kashmir* (Islamabad 1970).
Khan, Asghar ed., *Islam, Politics & the State: The Pakistan experience* (London 1985).

Khan, Ayub, *Friends not Masters: A Political Autobiography* (Oxford 1967).

Khan, Darya. 'A Sindhi view' *Sindh Quarterly*. vol. XVII, no. 4, 1989.

Khan, H. Mahamood, *Underdevelopment and Agrarian Structure in Pakistan* (Boulder 1981).

Khan, Hafeez R., 'The Kashmir Intifada', *Pakistan Horizon*, vol. 23, no.2, April 1990.

Khan, I., *Fresh Perspectives on India and Pakistan* (Oxford 1985)

Khan, Ibrahim M. S., *The Kashmir Saga* (Lahore 1985).

Khan, M. Shafi *'Focus on Kashmir* : September 1989 Febuary 1990' (Institute of Policy Studies. Islamabad 1989).

Khan, Darya 'A Sindhi view', *'Sindh Quarterly*. vol. XVII, no.4, 1989.

Khan H. Mahamood *Underdevelopment and Agrarian Structure in Pakistan* (Boulder 1981).

Khan, Mohammad Asgar, 'Thoughts on Sindh', *Sindh Quarterly*, vol. XII, no. 2. 1984.

Khan, Mohammad Ishaq, 'Reflections on Kashmiri Nationalism' (Paper presented in the seminar on 'Towards understanding the Kashmir crisis' Jamia Milla Islamia, New Delhi, 13-15 November 2000).

Khan, Omar A., 'Political and Economic aspects of Islamisation' in Asghar Khan ed.. *Islam, Politics and The State : The Pakistan Experience* (London 1980).

Khan, R. Z., 'The Kashmir Question and Struggle for Identity' (Paper presented at a seminar on Kashmir, University of Sweden 11 & 12 April 1992).

Khan, Sairah Irshad, 'Living with violence', *Newsline*, Oct-1991.

Khory, Kavita, 'Separatism in South Asia: the politics of ethnic conflict and regional security' (unpublished Ph.D.thesis. University of Illinois at Urbana Champaign 1991).

Khuhro, Hamida ed., *Sindh through centuries* (Karachi 1993).

Kitromildes, Paschalls, 'Imagined communities and the origin of the national question in the Balkans', *European History Quarterly*. 19.2.1982.

Kohli, Atul, *The State and Poverty: The Politics of Reform* (Cambridge 1989).

Korbel Joseph, *Danger in Kashmir* (Princeton 1966).

Krishna, R., 'Growth, investment and poverty in midterm appraisal of 6th plan, *EPW*, 18, 47. 19 November 1983.

Kureishi, Omar, 'The Country that got derailed on its way to nationhood', *Asian Age*. 12 September 1999.

Lamb, Alastair, *Birth of A Tragedy: Kashmir 1947* (Hertignfordbury 1994).
—— *Crisis in Kashmir 1947-1966* (London 1966).
——*Incomplete Partition : the genesis of the Kashmir Dispute* (Herting fordbury 1971).
——*Kashmir: a disputed legacy* (Karachi 1992 ed.).
Langhari, J. R., 'Environmental Cncern: Kalabagh Dam and Sindh: Punjab Water Dispute in Pakistan' *Joural of Asian and African Affairs* vol-e, no. e, 1990.
——'The Kalabagh Dam and the Loss of Water to Sindh', *Sindh Quarterly*, vol. XIV, no. 4, 1981.
La Palembara, Joseph and Weiner, Myron, *Political Parties and Political Development* (Princton 1966).
Lieten, G., *Continuity and Change in Rural West Bengal* (New Delhi 1992).
Lillenthal, David, 'Another Korea in the Making, *Colliers*, 4 August 1951,.
Lockwood, E. David and Lepoel, L Barbara, *Kashmir: Confict and Crisis*, (Congressional Research Service, Library of Congress, Washington DC, 8 August 1991).
Lodhi, Maleeha, *Pakistan's encounter with Democracy* (Lahore 1994).
Maddison, A., 'The Historical origins of Indian Poverty', *Banca Nazionale Del Lavoro Quarterly Review*, 23, 92, 1970.
Madhok, Balraj, *Jammu Kashmir and Ladakh: Problem and Solution* (Delhi 1987).
—— *Kashmir: Centre of New Alignments* (New Delhi 1963).
Mahmood, Sohail, *Sindh Report* (Lahore 1989).
Majumder, Aunohita, 'A lost road map in J and K', *The Statsman*, 23 September 1999.
—— 'The Overbearing Past', *The Statesman*, 5 March 1998.
Malik, Bazaaz Gauri 'Genesis of Kashmir Trouble', *The Statesman*, 29 March 1990.
Malik, Iftikhar H., 'The Politics of Ethnic Sindh : Nation, Region and Community in Pakistan' in Subrata Mitra and R. Alison Lewis eds., *Subnational movements in Asia*. (Westview 1996).
—— 'The Kashmir Dispute : A Cul-de-Sac in Indo Pakistan Relation?' in Raju G.C., Thomas ed. *Perspectives on Kashmir : The roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992).
Malkani, K. R., *The Sindh Story* (Delhi 1984).
Maluka, Zulfikar Khalid, *The Myth of Constitutionalism in Pakistan* (Karachi 1995).

Manchanda, Rita, ' Loss of confidence', *Far Eastern Economic Review*, 3 September 1992.

—— 'Kashmir's worse-off half', *Himal South Asia*, May 1999.

Manzoor Faizili ed., *Kashmir Predilection* (Srinagar 1988)

Maqsood, Arshad, 'New Delhi and Kashmir : Integration or Alienation?', *The Kashmir Dossier*, February 1991.

Mayer, P. B., 'Development and Deviance : The Congress as the Raj' in J. Masselos ed., *Struggling and Ruling : The Indian National Congress 1885-1985* (Delhi 1987).

McNeill, William H., *Polyethnicity and national unity in world history* (Toronto 1986).

Mehkri, G. M., ' Random thoughts on Sindh : some painful and ominous realities Sindh and the immigrants from India', *Sindh Quarterly*, vol. XVI, no. 1. 1988.

—— 'The common man in Sindh', *Sindh Quarterly*, vol. XIII no. 1, 1985.

Melucci, Alberto, *Nomads of the present* (London 1989).

Mhaffee, Dc A., *Road to Kashmir* (Lahore).

Mir, Amir, 'The RAW factor', *Newsline*, April 1998.

Mirza, Mahamud, *Aaj Ka Sindh* (Lahore 1986).

—— 'Rise and fall of the MQM', *The Friday Times* 25 June-1 July 1992.

—— 'Altaf Hussain conspires to stage comeback', *The Friday Times*, 28 January-3 February 1993.

Montville, Joseph V., 'Epilogue : The Human factor revisited', in Joseph V. Montville ed., *Conflict and peacemaking in multiethnic societies* (Lexington 1990).

Morris-Jones, W. H., *Dominance and Dissent : Their Inter relations in the Indian Party System* (London 1966).

Mujtaba, Hassan, 'Sindhi, Separatism : Myth or Reality?' *Newsline*, February 1991.

——, 'Night without End'; *Newline* August 1991.

Mukherjee, Dilip, 'Pakistan's Growing Pains : Language Riots in Sindh', *Times of India* 17 July 1992.

Mullik. B. N., *My years with Nehru* (Bombay NY 1972).

Mumtaz, Khawar, 'The Gender Dimension in Sindh', in Kumar Rupesinghe and Khwar Mumtaj eds., *International Conflicts in South Asia* (New Delhi 1996).

Mumtaz, Khawar and Shaheed, Farida, *Women of Pakistan : Two steps forward one step back* (London 1987).

Munshi, Surendra, 'Their Feudal Lords' *The Telegraph*, 28 June 1999.
Mustafa, Seema, 'Why Kashmir is still haunting', *The Asian Age*, 25 September 1999.
Nandurkar G. M. ed., *Sardar Patel in Tune with the Millions* (Birth Century vol. II, Ahmedabad 1975).
——— *Sardar's letters–Mostly unknown* (Post Century vol. 1, part. 2, Ahmedabad 1980).
Narayan, Jay Prakash, 'The Need to Re-Think', *The Hindusthan Times*, 15 May, 1964.
Nayar, Kuldip, 'Polls in Kashmir', *The Hundustan Times*, 31 January 1998.
Nehru, Jawaharlal, *Independence and after* (New Delhi 1949).
Noman, Omar, *The Political Economy of Pakistan 1947-35*, (London 1988).
Noorani, A. G., 'The Betrayal of Kashmir : Pakistan's Duplicity and India's Complicity' in Raju G. C. Thoman ed., *Perspectives on Kashmir : The roots of conftict in South Asia* (Boulder 1992).
———'A pattern of outrages in Kashmir', *The Statesman Weekly* 8, May 1993.
Nossiter, T. J., *Marxist State Governments in India* (London 1988).
Oldenburg Philip, *India Briefing, 1990* (Boulder 1970).
Panhwar, M. H., 'The Economic Plight of Sindh under Pakistan', *Sindh Quarterly*, vol. XVIII, no. 2, 1990.
Papnek, Hanna, 'Pakistan's big Businessmen' *Economic Development and Cultural Change* 21, 1972.
Patel, Vallabbhai, *The Tragedy of Kashmir*: New Delhi 1975.
Phadnis, Urmila, 'Ethnic Dynamic in South Asian State', *South Asia Journal* January-March 1990.
Poplai S. L. (ed.), *India 1947-50*, vol. 1, Internal Affairs (Oxford 1959)
Premdas, Ralph R., *The internationalization of Ethnic Conflict*.
Punjabi, Riyaz, 'Kashmir : The Bruised identity', in Raju G. C. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir : The roots of conftict in South Asia* (Boulder 1992).
Puri, Balraj, *'Jammu and Kashmir: Triumph and Tragedy of Indian Fedaralism* (New Delhi. 1981).
——— 'Jammu and Kashmir: Congress (I)'s short sighted Game', *EPW*, 3 Dec. 1983. vol. XVIII no. 49.
——— 'The Challenge of Kashmir', *EPW*, 27 January 1990, XXV, 4.
——— 'Why Jammu goes restive', *The Tribune*, 10 Dec. 1990.
——— 'Kashmiriyat' the vitality of Kashmiri identity', *Contemporary South Asia* 1995 4(1).

—— '*Kashmir Towards Insurgency* (*Tracts For Times* 4 (New Delhi 1995 ed.).
—— *Jammu : A Clue to Kashmir Tangle* (Delhi 1966)
Pye, L. W., 'Party System and National Development in Asia' in Joseph La Palmobara & Myron Weiner eds., *Political Parties and Political development* (Princeton 1966).
Qasim, Mir, *My life and Times* (New Delhi 1992).
Ra'an, Uri, 'The Nation State Fallacy in Joseph V. Montvill, ed., *Confict and Peacekeeping in Multiethnic Societies* (Lexington 1990).
Rahaman, Nafisur and A. G. Soofi, *ABC of Kashmir's Bid for freedom* (Muzaffarabad 1956).
Rahman, Tariq, *Language and Politics in Pakistan* (Oxford 1998 ed.).
Raina, Dina Nath, *Unhappy Kashmir: The Hiden Story* (New Delhi 1990).
Rais, Rasul Baksh, 'Building state and nation in Pakistan', Paper presented in ICES Seminar August 1993 Colombo.
Ranadive, B. T., *National Problems and the Working Class in India* (Calcutta 1989).
Rashdi, Mumtaz, 'Sindh Malaise', *Pakistan Illustrated Weekly* 30 June 1991.
Rashid, Abbas and Saheed, Farida, *Pakistan: ethno-politics and contending elites* (Geneva 1993).
Rashid, Jamal, 'Ethnic Conflicts' *The Friday Times*, 9-15 July 1992.
Raychaudhuri, Tapan, 'Historical Roots of Mass Poverty in South Asia: A hypothesis'. *EPW*, 20.18.4 May 1985.
. Reetz, Dientrich, 'National consolidation or fragmentation of Pakistan: The Dilemma of General Zia-ul-Haq (1977-1988)' in D. Weldemann, *Nationalism, Ethnicity, and Political Development. South Asian perspective* (Delhi 1991).
Rizvi, Gowher, '*India*; Pakistan and Kashmir Problem 1947-1972' in Raju G.C. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir : The roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992).
——'Nehru and the Indo-Pakistan rivalry over Kashmir 1947-64' Contemporary South Asia 1995 4(1).
Rose, Leo, 'The Politics of Azad Kashmir' in Raju G. C. Thomas, *Perspectives on Kashmir : The roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992)
—— 'Indian Foreign Relations: Reassessing Basic Policies, in Marshall M Boulton and Philip Oldendug eds. *India Briefing* (Boulder 1970).
Rosen, G., *Democracy and Economic Change in India* (Berkeley 1967)

Rotschild, Joseph, *Ethnopolitics: A Conceptional Frame work* (New York 1981).

Rudolph, Lloyd and Rudolph, Susanne, *In Pursuit of Lakshmi : the Political Economy of the Indian State*, (Chicago 1987).

Rustamji, F., 'Do we have to live with terrorism forever?' *Delhi Mid-day* 23 March 1999.

Said, Abdul and Simons, R. L. ed., *Ethnicity in an international Context* (New Brunswick 1978)

Sayed, Anwar H., 'Political parties and the Nationality Question in Pakistan' *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, vol. XII no. 1. fall 1988.

Sayeed, Khalid B., *Politics in Pakistan : The Nature and Direction of Change* (New York 1980).

Schermerhorn, R. A., *Ethnic Plurality in India* (Arizona 1978).

Schofield, Victoria, *Kashmir in cross fire* (London 1996).

Shah, Mehtab Ali, 'The Kashmir Problem: a view from four provinces of Pakistan', *Contemporary South Asia*, 1995 4 (1).

——*The Foreign Policy of Pakistan: Ethnic Impact of Diplomacy 1971-1994* (London & New York 1997).

Shah, Sayid G. Mustafa, 'Sindhology' : its meaning and scope, *Sindh Quarterly*, vol. X, no. 3. 1982.

——'Sindhi-Literature and Sindhi Society', *Sindh Quarterly*, vol. X, no. 1, 1982.

—— 'Sindh:Conflagration of Martial Laws and its Resurrection from Ashes', *Sindh Quarterly*, vol. XV, no. 1, 1987.

—— Sindh society and Sindh Tomorrow: The Resurgence and the Revolt of the Indigenous in Pakistan', *Sindh Quarterly* vol. XV, no. 4,1987.

—— Sndh: The causes of present discontent, Sindhi leadership, hopes and hazards', *Sindh Quarterly*, vol. XII, 1984, no. 1.

Shepperdson, M. and Simmons, C. eds., *The Indian National Congress and the Political economy of India 1885-1947* (Aldershot 1988).

Shiels, L. Fredrick ed., *Ethnic, Separatism and World Politics* (New York 1984).

Shirokov, G. K., *Industrialization of India* (Moscow 1973).

Silva, K. M. De and May, R. J. (eds.), *Internationalization of Ethnic Confict* (New York 1982).

Singh, Karan, *Heir Apparent: An autobiography* (Delhi 1982).

Singh, P. C., 'Muhajirs and Ethno-Nationalism in Pakistan' *Journal of Peace Studies* vol. II. 12-13. September-December 1995.

Singh, Prakash, 'An Indian Perspective II, in Robert G. Wrising ed.,

Kashmir : Resolving Regional Conflict : A Symposium (Meerut 1996).

Singh, Tavleen, *Kashmir : A Teagedy of Errors* (New Delhi 1995)

Smith, Anthony D., *The Ethnic Revival*, (Cambridge 1981).

——— *Nations and Nationalism in a Global Era* (Cambridge 1996 ed.).

——— 'Ethnic Myths and Ethnic Revivals' *Archives Eurpeens De Sociologie*, 24 March 1984.

Stack, John F. ed., *Ethnic Identities in a Transitional World* (Connecticut 1981).

Subrahmanyam, K., *Kashmir', Strategic Analysis*, vol. III, no. 2, May 1990.

Suffi, G.M.D., *Kashmir*, vol. 1, (1974 ed.).

Suhrawardy, A. H., *Kashmir: The Incredible Freedom Fight* (Lahore 1991).

Suhrke, Astri and Noble, Garner Laela eds., *Ethnic Groups in International Relations* (New York 1977).

Surjeet, Harkishen Sing, *Kashmir and its future* (Peoples Publishing House 1955).

Syed, Anwar H., Political Parties and the Nationality question in Pakistan, *Journal of South Asian and Middle Eastern Studies*, vol. XXII, no. 1, Fall 1988.

Syed, G. M., *Sindhoodesh chho ain chha lai* (Ulhasnagar 1974).

——— *Sindhudesh : A Study in its separate identity through the ages (Karachi : nd).*

——— *A Case for Sindhudesh* (Bombay 1985).

Symonds, Richard, *The Making of Pakistan* (London 1950).

Teresa. Joseph, *Kashmir, human rights and the Indian Press : Contemporary South Asia* (2000) 9(1).

Tonyo, Mahammad Bachal, 'Ethnicity in Sindh and national cohesion' *Sindh Quarterly*, vol. XIX, no 1, 1991.

Tremblay, Reeta Chaudhuri, 'Kashmir : The valley's political dynamics', *Contenporaly South Asia*, vol. 4, no. 1, March 1995.

Thomas, Raju G. C. ed., *Perspectives on Kashmir : the roots of conflict in South Asia* (Boulder 1992).

Varshney, Asutosh, 'Three compromised Nationalism: why Kashmir has been a problem' in Raju G. C. Thomas ed., *Perspectives on Kashmir: The roots of confict in South Asia* (Boulder 1992).

Vas. Lt. Gen. E. A. (Rtd.), *Without Baggage: A Personal Account of the Jammu and Kashmir operations October 1947-January 1949* (Dehradoon 1987).

Verkaaik, Oskar, *A people of migrants: ethnicity, state and religion in Karachi* (Amsterdam 1994).

Vincent, John A., 'Differentiation and resistance : Ethnicity' in valle d' Aosta and Kashmir, *Ethnic and Recial Studies*. vol. 5, no. 3, July-1982.

Viswam. S. and Ali, Salamat, 'Vale of Tears', *Far Eastern Economic Review*, 8 February 1990.

Waseem, Mohammad, *Politics and the state in Pakistan* (Islamabad 1994)

—— 'Ethnic conflict in Pakistan: Case of MQM', *Paper Presented at the conference on Communalism and Migration: South Asians in diaspora, University of Edinburgh*, June 1997.

Webster. N., *Panchayati Raj and the Decentralization of Development Planning in West Bengal: a case study*, (Copenhagen 1990).

Weiner, Myron, 'The Macedonian Syndrome: An Historical Model of International Relations and Political Development', *World Politics*, vol. XXIII, no. 4 July 1973.

—— *The Indian Paradox: Essays in Indian Politics* (New Delhi 1989).

Welsh, David, 'Domestic Politics and Ethnic Conflict' *Survival* vol. 35, no. 1, Spring 1993.

Westergaard, K., *Peoples Participatior, local government and rural development : the case of West Bengal*, Copenhagen 1986).

Widmalm, Sten, *Democracy and Violent Separatism in India : Kashmir in a Comparative Perspective* (Uppsala 1997).

Wilcox, Wayne Ayers, *Pakistan: The consolidation of a nation* (New York 1963).

Wright, P. Theodar Jr., 'Indian Muslim Refugees in the Politics of Pakistan' *Journal of Commonwealth and Comparative Politics*, July 1974.

—— 'Centre Preiephery Relations and Ethnic Conflict in Pakistan: Sindhis, Muhajirs, Punjabis', *Comparative Politics*, April 1991.

Wrising, Robert G., 'Kashmir Confict: The new phase' in C. H. Kennedy ed., *Pakistan* 1992 (Boulder 1983).

—— 'Ethnicity and Political Record in Pakistan', *Asian Affairs*, vol. 15 no. 2, Summer 1988.

—— *India, Pakistan and the Kashmir Dispute : On Regional Confict and Its Resolution* (NY. 1994)

—— ed., *Kashmir : resolving regional conflict : a symposium* (Meerut 1996).

Yaap. M., 'Language, religion and political identity: a general frame-

work' in David Taylor and M. Yapp eds., *Political Identity in South Asia* (London 1979).

Zaidi, A. M. (ed.), *Congress Presidential Addresses*, vol. 5, (New Delhi 1989).

Zaidi, S. Akbar, 'Sindh Vs Muhajir: Contradiction, conflict, compromise', in S. Akbar Zaidi ed., *Regional Imbalances and the National Questions in Pakistan* (Lahore 1992).

—— *Regional Imbalances and the National Question in Pakistan* (London 1992).

—— *Issues in Pakistan's Economy* (Karachi 1999).

—— 'How the Bourgeoisie views Pakistan', *EPW*, 23, 48, 1988.

Ziring, Lawrence, 'The Rann of Kutch' in Masuma Hasan, ed., *Pakistan in a changing world: Essays in Honnour of K. K. Sarwar Hasan* (Karachi 1978).

—— *Pakistan: The enigma of Political Development* (Folkstone 1980).

—— 'Public Policy Dilemas and Pakistan's Nationality Problem: The Legacy of Zia-Ul-Haq', *Asian Survey*, vol. XXVIII, no. 8, Auguest 1988.

Zutshi, U. K., *Emergence of Political Awakening in Kashmir* (Delhi 1988).

B. Newspapers, Periodicals and Press Reports.

Agence France Presse (Paris)
Amrita Bazar Patrika (Calcutta)
Communalism Combat (Mumbai)
Contemporary South Asia (Abingdon)
Economic and Political Weekly (Mumbai)
Far Eastern Economic Review (Hong Kong)
Foreign Broadcast Information Service (Washington DC)
Ganashakti (Calcutta)
Himal South Asia (Kathmandu)
India Today (Delhi)
New York Times (New York)
Newsline (Karachi)
Newsweek (New York)
Pakistan Horizon (Karachi)
Pakistan Observer (Dhaka)
Pakistan Times (Islamabad)

Peace Initiatives (Delhi)
People's Democracy (Delhi)
Public Opinion Trends Analysis and News Service (Delhi)
Regional Studies (Islamabad)
Reuter's Library Report
Sindh Quarterly
South Asia Journal (New Delhi)
Strategic Analysis (New Delhi)
Survival (London)
Surya India (Delhi)
The Asian Age (Calcutta)
The British Broadcasting Corporation Report (London)
The Dawn (Karachi)
The Economist (London)
The Friday Times (Karachi)
The Frontline (Chennai)
The Herald (Karachi)
The Hindu (Chennai)
The Hindustan Times (Delhi and Calcutta)
The Indian Express (Delhi)
The Kashmir Times (Jammu)
The Morning News (Karachi)
The Nation (Lahore)
The New Republic (New York)
The Organiser (Delhi)
The Patriot (Delhi)
The Pioneer (Delhi)
The Sindh Percher (London)
The Statesman (Calcutta)
The Telegraph (Calcutta)
The Times (London)
The Times of India (Delhi and Calcutta)
The Tribune (Chandigarh)
The Viewpoint (Lahore)

اُردو ادب کی ترقی پسند تحریک

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

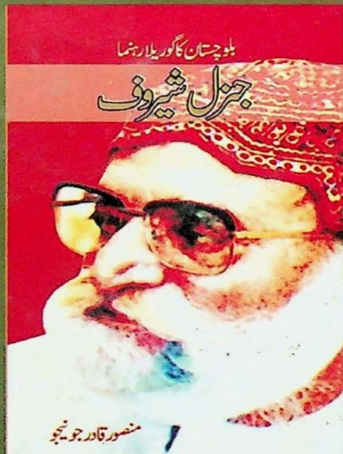
احمد پراچہ

میو راجپوت



ترجمہ وتحقیق

سردار عظیم اللہ خاں میو

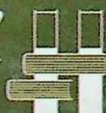


بلوچستان

شخصیات کے آئینہ میں

عزیز محمد بگٹی





فکشن ہاؤس

18-مزنگ روڈ لاہور

E-mail: fictionhouse2004@hotmail.com
Ph:042-7249218, 7237430

ISBN 978-969-562-052-6

